اعتقادِ

شیعہ امامیہ

اسماعیلیہ

صابر سلیم

ہم تمہارے سامنے دائی علی المرتضیٰ ہیں، ہم نے اپنے ہاتھوں سے آدم (علیہ السلام) کو بنایا

حضرت امام آقا حسن علی شاہ علیہ السلام

آپ ہم سے جو بھی سوال ہو وہ پوچھو، شرم محسوس نہ کرو، حتیٰ کہ ہمارے گھر میں آ جانا اور سوال کرنا، ہم حسین ابنِ علی علیہ السلام ہیں

حضرت امام آقا علی شاہ علیہ السلام

جب آپ سات سال کی عمر میں مسندِ امامت پر براجمان ہوئے

اے جماعتوں! تم ہمیں چھوٹا مت سمجھنا۔ ہم آلِ رسول ہیں۔ ہمارے دادا حضرت علی مرتضیٰ اور دادی خاتونِ جنت حضرت بی بی فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔ ہم علی اور نبی دونوں کے نور سے ہیں۔ اگرچہ عمر میں چھوٹے ہیں، لیکن مرتبے میں بڑے ہیں

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام

ہم آپ کو خبردار کرتے ہیں کہ دنیا کی وجہ سے دین کو مت بھولنا کیونکہ جسم عارضی ہے اور روح دائمی ہے۔ ایک کی خاطر دوسرے کو مت بھولنا آپ کو دینی اور دنیاوی کامیابی نصیب ہو۔ یاد رہے ہم دنیا کے بجائے دین کو پہلے فرما رہے ہیں

حضرت امام کریم الحسینی علیہ السلام

شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اسلام کے بنیادی اصول توحید پر قائم ہے۔ اگر آپ کو کوئی پریشانی یا فکر ہو، تو اپنے امام حاضر سے رجوع کریں

حضرت امام رحیم الحسینی علیہ السلام

کتاب: اعتقادِ شیعہ امامیہ اسماعیلیہ

مصنف: صابر سلیم

نوٹس:

یہ کتاب شیعہ امامیہ اسماعیلی عقائد پر مبنی ہے، جس میں ان کے مذہبی کتب سے حوالہ جات کے ساتھ عقائد بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب صرف علمی و تحقیقی مقصد کے لیے ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخِ اسلام گواہ ہے کہ جب بھی دینِ حق پر جمود طاری ہوا، جب بھی امتِ مسلمہ میں فکری انتشار پھیلا، اور جب بھی بدعات و خرافات نے عقائد کی شفافیت کو گدلا کرنے کی کوشش کی، تب اللہ تعالیٰ نے اپنے نورِ ہدایت کے لئے کسی نہ کسی علم دوست راسخ العقیدہ شخص کو یہ فریضہ سونپا کہ وہ اٹھے، اپنے علم کو ظاہر کرے، اور حق و باطل کے درمیان واضح لکیر کھینچ دے۔ یہ فریضہ محض ایک علمی مشغلہ نہیں، بلکہ ایک روحانی جہاد ہے۔

اس کتاب "اعتقادِ شیعہ امامیہ اسماعیلیہ" کی تصنیف کے پیچھے بھی یہی تاریخی و روحانی شعور کارفرما ہے۔ اس کتاب کے مقصد کو سمجھنے کے لئے ہمیں تاریخ کے اس روشن باب کی طرف رجوع کرنا ہوگا جب ایک عظیم فاطمی امام نے اپنے وقت کے سب سے بڑے داعی اور قاضی کو ایک ایسی ہی لازوال کتاب کی تالیف کا حکم دیا، جس کی روشنی آج بھی اہلِ ایمان کے قلوب کو منور کر رہی ہے۔

جس طرح امام العصر، حضرت امام مولا رحیم الحسینی حاضر امام علیہ السلام نے فرانس کے دیدار کے موقع پر جماعتِ شیعہ

امامیہ اسماعیلیہ سے ارشاد فرمایا

اگر آپ کے خاندانوں میں کوئی غیر اسماعیلی شیعہ ہے تو بھی اُن کو جماعت خانہ کی دعا یعنی (صلوٰۃ) کے علاوہ تمام اُمور میں شامل کریں۔ ہمارے دروازے اُن کے لیے کھلے ہیں، وہ بھی ہماری جماعت کا حصہ ہیں، اُنھیں خوش آمدید کہیں۔ باقی جہاں تک جماعت خانہ کے اندر آنے کا تعلق ہے، یہ کوئی راز داری (چھُپانا اور پوشیدہ رکھنا) نہیں، بلکہ اسماعیلی شیعوں نے ہماری بیعت کی ہوئی ہے، اور یہ امامِ وقت کے ساتھ ایک خاص رشتہ و بندھن ہے۔

اس فرمانِ مبارک کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ غیر اسماعیلی شیعہ افراد کو اسماعیلی عبادات میں شامل کر دیا جائے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح فاطمی دَور میں امام المعز علیہ السلام نے **جامعہ الزہراء (الازہر)** کی بنیاد رکھنے میں کردار ادا کیا، اور باقی آئمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی اس علمی ادارے کو فروغ دیا جہاں تمام مکاتبِ فکر کے لوگ یکساں طور پر علم حاصل کرتے تھے اُسی طرح اگر کوئی انسان محبت کے ساتھ بیعت امام علیہ السلام میں داخل ہوتا ہے تو پھر اُس کے لیے شیعہ امامی اسماعیلی عبادات کو ادا کرنا ایک لُطف، سکون اور روحانی تسکین کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

یعنی امام کی بیعت اور اس سے جڑنا ایک شعوری فیصلہ ہے، اور اس کے بعد عبادات محض رسم نہیں بلکہ ایک روحانی سفر کا حصہ بن جاتی ہیں، جس میں تسلیم، محبت، اور معرفت شامل ہوتی ہے۔

امامِ زماں کا فرمان اور کتابِ 'دعائم الاسلام' کا قیام

فاطمی دور کے عظیم داعی، سیدنا ادریس عماد الدین، اپنی شہرہ آفاق تصنیف "عیون الاخبار" میں شیعہ امامیہ اسماعیلیہ کی بنیادی فقہی کتاب "دعائم الاسلام" کی وجہِ تالیف بیان کرتے ہوئے ایک نہایت بصیرت افروز واقعہ نقل فرماتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ چوتھے فاطمی خلیفہ، امام المعز علیہ السلام کی بارگاہ میں ان کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس)، سیدنا ابو حنیفہ النعمان بن محمد (المعروف قاضی نعمان قدّس اللہ سرّہ)، دیگر علماء اور فقہاء کے ساتھ موجود تھے۔ مجلس میں احادیثِ موضوعہ (گھڑی ہوئی حدیثیں)، روایات کے اختلاف اور ان سے پیدا ہونے والے تفرقے اور گمراہی پر علمی

مباحثہ جاری تھا۔ ہر کوئی اپنی دلیل پیش کر رہا تھا، اور امت کا فکری انتشار کھل کر سامنے آ رہا تھا۔

باب: دعائم الاسلام کی وجہِ تالیف

اس موقع پر، امامِ زماں، المعز لدین اللہ علیہ السلام، نے گہری بصیرت کے ساتھ اس تمام علمی بحث کو سمیٹتے ہوئے، سیدنا قاضی نعمان قدّس اللہ سرّہ کو ان کے جدِ امجد، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ مشہور فرمان یاد دلایا جو ہر صاحبِ علم کے لئے ایک دائمی ضابطۂ حیات کی حیثیت رکھتا ہے

إِذَا ظَهَرَتِ الْبِدَعُ فِي أُمَّتِي فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهُ، فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ

ترجمہ: "جب میری امت میں بدعتیں (گمراہ کن نئی باتیں) ظاہر ہوں تو عالم پر فرض ہے کہ وہ اپنے علم کو ظاہر کرے۔ پس اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔"

یہ حدیثِ مبارکہ نقل کرنے کے بعد، امامِ وقت نے سیدنا قاضی نعمان کی طرف خصوصیت سے نگاہِ امامت ڈالی اور فرمایا:

"اے نعمان! اس حدیثِ شریف میں تم جیسے ہی عالموں سے خطاب کیا گیا ہے۔"

امام کا یہ جملہ محض ایک تعریف نہ تھا، بلکہ یہ ایک حکم تھا، ایک ذمہ داری تھی، اور ایک روحانی منصب کی تفویض تھی۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اس دور کی فکری گمراہیوں اور بدعات کا جواب دینا قاضی نعمان قدّس اللہ سرّہ سے محبت کرنے والے علم دوست راسخ العقیدہ شخص کا فرض ہے۔ اس کے بعد، امام المعز علیہ السلام نے انہیں "دعائم الاسلام" کی تالیف کا باقاعدہ حکم صادر فرمایا۔ آپ نے نہ صرف کتاب لکھنے کا حکم دیا، بلکہ اس کے بنیادی اصول و فروع بھی خود مرتب فرمائے اور اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام سے منقول وہ تمام صحیح اور مستند روایات جو سینہ بہ سینہ امامت کے سلسلے میں محفوظ چلی آ رہی تھیں، قاضی نعمان کے علم میں لا کر انہیں ایک ایسا مستند ماخذ فراہم کر دیا جس کی بنیاد پر وہ اسلام کے حقیقی ستونوں کو قائم کر سکیں۔

باب: دعائم الاسلام کی وجہِ تالیف

دعائم الاسلام" محض ایک فقہی کتاب نہیں، بلکہ یہ امامِ زماں کے حکم کی تعمیل میں، امت کو تفرقے سے بچانے اور دین کی اصل شکل کو محفوظ کرنے کی ایک عظیم کاوش تھی۔ اس نے صدیوں تک شیعہ اسماعیلیہ جماعت کے لئے آئین اور دستور کی حیثیت رکھی اور آج بھی اس کے چشمۂ علم سے اہلِ دانش اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔

عصرِ حاضر کا چیلنج اور امامِ وقت کا نیا فرمان

تاریخ خود کو دہراتی ہے۔ جس طرح قاضی نعمان قدّس اللہ سرّہ کا دور علمی انتشار، غلط فہمیوں اور بدعات کا دور تھا، اسی طرح ہمارا موجودہ دور بھی ایک نئے قسم کے فکری چیلنجز سے گھرا ہوا ہے۔ آج شیعہ اسماعیلیہ عقائد کے بارے میں نہ صرف دیگر مکاتبِ فکر میں، بلکہ خود نوجوان نسل میں بھی بے شمار سوالات اور غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ میڈیا، انٹرنیٹ اور غیر مستند لٹریچر نے ایک ایسا اطلاعاتی طوفان برپا کر رکھا ہے جس میں حق کی آواز دبتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

ایسے میں، کیا عالم پر اپنے علم کو ظاہر کرنے کا وہی فریضہ عائد نہیں ہوتا کیا آج کے پڑھے لکھے اور صاحبِ فہم اسماعیلیوں پر یہ ذمہ داری نہیں کہ وہ اٹھیں اور اپنے عقیدے کی وضاحت کریں؟

اس سوال کا جواب ہمیں ہمارے انچاسویں حاضر و موجود امام، نور مولانا شاہ کریم الحسینی علیہ السلام کے ایک تاریخ ساز فرمان میں ملتا ہے۔ 17 جولائی 2002 کو دارالسلام، تنزانیہ کے مقام پر، اپنی جماعت سے خطاب کرتے ہوئے، آپ نے ایک نیا حکم، ایک نئی راہ اور ایک نئی ذمہ داری کا تعین فرمایا۔ آپ کے الفاظ آج کے ہر شیعہ اسماعیلیہ ، بالخصوص اہلِ علم و دانش، کے لئے ایک واضح پکار ہیں

تو آج میں آپ سے کہتا ہوں، خواہ آپ تنزانیہ میں ہوں یا دنیا کے کسی اور حصے میں، اٹھ کھڑے ہوں۔ بھاگیں نہیں!"

"کھل کر اور صاف گوئی کے ساتھ بات کریں کہ اسلام کی ہماری تعبیر کیا ہے۔

یہ فرمان عصرِ حاضر کے لئے وہی حیثیت رکھتا ہے جو امام المعز علیہ السلام کا فرمان قاضی نعمان قدّس اللہ سرّہ کے لئے رکھتا تھا۔ یہ ایک پکار ہے، ایک حکم ہے، اور ایک اجازت ہے کہ اب تقیہ اور خاموشی کا دور ختم ہوا۔ اب ضرورت اس

امر کی ہے کہ ہم اپنی شناخت، اپنے عقائد اور اسلام کے بارے میں اپنے منفرد اور ترقی پسند نقطۂ نظر کو دنیا کے سامنے اعتماد اور دلیل کے ساتھ پیش کریں۔

اٹھ کھڑے ہوں، بھاگیں نہیں!" یہ الفاظ اس بزدلانہ ذہنیت کی نفی کرتے ہیں جو سوالات سے گھبراتی ہے اور اپنی شناخت چھپاتی ہے۔

کھل کر اور صاف گوئی سے بات کریں!" یہ حکم اس منافقت اور مصلحت پسندی کو رد کرتا ہے جو حق بات کہنے سے ڈرتی ہے۔

کتاب اعتقادِ شیعہ امامیہ اسماعیلیہ

مصنف، صابر سلیم، کی یہ کتاب درحقیقت انہی دو عظیم فرامین کی روح کی عملی تعمیل ہے۔ یہ کتاب ایک محقق کا اپنے فریضے کی ادائیگی کا اعتراف ہے۔ جس طرح قاضی نعمان قدّس اللہ سرّہ نے اپنے دور کی بدعات کے جواب میں دعائم الاسلام تالیف کی، البتہ سیدنا قاضی نعمان قدّس اللہ سرّہ کی سنت، امام معز علیہ السلام کی تعلیم، اور امام کریم الحسینی علیہ السلام کے فرمان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مصنف نے اس دور کی غلط فہمیوں اور جہالت کے اندھیروں کے جواب میں اعتقادِ شیعہ امامیہ اسماعیلیہ کا چراغ روشن کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ کتاب مولانا حاضر امام کے فرمان "اٹھ کھڑے ہوں" پر ایک عاجزانہ "لبیک" ہے۔ یہ اس حکم کی تعمیل ہے کہ "کھل کر اور صاف گوئی سے بات کریں"۔ مصنف نے اس کتاب میں وہی کرنے کی کوشش کی ہے یعنی اسلام کی اسماعیلی تعبیر کو اس کے اپنے بنیادی مآخذ: قرآنِ کریم، حدیثِ نبوی، ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین، اور پیروں کے گنانوں کی روشنی میں، بغیر کسی خوف اور معذرت کے، واضح اور مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔

یہ کتاب محض دفاع نہیں بلکہ وضاحت ہے، اس کا ہدف مناظرہ نہیں بلکہ مکالمہ ہے۔ یہ اسماعیلی نوجوانوں کے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات کا جواب بھی ہے، اور دیگر مکاتبِ فکر کے ان مخلص افراد کے لئے دعوتِ فکر بھی جو اسماعیلی تشیع عقائد کو تعصب کی عینک کے بغیر، براہِ راست اس کے پیروکاروں کے قلم سے سمجھنا چاہتے ہیں۔

پس، اس کتاب کی وجہِ تالیف وہی مقدس فریضہ ہے جس کا تعین رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جس

کا حکم امام المعز علیہ السلام نے دیا، اور جس کی تجدید ہمارے زمانے کے امام، نور مولانا شاہ کریم الحسینی علیہ السلام، نے فرمائی: **علم کو ظاہر کرنا، جب ہر طرف جہالت کے اندھیرے چھا رہے ہوں۔**

موضوعات:

امامت اور خلافت -------------------- صفحہ 18

→ امامت کی تعریف

→ خلافت اور اس کا تصور

→ امامت کی اہمیت

→ امامت اور ولایت کا فرق

→ امام کی خصوصیات

→ امامت کے درجات

→ امامت اور روحانی رہنمائی

صلاۃ ------------------------------------ صفحہ 72

→ صلاۃ کی فرضیت

→ صلاۃ کے احکام و شرائط

→ جماعت کی اہمیت

شادی کے احکامات ---------------------- صفحہ 82

→ نکاح کی شرائط

→ نکاح کی اقسام

→ شادی کے فضائل

→ میاں بیوی کے حقوق

→ طلاق کے احکامات

روزہ ------------------------------ صفحہ 87

→ روزہ کی فرضیت

→ روزہ کے اقسام

→ روزہ کے مسائل

غیبت اور ظہورِ مہدی علیہ السلام -------- صفحہ 92

→ غیبتِ امام کا عقیدہ

→ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور

→ ظہور کی علامات

جہاد ------------------------- صفحہ 109

→ جہاد کی اقسام

→ روحانی جہاد

→ دفاع اور تحفظ

→ شہادت اور اس کے مراتب

→ امن اور صلح کی اہمیت

شراب کے متعلق سخت فرامین ------- صفحہ 113

→ شراب کی ممانعت

→ شراب کے نقصانات

→ قرآن و احادیث میں شراب کی مذمت

→ نشہ آور اشیاء کے احکام

→ شراب نوشی اور سزا

→ توبہ اور اصلاح

کونسل کے اختیارات، ذمہ داریاں اور روحانی جوابدہی ------- صفحہ 148

→ اسلام میں اطاعت کا تصور اور اولی الامر کی اہمیت

→ کونسل کا روحانی پس منظر اور اس کی اہمیت

→ عدل و انصاف - کونسل کی اولین ذمہ داری

→ اتحاد و اتفاق - جماعت کی بقاء کا ضامن

→ جماعت کی معاشی اور سماجی فلاح و بہبود

→ تعلیم و تربیت - مستقبل کی تعمیر

→ کونسل کے اراکین کی صفات و کردار

→ آزمائش اور چیلنجز

→ کونسل، امامِ زماں کے وژن کا عملی مظہر

یومِ آخرت اور ظہورِ مہدی روحانی بیداری کا پیغام ------- صفحہ 169

→ عقیدہ آخرت کی اہمیت اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات

→ قیامت اور یومِ حساب قرآنی تصورات

→ قیامت کا تصور فنا اور بقا کا فلسفہ

→ یومِ حساب: اعمال کا ترازو اور روحانی جوابدہی

→ جنت اور دوزخ: روحانی کیفیات اور اعمال کے نتائج

→ آخری زمانہ (آخر الزماں) کی نشانیاں

→ شیطان کا فریب اور ایمان کی آزمائش

→ مومن کی ذمہ داریاں اور روحانی تیاری

→ امام مہدی کا ظہور - بشارتیں اور حقیقت

→ امام مہدی کا تصور: شیعہ اور سنی مکاتبِ فکر میں

→ فرامین کی روشنی میں "ظہور" کا باطنی مفہوم

→ روحانی قیامت اور مومن کی معراج

→ قیامتِ صغریٰ اور قیامتِ کبریٰ

→ مومن کی موت: وصالِ حق اور دیدارِ امام

→ "فنا فی الامام" اور روحانی بقا کا مقام

→ یومِ آخرت کا پیغام: خوف نہیں، امید اور روحانی تیاری

ظاہری شریعت اور باطنی شریعت ------- ------- صفحہ 210

→ ظاہری شریعت کی حدود اور باطنی شریعت کی اہمیت

→ زمانے کا امام زندہ اور متحرک شریعت کا سرچشمہ

→ قائم کا ظہور اور امرِ جدید قرآنی اور روایتی استدلال

→ باطنی پاکیزگی روحانی ارتقاء اور مومن کی معراج

حج کا ظاہری اور باطنی پہلو ------- -------- صفحہ 218

→ حج کا لغوی اور شرعی مفہوم

→ جسمانی سفر اور روحانی سفر کا فرق

→ قرآن اور حدیث میں حج اور کعبہ کا مقام

→ زندہ کعبہ کی مثال

→ حضرت علی (علیہ السلام) بحیثیتِ کعبۂ مستورہ

→ وجہ اللہ کا دیدار

→ چہرۂ علی (علیہ السلام) کو دیکھنا عبادت ہے

→ اہلِ بیت (علیہم السلام) ہی دین کے ستون ہیں

→ نماز، روزہ اور حج کی باطنی حقیقت

→ حاضر امام ہی حقیقی کعبہ اور خداوند کا مظہر ہے

→ زمانے کا امام زندہ اور متحرک شریعت کا سرچشمہ

→ امامِ زماں کی معرفت اور نجات کا تعلق

→ مکہ اور ظاہری حج کا باطنی مفہوم

→ ظاہری حج کی قبولیت کی شرط

→ حقیقی حج: باطنی طہارت اور اعمالِ صالحہ

→ امامِ زماں کی معرفت ہی اصل عبادت ہے

امامت اور خلافت

امامت کی تعریف:

شیعہ امامیہ اعتقاد:

امامت ایک دینی اور دنیوی عہدہ ہے جس پر نص کا ہونا واجب ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے

سورۃ البقرہ، آیت 124:

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ

ترجمہ:

اور جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات سے آزمایا تو انہوں نے انہیں پورا کر دکھایا۔ اللہ نے فرمایا: بے شک، میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: اور میری اولاد میں سے؟ اللہ نے فرمایا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

اسی طرح امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنے فرمان میں اس مفہوم کی وضاحت فرمائی ہے

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے فرمایا

اتنے دن ہم نے تمہیں دوسری حدیثیں سنائیں، لیکن ایک حدیث تمہارے لئے رکھی تھی، وہ حدیث تمہیں سناتے ہیں۔ جب نبی محمد مصطفی ﷺ آخری حج کے لئے گئے۔ اور جب حج کر کے واپس آرہے تھے، تو آدھے راستے پر "غدیر خم" کے مقام پر پہنچے۔ اُس وقت جو آگے نکل گئے تھے اور جو پیچھے رہ گئے تھے، قافلے کے سب افراد وہاں جمع ہوئے۔

حضرت نبی محمد مصطفی ﷺ نے ان سب سے فرمایا کہ، اب ہمارا آخری وقت قریب ہے، یعنی ہم اس دنیا میں تھوڑے دنوں کے لئے ہیں۔ اس لئے تمہیں فرماتے ہیں کہ آج تک اللہ کے جتنے بھی احکامات ہوئے، وہ تمام احکامات ہم نے تمہیں سچ کہہ کر سنائے۔

یہ بات سچ ہے یا نہیں؟ وہ تم ہمیں بتاؤ۔

تب سب لوگوں نے کہا: ہاں، آپ نے اللہ تعالیٰ کے تمام فرامین ہمیں سنائے ہیں۔

پیغمبر نے فرمایا: کیا تم اللہ کے سامنے گواہی دو گے کہ ہم نے اللہ کے تمام احکامات تمہیں سنا دیے ہیں؟

تب سب لوگوں نے کہا: ہم اللہ کے پاس گواہی دیں گے کہ آپ نے ہمیں تمام احکامات سنائے ہیں۔

اس کے بعد امام نے فرمایا: اس حدیث کو اہل سنت بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ حدیث سنیوں کی کتب میں لکھی ہوئی ہے۔ زہرا نام کا ایک عالم جو بڑا قابل تھا، اس حدیث کو اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، جو ہم تمہیں بتاتے ہیں۔

پیغمبر نے فرمایا: ہم تمہارے نبی ہیں۔ کیا تم اس کی گواہی دو گے؟

تب لوگوں نے کہا: برحق، آپ ہمارے نبی ہیں، ہم اس کی گواہی دیں گے۔

پیغمبر نے فرمایا: ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ ہم آپ کے نبی ہیں اور اللہ نے ہمیں تم پر نبی بنا کر بھیجا ہے۔

اس کے بعد پیغمبر نے فرمایا: ہم اپنے پیچھے دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں قیامت تک ساتھ رہیں گی اور حوض کوثر تک ساتھ رہیں گی۔

کلام امام مبین، فرمان نمبر 13، جلد 1

یہ حدیث اہل سنت کی کتب خصوصاً بخاری میں بھی درج ہے۔ گویا قرآن، حدیث اور فرمان سے امامت کی ضرورت اور قیامت تک تسلسل جاری رہنے کی وضاحت واضح طور پر موجود ہے، جسے ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔

اسی طرح امام مستنصر باللہ علیہ السلام اور دیگر آئمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین میں اس مضمون کی صراحت ملتی ہے کہ جو لوگ باطل امامت کا اختیار کرتے ہیں، ان کی نسل منقطع ہو جاتی ہے اور وہ شیطان کے وسوسوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد، امام نزار علیہ السلام کی امامت کے عہد میں بھی اس حقیقت کی مثال دی گئی کہ جو لوگ حق امام کو چھوڑ کر باطل کے پیچھے چلے، وہ نہ صرف گمراہ ہوئے بلکہ ان کی نسل بھی باقی نہ رہی، کیونکہ وہ نورِ امامت سے محروم ہو گئے

جس طرح مختلف ادوار میں امامِ وقت کے پردہ فرمانے کے بعد اگلے امام کے عہد میں بعض فرقے وجود میں آئے اور بعض لوگوں نے باطل امامت کا دعویٰ کیا

مثال کے طور پر

امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اُن کے بڑے فرزند امام اسماعیل علیہ السلام کے مقابلے میں اُن کے سوتیلے بھائی موسیٰ بن جعفر نے امامت کا دعویٰ کیا، حالانکہ موسیٰ بن جعفر، حمیدہ خاتون نامی کنیز کے بطن سے تھے، جبکہ مولانا اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام، سیدہ فاطمہ بنت الحسین الأثرم بن الحسن بن علی (سادات گھرانے) سے اور امام اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام پر خود مولانا جعفر صادق علیہ السلام نے واضح نص قائم فرمائی تھی ۔

یہ اس جانب اشارہ تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے امام اسماعیل علیہ السلام کو ہی اپنا حقیقی وارث بنایا، مگر ان کے سوتیلے چھوٹے بیٹے نے بھی امامت کا دعویٰ کیا اور یوں فرقہ سازی کی بنیاد پڑی، جس کے نتیجے میں مکتبِ تشیع میں مزید تفرقے وجود میں آئے۔

اسی طرح

امام مستنصر باللہ علیہ السلام (اوّل) کے بعد اُن کے بڑے فرزند امام نزار علیہ السلام پر واضح نص کی گئی تھی، جسے کتاب نورِ مبین میں سیدنا حسن بن صباح قدس سرّہٗ کی سند سے نقل کیا گیا ہے۔

لیکن اس وقت چونکہ فاطمی سلطنت میں اندرونی خانہ جنگی جاری تھی، تو حکمران طبقے نے فائدہ اٹھا کر امام نزار علیہ السلام کے چھوٹے بھائی مستعلی سے جھوٹا دعویٰ کروایا۔

یوں ہر دور میں بنو عباس اور بعد کے طاغوتی حکمران اہلِ بیت علیہم السلام کی اولاد سے باطل دعوے کرواتے رہے تاکہ حق کی راہ کو گمراہ کیا جا سکے۔

مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان تمام جھوٹے سلسلوں کی نسل منقطع ہو گئی، اور صرف وہی حق کا امامی سلسلہ باقی رہا جو مولانا امام اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام سے ہوتا ہوا مولانا امام نزار علیہ السلام تک، اور آج کے دور میں موجودہ امام، حضرت شاہ کریم الحسینی حاضر امام علیہ السلام کی پاک نسل میں قائم و جاری ہے۔

یہی نورِ امامت قیامت تک چمکتا اور قائم رہے گا، جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے

قرآن کریم کی آیت:

وَإِذِ ٱبْتَلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ رَبُّهُۥ بِكَلِمَـٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّى جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِى ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى ٱلظَّـٰلِمِينَ

(سورۃ البقرہ، آیت 124)

ترجمہ:

اور جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو وہ ان میں پورے اُترے۔ اللہ نے فرمایا: میں تمہیں لوگوں کا امام بناؤں گا۔ ابراہیم نے عرض کیا: میری اولاد سے بھی؟ فرمایا: میرا عہد (امامت) ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

یعنی جو اولادِ آلِ ابراہیم میں سے ظالمین ہوں، اُنہیں اللہ تعالیٰ امامت کے مقام سے محروم فرما دیتا ہے۔

اسی ضمن میں امام مستنصر باللہ علیہ السلام (دوم) کا ایک فرمان موجود ہے، جس میں آپ فرماتے ہیں

"جس طرح امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد حقیقی شیعہ امام مولانا اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑ کر موسیٰ بن جعفر کے پیچھے چلے گئے،
اسی طرح میرے جد امام مستنصر باللہ علیہ السلام (اوّل) کے بعد حقیقی شیعہ امام نزار علیہ السلام کو چھوڑ کر مستعلی کے پیچھے ہو لیے۔
ان سب کو شیطان نے بہکا دیا، وہ ان کے دلوں پر غالب آ گیا، اور یہ تمام لوگ امام کے سایے سے محروم ہو گئے۔"

پندیات جوانمردی" (صفحہ 38)

یوں آج تک حقیقی اہلِ بیت علیہم السلام کا نور مولانا اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام سے لے کر مولانا نزار علیہ

السلام کی ذریّت طیبہ میں چمکتا رہا ہے اور وہی سلسلہ موجودہ حاضر امام علیہ السلام میں قیامت تک قائم و دائم ہے۔

اس کی طرف اشارہ ہمارے پیروں نے گنانوں میں بہترین انداز میں کیا ہے

اے بھائی علی کی آل سے امام آیا وہی اج کلجگ میں ظاہر ہے نسلاََ بعد نسل یہ آل چلی آ رہی ہے وہ دوسرا کوئی کیسے ہو سکتا ہے؟

اننت اکھاڑو پاٹھ (92)

دعائم الاسلام سے تائید

سیدنا قاضی نعمانؒ (داعیِ اسماعیلی شیعہ امامیہ، قاضی القضاۃ فی الدولۃ الفاطمیہ) اپنی کتاب **دعائم الاسلام** میں بیان کرتے ہیں:

جس نے علیؑ کی امامت کا انکار کیا، گویا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا۔

(دعائم الاسلام، جلد 1، باب ولایت)

"جو امام کے بغیر مرے، وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔"

(دعائم الاسلام جلد 1 ، صفحہ 51)

خلافت اور اس کا تصور:

اہل تشیع امامیہ کے نزدیک

شیعہ امامیہ کے عقیدے کے مطابق، امامت ایک الٰہی عہدہ ہے جو نبوت کے بعد دین کی حفاظت، تفسیر اور رہنمائی کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ امامت کا تقرر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور یہ نص یعنی واضح اعلان کے ذریعے معین کی جاتی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم میں اللہ کے حکم سے امام مقرر فرمایا۔ امامت نسل در نسل اہل بیتؑ میں جاری رہتی ہے اور ہر امام معصوم ہوتا ہے۔ امام نہ صرف دینی رہبر ہوتا ہے بلکہ دنیاوی معاملات میں بھی رہنمائی کرتا ہے۔ امام کی ولایت اور رہنمائی قیامت تک جاری رہے گیا اسماعیلی شیعہ عقیدے کے مطابق، امامت کا یہ تسلسل بلا تعطل جاری رہتا ہے اور ہر دور میں اللہ کی طرف سے ایک امام موجود ہوتا ہے جو روحانی اور ظاہری رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ آج کے دور میں یہ تسلسل امام حضرت شاہ رحیم الحسینی آغا خان علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اسماعیلی شیعہ امام ہر زمانے میں زندہ، حاضر اور لوگوں کے درمیان موجود ہوتے ہیں، جن کی رہنمائی اور ولایت قیامت تک جاری رہے گی۔

اہل تسنن کے نزدیک

اہل تسنن خلافت کو ایک انتخابی عہدہ تصور کرتے ہیں، جو امت کے اجتماعی مشورے سے مقرر کیا جاتا ہے۔ خلافت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی **رحلت** کے بعد خلفا کے ذریعے شروع ہوئی اور اسے امت کے اتحاد و انتظام کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک ابوبکر پہلے خلیفہ اور پھر یکے بعد دیگرے خلفا کا انتخاب ہوا۔ خلافت کا مقصد اسلامی قوانین کا نفاذ اور امت کی سیاسی و معاشرتی رہنمائی ہے۔ خلافت کو معصومیت کا درجہ نہیں دیا جاتا بلکہ یہ ایک انسانی اجتہادی منصب ہے۔

یوں، اہل تشیع امامیہ امامت کو نص سے ثابت کرتے ہیں جبکہ اہل تسنن خلافت کو شورائیت پر مبنی قرار دیتے ہیں۔

امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام فرماتے ہیں

امامت نور ہے جو ذریتِ علیؑ و فاطمہؑ میں قیامت تک قائم رہے گا

کلام امام مبین فرمان نمبر 1 جلد 1

امامت کی اہمیت

امامت دین اسلام کا اہم ترین ستون ہے، جو دین کی بقا، رہنمائی اور وحدت کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ شیعہ امامیہ عقیدے کے مطابق، امام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ رہنما ہوتا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں کی ہدایت اور قیادت کرتا ہے۔ امام معصوم ہوتا ہے، یعنی وہ گناہ اور خطا سے محفوظ ہوتا ہے اور اس کا علم الٰہی عطا کردہ ہوتا ہے۔

اہل تسنن کے نزدیک بھی قیادت کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے، لیکن وہ اسے خلافت کا نام دیتے ہیں اور اسے انتخابی عہدہ سمجھتے ہیں۔ اسماعیلی شیعہ امامیہ اس امامت کو قیامت تک جاری تسلسل مانتے ہیں، جس کا ہر دور میں ایک زندہ امام موجود ہوتا ہے۔

اہم احادیث امامت کے بارے میں

:جو شخص امام کی بیعت کے بغیر مر جائے، وہ جہالت کی موت مرتا ہے .

:حدیث

.مَن ماتَ و لَيسَ فِي عُنُقِهِ بَيعَةٌ ماتَ مِيتَةً جاهِلِيَّةً

(صحیح مسلم، کتاب الامارہ، حدیث نمبر 1851)

:ترجمہ

جو شخص اس حال میں مرے کہ اس کی گردن پر امام کی بیعت نہ ہو، وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

:حدیث

.لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا رَجُلَانِ لَكَانَ أَحَدُهُمَا الإِمَامَ

(مستدرک حاکم، جلد 4، صفحہ 554)

ترجمہ:

اگر دنیا میں صرف دو آدمی بھی باقی رہ جائیں تو ان میں سے ایک امام ہوگا۔

شیعہ امامیہ روایات

شیعہ کتب احادیث میں بھی امامت کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے:

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

مَن ماتَ وَ لَیسَ لَهُ إمامٌ مِنَ اللهِ ماتَ مِیتَةً جاهِلِیَّةً

(الکافی، جلد 1، باب فرض طاعة الأئمة، حدیث نمبر 376)

ترجمہ:

جو شخص اس حال میں مرے کہ اس کا امام اللہ کی طرف سے مقرر نہ ہو، وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے:

آپ نے اس آیتِ کریمہ کو دہرایا

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ

(النساء: 59)

ترجمہ:

ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو رسول کی، اور ان کی جو تم میں سے صاحبِ امر (اولی الامر) ہوں

امام باقر علیہ السلام نے اس آیت کے متعلق فرمایا

جو بات کی تہہ تک پہنچنے والے ہیں، ان سے مراد ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے وہ علم عطا کیا ہے جس سے وہ ہر معاملے کی گہرائی اور حقیقت کو جان لیتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی اطاعت کو

واجب قرار دیا ہے:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ

یعنی اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور جو تمہارے درمیان صاحبان امر ہیں، ان کی اطاعت کرو۔

حوالہ:

دعائم الاسلام (داعی سیدنا قاضی نعمان) جلد 1، صفحہ 49۔

امامت اور ولایت کا فرق:

اسلامی عقائد میں "امامت" اور "ولایت" دو نہایت اہم اصطلاحات ہیں جن کا تعلق روحانی، دینی اور سیاسی قیادت سے ہے۔ اہلِ تشیع خصوصاً شیعہ امامیہ اسماعیلیہ کے نزدیک یہ دونوں تصورات نہ صرف بنیادی اہمیت رکھتے ہیں بلکہ ان کی تفہیم دینِ اسلام کی صحیح پہچان کے لیے لازم ہے۔

امامت، اللہ تعالیٰ کی جانب سے منتخب شدہ ایسی ہستی کا منصب ہے جو رسولِ اکرم حضرت محمد مصطفیٰ **صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم** کے بعد دین کی رہنمائی اور امت کی قیادت کا ذمہ دار ہو۔ یہ قیادت محض ظاہری یا سیاسی نہیں بلکہ اس میں روحانی تربیت، دینی فہم، اور باطنی علم کی روشنی بھی شامل ہوتی ہے۔ قرآن مجید اور احادیثِ معصومین سے یہ ثابت ہے کہ امامت ایک الٰہی منصب ہے، جو تقویٰ، علم، اور طہارت پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ عوامی انتخاب یا سیاسی طاقت پر۔

دوسری جانب "ولایت" ایک جامع تر مفہوم رکھتی ہے۔ ولایت دراصل اس روحانی تعلق اور فرمانبرداری کا نام ہے جو ایک خدا **صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم**، اور امامِ وقت سے ہوتی ہے۔ ولایت ایمان کی جان ہے، جیسا کہ قرآن میں c ،مومن کو اللہ آیا:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا

بے شک تمہارے ولی اللہ، اُس کا رسول اور وہ اہلِ ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور

وہ رکوع کی حالت میں ہوتے ہیں (سورہ المائدہ: 55)

ولایت ایک باطنی و روحانی نسبت ہے، جو اللہ کے ولی سے جڑنے اور اس کے وسیلے سے اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ شیعہ امامیہ اسماعیلیہ عقائد میں امام کی ولایت کو نجات کا ذریعہ مانا گیا ہے، کیونکہ امام نہ صرف ظاہری مسائل کا حل پیش کرتا ہے بلکہ باطن کی تاریکیوں کو بھی روشن کرتا ہے۔

شیخ ابو یعقوب سجستانی، جو ایک مشہور فلاسفر اور داعی تھے، اپنی تصنیف کشف المحجوب میں فرماتے ہیں:

امام، اللہ تعالیٰ کا ظلّ ہے زمین پر۔ جو اس کی معرفت پاتا ہے، وہ دراصل اللہ کی معرفت کے دروازے پر "پہنچ چکا ہوتا ہے۔

اسی طرح امام جعفر الصادق **علیہ السلام** کا فرمان ہے

ہم وہ ہیں جن کی اطاعت اللہ نے واجب قرار دی۔ ہماری ولایت کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔

دعائم الاسلام (داعی سیدنا قاضی نعمان) جلد 1، صفحہ 103

یہی فرمان پندیاتِ جوانمردی میں مولانا مستنصر باللہ علیہ السلام سے بھی درج ہے۔

باب: آئمۂ طاہرینؑ کے درجات

امام کی خصوصیات:

شیعہ امامیہ اسماعیلیہ عقیدہ ہے کہ امام، اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب شدہ اور معصوم ہستی ہوتا ہے۔ امام نہ صرف گناہوں سے پاک ہوتا ہے بلکہ خطا، نسیان اور تاویل میں بھی غلطی نہیں کرتا۔ جس طرح رسولِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم تھے، اسی طرح امام بھی معصوم ہوتا ہے کیونکہ وہ دین کا حقیقی وارث اور شارحِ قرآن ہوتا ہے۔ اگر امام میں خطا کا احتمال ہو تو امت گمراہی کا شکار ہو سکتی ہے، جو کہ حکمتِ الٰہی کے خلاف ہے۔

عِلمِ لدنی و دعویٰ سلونی

امام، الٰہی علم کا وارث ہوتا ہے جسے "علمِ لدنی" کہا جاتا ہے، یعنی ایسا علم جو براہِ راست اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر امام اہلِ بیت علیہم السلام کا دعویٰ "سلونی قبل ان تفقدونی" (مجھ سے پوچھو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ) صرف الفاظ نہیں بلکہ علمی و روحانی قابلیت کا اظہار ہے۔ اسماعیلی روایت میں امام کو "بابُ اللہ" (اللہ کا دروازہ) کہا گیا ہے، جس کے ذریعے مومن دین کی گہرائیوں تک رسائی پاتا ہے۔

امام کو خمس کی دسترس

شریعتِ محمدی **صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم** کے مطابق خمس واجب الادا ہے اور شیعہ امامیہ اسماعیلیہ کے عقیدے میں یہ خمس امامِ وقت کا حق ہے۔ امام اس خمس کو امت کی فلاح، دینی اداروں کی تقویت اور محتاجوں کی امداد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اسماعیلی جماعت میں امام کی اجازت سے ادا کردہ خمس "بیعتی مال" کہلاتا ہے جو نہ صرف مالی عبادت ہے بلکہ اطاعتِ امام کا عملی اظہار بھی یہ ایک **مذہبی فریضہ** ہے جس کے تحت مومن **اپنی آمدنی کا دسواں حصہ دسوند** ایک مذہبی اصطلاح ہے جو خاص طور پر **شیعہ امامیہ اسماعیلیہ** میں رائج ہے

جس طرح قرآن میں فرمایا گیا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ

(سورۃ محمد، آیت 7)

ترجمہ:

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے، تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو ثابت رکھے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم جیسے کمزور بندے اللہ کی مدد کیسے کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ بدلے میں ہماری مدد فرمائے؟

اللہ تعالیٰ خود قرآن میں فرماتا ہے:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

(سورۃ الحدید، آیت 3)

:ترجمہ

"وہی اول ہے اور وہی آخر، اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن، اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔"

یعنی جب یہ طے ہے کہ اللہ تعالیٰ باطن میں موجود ہے، تو پھر "ظاہر" سے مراد کون ہے؟

،یہاں "ظاہر" سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ نمائندہ (حجّت) ہے، جس کی خوشنودی درحقیقت اللہ کی خوشنودی ہے

،جس کی ناراضگی، اللہ کی ناراضگی ہے

اور جس کی نصرت (مدد)، اللہ کی نصرت (مدد) ہے۔

اسی فہم کو شیعہ امامیہ اسماعیلیہ عقیدہ میں بہت اہم مقام حاصل ہے۔

جیساکہ امام حسن علی شاہ علیہ السلام (آغا خان اوّل) نے سَرمایۂ آخرت میں (فرمان نمبر ۲) ارشاد فرمایا

ہم اللہ کے ہاتھ ہیں یدُ اللہ یعنی وہ ہاتھ جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ دنیا کے تمام کام انجام دیتا ہے، جیسے مدد دینا، رزق عطا کرنا، وغیرہ

- دس فیصد (۱۰٪)

یہ امامِ وقت علیہ السلام کا حق ہے، جسے **"دسوند"** کہا جاتا ہے۔

یہ ہر مومن پر فرض ہے کہ اپنی خالص آمدنی سے امامِ وقت کی خدمت میں ہر مہینے پیش کرے۔

- ڈھائی فیصد (۲.۵٪)

یہ **پیر کا حق** تھا، جو روحانی رہنمائی اور تعلیمات کے صلے میں ادا کیا جاتا تھا۔

چونکہ موجودہ نظام میں **پیر کا منصب بھی امامِ وقت کے پاس** ہے، لہٰذا یہ حصہ بھی اب براہِ راست امام کی

خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

- **مجموعی ادائیگی**

دس فیصد (۱۰٪) + ڈھائی فیصد (۲.۵٪) = کل ساڑھے بارہ فیصد (۱۲.۵٪)

سورۃ التوبہ – آیت ۱۰۳

ان کے مالوں سے صدقہ لے لو تاکہ تم ان کو پاک کرو اور ان کا تزکیہ کرو، اور (اے نبی) ان کے لیے دعا کرو۔ بے شک تمہاری دعا ان کے لیے سکون ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مالی قربانی انسان کے نفس کو پاک کرتی ہے یہی مقصد **دسوند** اور پیرانہ حصہ کا ہے۔

سورۃ البقرہ – آیت ۲۶۱

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال اُس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اگتی ہیں، ہر بال میں سو دانے ہوں۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ راہِ خدا میں دیا ہوا مال کئی گنا بڑھ کر واپس ملتا ہے۔

اسماعیلی روایت میں جواز

دعائم الاسلام جیسی معتبر فقہی کتابوں میں امام اور پیر دونوں کے شرعی حقوق بیان ہوئے ہیں۔

نزاری سلسلے میں **پیر حسن کبیر الدین** اور ان کے بعد ان کی نسل کو **امام کی اجازت سے** پیرانہ اختیار حاصل

تھا۔

آج امامِ وقت ہی پیر کے جملہ اختیارات کے حامل ہیں، اس لیے دونوں کا حق ساڑھے بارہ فیصد (۱۲.۵٪) امام کو دیا جاتا ہے۔

امام کا منصب و رہنمائی کا تسلسل

امام، دینِ اسلام کے تسلسل کا ضامن اور ہدایت کا منبع ہوتا ہے۔ امام، نہ صرف ظاہری مسائل کا حل پیش کرتا ہے بلکہ باطنی رہنمائی کا سرچشمہ بھی ہے۔ وہ ہر دور کے حالات کے مطابق شریعت کے اصولوں کی حکمت کے ساتھ تطبیق کرتا ہے تاکہ دین زندہ اور فعال رہے۔ شیعہ امامیہ اسماعیلیہ میں امامِ وقت کو "حاضر و موجود امام" مانا جاتا ہے جو زندہ امام ہوتا ہے اور روحانی رہنمائی کے ساتھ ساتھ دینی و دنیاوی مسائل میں جماعت کی قیادت کرتا ہے۔

شیعہ امامیہ اسماعیلیہ عقیدہ ہے کہ دین کی حقیقی اور محفوظ تفہیم صرف ان ہستیوں کے ذریعے ممکن ہے جنہیں رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد دینی فیصلوں اور امت کی رہنمائی کے لیے منتخب فرمایا۔
اصحابِ رسول میں باہم اختلافات تاریخ کا روشن باب ہیں چاہے وہ دینی مسائل ہوں یا سیاسی و جنگی امور۔ ایسے میں دین کا معیار وہ ہستی ہو سکتی ہے جس کے قول و فعل میں کبھی اختلاف نہ ہو اور جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصریح کے مطابق سب سے بڑا قاضی ہو۔

اسی مفہوم کی ایک نہایت اہم اور بصیرت افروز حدیث کتاب: **دعائم الاسلام**، *جلد اول* میں "باب: دین کن سے لیں؟" کے تحت بیان ہوئی ہے، جس میں امام جعفر الصادق علیہ السلام ابنِ ابی لیلیٰ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

> **اے عبدالرحمن! تم قیامت کے روز کیا جواب دو گے جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارا ہاتھ پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کریں گے اور فرمائیں گے: اے پروردگار! اس شخص تک میرا قول پہنچا تھا، مگر اس نے میرے قول کے خلاف عمل کیا**
>
> **پھر امام نے فرمایا: "کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول نہیں پہنچا کہ ایک مرتبہ آپ نے**

فرمایا: علی تم میں سب سے بڑے قاضی ہیں؟

اور آخر میں امام نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: **"جب تم نے علی کے فیصلے کی مخالفت کی تو کیا تم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت نہ کی؟"**1

یہ حدیث واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ دین صرف ان سے لیا جائے جنہیں رسولِ اکرم **صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم** نے امینِ دین مقرر فرمایا، یعنی علی بن ابی طالب علیہ السلام اور ان کے بعد سلسلۂ امامت سے وابستہ آئمہ علیہم السلام جو دین کے محافظ، شارح اور باطنی علم کے وارث ہیں۔ یہی اصول اسماعیلی امامیہ عقیدے کا بنیادی پتھر ہے کہ دین کی رہنمائی حاضر و موجود امام سے لی جائے، تاکہ امت اختلاف سے محفوظ رہے اور ہدایت کے سیدھے راستے پر گامزن ہو۔

امامت کے درجات:

شیعہ امامیہ اسماعیلیہ عقیدے میں امامت صرف ایک روحانی و دینی قیادت کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک مسلسل اور تدریجی نظامِ ہدایت ہے، جو اللہ تعالیٰ کے نور سے منور اور رسولِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وارثت کا حقیقی مظہر ہے۔ اس نظامِ امامت میں مختلف درجات یا مقاماتِ امامت متعین ہیں، جن کا تذکرہ اسماعیلی تعلیمات میں بڑے حکیمانہ اور باطنی انداز میں کیا گیا ہے۔ یہ درجات قرآن و حدیث سے اشارۃً و صراحتاً قابلِ اثبات ہیں، اور اہلِ بیت علیہم السلام کے علمِ لدنی اور روحانی سِلک کے مظہر ہیں۔

یہاں اس حقیقت کو بھی بخوبی سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ **درجاتِ امامت** کی مختلف اقسام اور روحانی ذمہ داریاں متعین کی گئی ہیں، **تاہم ان درجات میں کسی ایک کی موجودگی یا غیر موجودگی سے امامِ برحق کی امامت کے رتبے میں کوئی کمی یا فرق واقع نہیں ہوتا۔** کیونکہ شیعہ اسماعیلیہ کا بنیادی اور دائمی عقیدہ یہ ہے کہ **"امامت کا نور ازل سے ابد تک مسلسل اور قائم ہے"**، اور ہر دور میں امامِ وقت اسی نورِ الٰہی کا حامل ہوتا ہے، خواہ وہ کسی بھی درجۂ امامت پر فائز ہو۔

یہ نورِ امامت ہی وہ خدائی فیض ہے جو امام کو **ماورائے علم، عدالت، ہدایت اور رہنمائی** کی صلاحیت عطا کرتا ہے۔ امام کا

جو بھی درجہ ہو خواہ وہ امامِ مقیم ہو یا امامِ متمم، یا امامِ مستقر **امام کی امامت کی حقیقت ایک ہی رہتی ہے: وہ اللہ کی طرف سے مقرر شدہ حجت ہے۔**

البتہ **"امامِ مستودَع"** (عارضی امام) کی مثال اس سے قدرے مختلف ہے، کیونکہ یہ درجہ **محض ایک امانت داری کا مقام ہے**، جو مخصوص حالات میں، جیسے تقیہ یا پوشیدگی کے دور میں، قائم کیا جاتا ہے تاکہ سلسلۂ امامت اور جماعت کی راہنمائی قائم رہے۔ امامِ مستودَع کو **نورِ امامت بطورِ امانت** سونپا جاتا ہے، مگر وہ **حقیقی وارثِ امامت** نہیں ہوتا بلکہ امامِ مستقر کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔

یوں اس ماورائی اور الٰہی نظامِ امامت میں تنوع کے باوجود، امامت کی عظمت، روحانیت اور حجیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ یہ تمام درجات صرف **ادوارِ تقویم** اور **زمانی ضرورتوں** کے تحت ظاہر ہوتے ہیں، جب کہ امامِ وقت ہمیشہ اللہ کی طرف سے برگزیدہ، علم و حکمت کا سرچشمہ اور دینِ محمدی **صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم** کا سچا وارث ہوتا ہے۔

امامت کے درجات

امامت کی تقسیم ان پانچ بنیادی درجات میں کی جاتی ہے:

امامِ مقیم:

یہ وہ ہستی ہوتی ہے جو امامِ اساسی کی باطنی حقیقت کا مظہر ہے اور شریعت سے پہلے ہدایت کا چراغ ہوتا ہے۔

مثال: *حضرت ابو طالب علیہ السلام* جنہیں موجودہ دور میں امامِ مقیم کے طور پر پہچانا جاتا ہے، کیونکہ وہ امام علیؑ کے ظاہری والد اور باطنی معلم تھے۔

امامِ اساس:

یہ وہ امام ہوتا ہے جو کسی نئے دور یا تقویمی سائیکل کی بنیاد رکھتا ہے، اور باطنی تعلیمات کا بانی ہوتا ہے۔

مثال: مولانا علی ابن ابی طالب علیہ السلام جنہیں "بابِ علم" اور "اساس الدین" قرار دیا گیا، جن سے دینِ محمدی کے باطنی معانی کا آغاز ہوا۔

امامِ مُتم:

یہ درجہ شریعت کی تکمیل اور اس کے ظاہر کی تعلیمات کو مستحکم کرنے والے امام کا ہوتا ہے۔

مثال: مولانا محمد بن اسماعیل علیہ السلام

جو ساتویں امام حضرت امام اسماعیل علیہ السلام کے فرزند اور ان کے بعد **پہلے صاحبِ ستر امام** تھے۔

انہوں نے اپنے دور میں شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری نظام کو مرتب کیا، امت میں تقیہ کے ساتھ دین کی تعلیمات کو محفوظ رکھا، اور **باطن کے نور کو ظاہر کی بنیاد پر قائم رکھا۔**

اس لحاظ سے وہ امامِ متم کے درجے پر فائز ہوئے۔

-

امامِ مستقر:

یہ وہ امام ہے جو **نورِ امامت** کا حقیقی وارث ہوتا ہے اور تمام درجات کی روحانی وراثت اس میں قرار پاتی ہے اور **تسلسلِ امامت** انہی کی **اولادِ مبارکہ** میں برقرار رہتا ہے۔ ۔

مثال: *مولانا حسین علیہ السلام* جنہوں نے کربلا میں امامت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہو کر اس نور کو محفوظ رکھا۔

امامِ مستودَع:

یہ امام وہ ہوتا ہے جسے ایک مخصوص وقت میں نورِ امامت **عارضی طور پر بطور امانت** سونپا جاتا ہے، تاکہ سلسلۂ امامت منقطع نہ ہو۔

مثال: مولانا حسن علیہ السلام جنہوں نے تقیہ کے دور میں ظاہری قیادت سنبھالی مگر نورِ امامت کو اپنے بھائی امام حسینؑ کے لیے محفوظ رکھا۔

قرآن سے استدلال

قرآن مجید میں **سورۃ الانعام (6:98)** میں فرمایا گیا:

وَهُوَ ٱلَّذِىٓ أَنشَأَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا ٱلْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ

اور وہی ہے جس نے تم سب کو ایک ہی نفس (روح) سے پیدا کیا، پھر (تمہارے لیے) ایک مستقر (قرار کی جگہ) اور ایک مستودع (سپرد کی جگہ) مقرر کی۔ بیشک ہم نے نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں ان "لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔

(الأنعام: 98)

اس آیت میں دو بنیادی اصطلاحات استعمال کی گئیں

مُسْتَقَرٌّ جو قرار پانے والا، مستقل جگہ" کو ظاہر کرتا ہے، یعنی وہ مقام یا وجود جس میں ہدایت کا نور مستقل طور پر قائم ہو۔

مُسْتَوْدَعٌ جو امانت رکھے جانے کی جگہ ہے، یعنی وہ جو عارضی طور پر فیضِ الٰہی کو سنبھالے۔

یہ دونوں الفاظ نہ صرف انسانی زندگی کے سفر کی کیفیات کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ **روحانی قیادت کے درجوں** کی بھی مکمل وضاحت کرتے ہیں۔ امامِ مستقر وہ ہستی ہے جس میں اللہ کا نور مستقل ہے، جب کہ امامِ مستودع وہ ہوتا ہے جسے مخصوص وقت کے لیے فیضِ امامت سونپا جاتا ہے۔

درجات میں فرق نہیں، امامت کا نور ایک ہی ہے

اگرچہ امامت مختلف درجات میں تقسیم ہے، لیکن اس تقسیم کا مقصد **کوئی روحانی فضیلت کا فرق نہیں بلکہ زمان و مقام کی حکمت کے مطابق تقاضا ہے**۔ کیونکہ شیعہ امامیہ اسماعیلیہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ

> **امامت کا نور ازل سے ابد تک جاری و ساری ہے، اور ہر امام خواہ کسی بھی درجے پر ہو، نورِ امامت کا مظہر اور اللہ کی طرف سے حجت ہوتا ہے۔**

البتہ امامِ مستودَع کی حیثیت امانت دار کی ہوتی ہے، جو نورِ امامت کو محفوظ رکھتا ہے، اور اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ جماعت کو روحانی طور پر سہارا دے یہاں تک کہ مقررہ وقت اور حالات کے بعد حقیقی امامِ مستقر کو امامت سونپے

جائے۔

امامت اور روحانی رہنمائی:

اسلامی عقائد میں رہنمائی کا تصور بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ شیعہ امامی اسماعیلی مسلمانوں کے نزدیک یہ رہنمائی ادارۂ امامت کی صورت میں ہر دور میں زندہ، متحرک اور تابندہ رہتی ہے۔ امامت محض ایک سیاسی یا دنیاوی قیادت کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک روحانی منصب ہے، جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُن کے وصی، امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام اور اُن کی آلِ اطہار میں نسل در نسل جاری و ساری ہے۔ یہ نورِ الٰہی کی وہ مسلسل کڑی ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوتی اور ہر زمانے میں امامِ وقت کی صورت میں مومنین کی ہدایت کے لیے موجود رہتی ہے۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام کے مبارک فرامین، جو "کلامِ امامِ مبین" میں محفوظ ہیں، امامت کے اسی روحانی فلسفے کو وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔ آپ کے ارشادات اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں کہ امامِ زمان کی حیثیت کیا ہے، مومن کے ساتھ ان کا تعلق کیسا ہے، اور ان کی رہنمائی کی اتباع میں دونوں جہانوں کی فلاح و نجات کیسے پوشیدہ ہے۔

امام کی حقیقت: نور اور نسب

امام کی شخصیت کو محض ایک انسانی وجود سمجھنا ایک سطحی اور ناقص فہم ہے۔ امام، درحقیقت، نورِ الٰہی کا مظہر ہوتے ہیں۔ حضرت امام آقا سلطان محمد علیہ السلام نے اپنی امامت کے آغاز میں، صرف آٹھ برس کی عمر میں، اس حقیقت کو ان الفاظ میں آشکار کیا

> اے جماعتوں! تم ہمیں چھوٹا مت سمجھنا۔ ہم آلِ رسول ہیں۔ ہمارے دادا حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ اور دادی خاتونِ جنت حضرت بی بی فاطمہ الزہرا ہیں۔ ہم علی اور نبی دونوں کے نور سے ہیں۔ اگرچہ

عمر میں چھوٹے ہیں، لیکن مرتبے میں بڑے ہیں۔

(کلام امام مبین، فرمان نمبر ا، جِلد 1)

یہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ امامت کا تعلق جسمانی عمر سے نہیں بلکہ اس نور سے ہے جو نسل در نسل منتقل ہوتا ہے۔ یہی وہ نور ہے جو انبیاء علیہم السلام کے باطن میں موجود تھا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں حضرت علی علیہ السلام کی ذات میں ظہور پذیر ہوا۔ امام کے ہر قول و فعل میں یہی نورانی حکمت کارفرما ہوتی ہے، جسے سمجھنے کے لیے صرف ظاہری نگاہ نہیں بلکہ باطنی بصیرت درکار ہوتی ہے۔

امامِ زمان: ہر دور کے لیے زندہ ہادی

شیعہ اسماعیلیہ عقیدہ کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ دنیا کبھی بھی امام سے خالی نہیں رہ سکتی۔ امام کا ہر دور میں موجود اور حاضر ہونا ضروری ہے تاکہ وہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق جماعت کی ہدایت فرما سکیں۔ سابقہ کتب اور فرامین اپنی جگہ محترم ہیں، لیکن ہر نئے دور کے مسائل و چیلنجز کے لیے ایک زندہ رہنما کی ضرورت ہوتی ہے جو دین کی حقیقی روح کو عصرِ حاضر کی زبان میں بیان کرے۔

جیسا کہ امام نے فرمایا:

"زمانے کی ضرورت کے مطابق فرامین بدلتے ہیں۔"

(کلام امام مبین جِلد 1 ، فرمان نمبر ۹۵)

یہ تصور، امامت کو ایک جامد تاریخی ادارے کی بجائے، ایک زندہ و متحرک حقیقت بنا دیتا ہے۔ امام اپنے وقت کے حکیمِ اکبر ہوتے ہیں، جو جماعت کی روحانی اور دنیاوی بیماریوں کا علاج اپنے فرامین کے ذریعے فرماتے ہیں۔

آپ نے اُن نظریات پر بھی روشنی ڈالی جو امام کو غائب مانتے ہیں:

وہ امام کو صاحبِ زمان تو کہتے ہیں، لیکن اس کا مفہوم نہیں جانتے... اور جب امام دنیا میں موجود نہیں، تو انہیں صاحبِ زمان کا لقب کیسے دے سکتے ہیں؟ امام کا دنیا میں حاضر و موجود ہونا ضروری ہے۔ دنیا کا دار و مدار امام پر ہے۔

(کلام امام مبین جِلد 1 ، فرمان نمبر ا)

امامت کے نظریاتی اور فقہی پہلو

امامت کے نظریاتی اور فقہی پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اس عقیدے کو تاریخی اور علمی سطح پر کس طرح مرتب اور مدون کیا گیا۔ اس ضمن میں خلافتِ فاطمیہ کے دور کے عظیم ترین عالم، فقیہہ اور داعی، **سیدنا القاضی النعمان بن محمد رحمۃ اللہ علیہ** کی خدمات تاریخِ اسماعیلیہ کا ایک سنہرا باب ہیں۔

آپ کی شخصیت محض ایک قاضی یا مؤرخ کی نہیں، بلکہ وہ اپنے زمانے کے امام، **حضرت امام معز لدین اللہ علیہ السلام** کے ایک ایسے بااعتماد ساتھی اور علم کے امین تھے جن کی تالیفات آج بھی اسماعیلی فقہ اور عقائد کی بنیاد سمجھی جاتی ہیں۔ آپ کی شہرہ آفاق تصنیف **"دعائم الاسلام"** اسی علمی اور روحانی ورثے کا ایک شاہکار ہے، جسے خود امامِ وقت کی براہِ راست نگرانی اور توثیق حاصل تھی۔

دعائم الاسلام کی وجہِ تالیف

دعائم الاسلام" کی وجہ تالیف، جیسا کہ آپ کی فراہم کردہ معلومات میں **فاطمی مورخ سیدنا ادریس عمادالدین** کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے، خود اس کتاب کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔

جب امام معز لدین اللہ علیہ السلام نے اپنے دور میں امت کے اندر بڑھتی ہوئی بدعتوں اور اختلافی روایات کو دیکھا تو انہوں نے رسول اللہ **صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم** کی اس حدیث کا حوالہ دیا:

> جب کبھی میری امت میں بدعتیں ظاہر ہوں تو اس وقت عالم پر فرض ہے کہ وہ اپنے علم کو ظاہر کرے۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو اس پر خدا کی لعنت ہے۔

پھر آپ نے سیدنا القاضی النعمان کی طرف دیکھ کر فرمایا:

"اس حدیث شریف میں تم جیسے ہی عالموں سے مراد لیا گیا ہے"

اور انہیں **"دعائم الاسلام"** کی تالیف کا حکم دیا۔

(دعائم الاسلام، **جلد 1**، تعارف)

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ امامِ وقت نہ صرف روحانی پیشوا ہوتے ہیں بلکہ وہ دین کی علمی حفاظت اور اس کی صحیح تعلیمات کی ترویج کا بھی اہتمام فرماتے ہیں، اور اس کام کے لیے اپنے دور کے سب سے بڑے عالم کا انتخاب کرتے ہیں۔

قاضی النعمان کی علمی خدمات

سیدنا القاضی النعمان نے تقریباً **44 کتابیں** تصنیف کیں، جن میں "کتاب شرح الاخبار"، "اساس التاویل"، اور "کتاب المجالس والمسائرات" شامل ہیں۔ ان کی ہر تصنیف فاطمی عقائد اور اہل بیت کی فضیلت کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔

ان کی علمی جلالت کا اندازہ امام معز علیہ السلام کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے

جو شخص (سیدنا) القاضی النعمان کی علمی خدمتوں کا عشرِ عشیر بھی ادا کرے گا، میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔

(دعائم الاسلام، **جلد 1**، تعارف)

یہ قول ظاہر کرتا ہے کہ امام کی نظر میں دین کی علمی خدمت کی کتنی زیادہ اہمیت ہے۔

امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کے ارشادات

یہ وہی جذبہ ہے جس کی تاکید **حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام** نے بھی اپنے فرامین میں بارہا فرمایا ہے ۔

کلام امام مبین، جِلد 2 فرمان نمبر603 میں آپ نے آنریری مشنریوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"انہیں ائمہ کی تاریخ جاننی چاہیے"

"جماعت کو اپنی وعظ میں وضاحت سے سمجھانا چاہیے کہ مذہب کا عروج کس طرح ہوا۔"

(کلام امام مبین، جِلد 2 ، فرمان نمبر603)

یہ دراصل اسی علمی روایت کو زندہ رکھنے کا حکم ہے جس کی بنیاد سیدنا القاضی النعمان قُدِّسَ سِرُّہُ جیسے عظیم داعیوں نے رکھی تھی۔

دعائم الاسلام کی جامعیت

دعائم الاسلام" کی جامعیت اس بات میں پوشیدہ ہے کہ یہ صرف عبادات تک محدود نہیں، بلکہ اس میں **خرید و فروخت، نکاح و طلاق، وراثت، اور قضا و قدر** جیسے تمام مسائل پر قرآن و حدیث اور اقوالِ ائمہ علیہم السلام کی روشنی میں رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔

خلافتِ فاطمیہ کے دور میں **امام الظاہر علیہ السلام** نے لوگوں کو "دعائم الاسلام" حفظ کرنے کا حکم دیا، اور **امام حاکم بامر اللہ علیہ السلام** نے اپنے داعی کو ہدایت کی کہ تمام فتوے اسی کتاب کی روشنی میں دیے جائیں۔

(دعائم الاسلام، **جلد 1**، تعارف)

امام وقت کا مقرر کردہ ماخذ

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام کا مقرر کردہ علمی ماخذ ہی جماعت کے لیے **حتمی حجت** ہوتا ہے۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ **علیہ السلام** نے بھی اپنے دور میں جماعت کے لیے **آئین اور قوانین (قاعدے قانون)** مرتب فرمائے اور ان کی پابندی کو لازم قرار دیا۔ آپ نے فرمایا

کونسل کا جو قاعدہ ہے، وہ ہمارا اپنا فرمان ہے۔ کونسل کے قانون کو عزت دو گے تو ایسا سمجھنا کہ حاضر" "امام کے فرمان کو عزت دینے کے برابر ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 223 جلد 2)

اور فرمایا:

قاعدے قانون نہ ہو تو گوشت اور ہڈی کی طرح الگ الگ ہو جاؤ گے۔

(کلام امام مبین فرمان 333 جِلد 2)

قاضی النعمان کا علمی سلسلہ

دعائم الاسلام" میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا القاضی النعمان کے بعد بھی ان کے خاندان میں **قضا اور علم** کا" سلسلہ جاری رہا۔ ان کے فرزندان، **ابو حسین علی بن نعمان** اور **ابو عبداللہ محمد بن نعمان**، بھی قاضی القضاۃ کے عظیم منصب پر فائز ہوئے۔

امام معز **علیہ السلام** نے محمد بن نعمان کو لکھا:

تمہارے بھائی علی کے بعد عہدہ قضاء پر تمہارا ہی حق ہے، ہم اس عہدے کو خاندانِ نعمان سے کبھی جدا نہ کریں گے۔

(دعائم الاسلام، **جلد 1**، تعارف)

جماعتی خدمت گزاروں کی اہمیت

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے بھی اپنے فرامین میں جماعت کے خدمت گزاروں کی بے حد تعریف فرمائی ہے۔ آپ نے وزیروں، مکھی-کامڑیا، والینٹیئرز اور دیگر تمام خدمت گزاروں کو بارہا

ہمارا لشکر اور "ہمارے ہاتھ" قرار دیا۔

فرمان **571** میں آپ نے فرمایا:

مرحوم وزیر نے ہماری بہت خدمت کی ہے... جماعت خانے میں ان کی تصویر رکھی جائے تاکہ مومن لوگ ان کو دیکھیں اور ان کی خدمت سے سبق حاصل کریں۔

(کلام امام مبین فرمان 319 جِلد 2)

ولایت کا بنیادی عقیدہ

دعائم الاسلام" میں بیان کردہ **سات ستون** (ولایت، طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد) میں "ولایت" کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ

"اسی ولایت کے ذریعے سے دوسرے تمام دعائم کی معرفت تک پہنچا جا سکتا ہے۔

(دعائم الاسلام، اسلام کے سات ستون)

یعنی امام کی پہچان کے بغیر کی جانے والی عبادت محض ایک جسمانی ورزش ہے، اس کی کوئی روحانی قدر و قیمت نہیں۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے فرمایا

دیکھو، جو مومن دعا، مال واجبات برابر ادا کرتا ہے تو اس کو دیدار ہوتا ہے۔

(فرمان 581، صفحہ 104)

یہاں "دیدار" سے مراد باطنی اور روحانی دیدار ہے، جو امام کی ولایت کو عملی طور پر تسلیم کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

دینِ اسلام، جو توحید، رسالت اور قیامت کے بنیادی عقائد پر استوار ہے، محض چند عبادات اور اخلاقی اصولوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک ایسا مکمل اور جامع نظامِ حیات ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ اس دین کی کاملیت

کا تصور اس وقت تک ادھورا اور ناقص رہتا ہے جب تک اس کے سب سے اہم، مرکزی اور بنیادی ستون، یعنی "امامت" کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ تسلیم نہ کر لیا جائے۔ امامت وہ نورانی شمع ہے جو چراغِ رسالت کے بعد بھی ہدایت کی روشنی کو ہر دور اور ہر زمانے میں فروزاں رکھتی ہے۔ یہ وہ حبل اللہ المتین (مضبوط رسی) ہے جسے تھام کر ہی امتِ مسلمہ گمراہی کے طوفانوں اور فتنوں کے گرداب سے محفوظ رہ کر صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہ سکتی ہے۔

امامت کا تصور اسلام میں محض ایک سیاسی قیادت یا دنیاوی حکمرانی کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک روحانی منصب ہے جس کا تعین خود خداوندِ عالم اپنی وحی کے ذریعے فرماتا ہے اور جس کا اعلان اس کے نبی اپنی زبانِ اقدس سے کرتے ہیں۔
اسماعیلی عقیدے کے مطابق، جس طرح یہ کائنات ایک لمحے کے لیے بھی اپنے خالق کی توجہ کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، اسی طرح یہ زمین بھی ایک لمحے کے لیے حجتِ خدا سے خالی نہیں رہ سکتی۔ ہر دور میں ایک حاضر و موجود امام، نورِ الٰہی سے منور، اپنے زمانے کے مومنین کی رہنمائی، ان کی مشکلات کے حل اور ان کی روحانی ترقی کے لیے موجود ہوتا ہے۔ یہ تحریر اسی امرِ عظیم کی گہرائیوں کو قرآنِ حکیم کی آیاتِ بینات، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی، اور ائمہ طاہرین علیہم السلام ، بالخصوص حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ صلوٰات اللہ علیہ کے پاکیزہ اور حیات بخش فرامین کی روشنی میں واضح کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے، تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ امامت دین کا محض ایک حصہ نہیں، بلکہ دین کی روح، ایمان کا مرکز اور نجات کا واحد وسیلہ ہے۔

قرآنِ حکیم، جو مسلمانوں کے لیے ابدی ہدایت کا سرچشمہ ہے، نے امامت اور ولایت کے تصور کو کسی شک و شبہ کی گنجائش کے بغیر، نہایت واضح اور قطعی انداز میں بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو ایک ایسے مکمل نظام کے طور پر پیش کیا ہے جس کی قیادت ہمیشہ اس کی منتخب کردہ ہستیوں کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ سورۃ المائدہ کی آیت 55 اس سلسلے میں ایک بنیادی اور فیصلہ کن نص کی حیثیت رکھتی ہے، جہاں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ"۔ ترجمہ: "تمہارے ولی (حاکم و سرپرست) تو صرف اللہ، "اس کے رسول اور وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

مشہور اور مستند روایات، جن کا ذکر جلیل القدر کتاب "دعائم الاسلام" میں بھی تفصیل سے موجود ہے، اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیتِ مبارکہ امیر المومنین، اسد اللہ الغالب، حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کی شان میں اس وقت نازل ہوئی جب آپ نے مسجدِ نبوی میں نماز کے دوران حالتِ رکوع میں ایک سائل کو اپنی انگوٹھی عطا فرمائی۔ اس آیت میں لفظ "إِنَّمَا" کا استعمال، جو عربی قواعد میں حصر اور تخصیص کے لیے آتا ہے، اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے کہ ولایت و

سرپرستی کا دائرہ صرف اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور اس خاص مومن تک محدود کر دیا گیا ہے جس نے یہ بے مثال عمل انجام دیا۔ یہ واقعہ محض ایک اتفاقی سخاوت نہیں تھی، بلکہ یہ منشائے الٰہی تھا جس کے ذریعے امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کے حقیقی جانشین اور ولی کی شناخت کروائی گئی۔

امامت کے منصب کے لیے جس پاکیزگی اور روحانی بلندی کی ضرورت ہے، اس کا اعلان خود پروردگار نے سورۃ الاحزاب کی آیت 33 میں فرمایا ہے۔ یہ آیت، جسے "آیتِ تطہیر" کہا جاتا ہے، اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ایک ایسی سند ہے جس کی مثال نہیں ملتی: إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ ترجمہ: "اے اہل بیت! پروردگارِ عالم تو فقط یہ چاہتا ہے کہ وہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی (رجس) کو دور رکھے اور تمہیں ایسا پاک کر دے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔" یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ منصبِ امامت کسی ایسے شخص کو نہیں سونپا جا سکتا جس میں بشری کمزوریوں یا گناہوں کا شائبہ تک ہو۔ یہ منصب ان مطہر ہستیوں کے لیے ہی مخصوص ہے جن کی طہارت و عصمت کی گواہی خود خالقِ کائنات نے دی ہے۔ "دعائم الاسلام" میں واضح کیا گیا ہے کہ اس آیت کا نزول پنجتن پاک یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، اور حسنین کریمین علیہما السلام کے لیے ہوا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہدایت کا مرکز یہی گھرانہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے دین کی قبولیت کو بھی اہل بیت کی محبت سے مشروط کر دیا۔ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثال اور ان تھک تبلیغِ رسالت کا اجر بھی اپنی مخلوق پر اہل بیت علیہم السلام کی مودت کی صورت میں واجب قرار دیا۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت 23 میں ارشاد ہوتا ہے: "قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ"۔ ترجمہ: "(اے رسول) تم کہہ دو کہ میں اس (تبلیغِ رسالت) کا اپنے قرابت داروں (اہل بیت) کی محبت کے سوا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔" یہ آیت اس گہرے روحانی تعلق کی نشاندہی کرتی ہے جو ایک مومن اور اس کے امام کے درمیان ہونا چاہیے۔ یہ مودت محض ایک جذباتی لگاؤ نہیں، بلکہ یہ امامِ وقت کی ولایت و امامت کو دل و جان سے تسلیم کرنے، ان کی تعلیمات پر عمل کرنے اور ان کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا نام ہے۔ "دعائم الاسلام" میں منقول ہے کہ جب اصحاب نے اس آیت کے نزول کے بعد دریافت کیا کہ "القربیٰ" سے کون مراد ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر فرمایا: "علی، فاطمہ اور ان کی اولاد۔

قرآنی اساس کی سب سے واضح اور غیر مبہم دلیل سورۃ النساء کی آیت 59 ہے، جس میں اطاعت کا ایک مکمل اور جامع نظام بیان کیا گیا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ۔ ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ

کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور ان کی جو تم میں سے صاحبانِ امر ہیں۔" اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے فوراً بعد "اولی الامر" یعنی صاحبانِ امر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ "دعائم الاسلام" میں امام باقر علیہ السلام سے مروی روایت اس کی تفسیر کرتی ہے کہ "اولی الامر" سے مراد ائمہ اہل بیت ہیں، جن کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ آیت اس بات پر مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہے کہ ہر زمانے کے امام کی اطاعت عین اللہ اور رسول کی اطاعت ہے، اور اس کے بغیر ایمان کا دعویٰ ادھورا ہے۔

ان آیات کے علاوہ بھی قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر بالواسطہ یا بلاواسطہ امامت کی اہمیت اور اس کے تسلسل کی طرف اشارے ملتے ہیں، جو اس عقیدے کو ایک مضبوط اور مستحکم بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنے ایک فرمان میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "ہمارا گھر آل رسول کا گھر ہے اور ہم ان کی آل پاک ہیں، جس کا ثبوت قرآن کی کتاب میں ہے۔ (کلام امام مبین فرمان 1 جِلد 1)۔ یہ فرمان اس بات کی تاکید ہے کہ امامت کا سلسلہ اور اس کی حقانیت قرآن سے ثابت ہے اور مومنین کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے لیے اسی سرچشمہ نور سے رجوع کریں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جو رحمت اللعالمین بن کر تشریف لائے، نے اپنی امت کو کبھی بھی بغیر کسی رہنما کے نہیں چھوڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف امامت کے نظریاتی تصور کو واضح فرمایا بلکہ اپنی حیاتِ طیبہ میں ہی اپنے جانشین کا عملی طور پر تعین فرما کر امت پر حجت تمام کر دی۔ اس سلسلے میں سب سے بڑا، تاریخی اور فیصلہ کن اعلان "غدیرِ خم" کے مقام پر ہوا، جو تاریخِ اسلام کا ایک ناقابلِ فراموش باب ہے۔ اس واقعے کا ذکر حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنے فرمان نمبر 13 میں نہایت وضاحت کے ساتھ کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آخری حج، جسے "حجۃ الوداع" کہا جاتا ہے، سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کی طرف واپس آ رہے تھے، تو آپ نے "غدیرِ خم" کے مقام پر پڑاؤ کا حکم دیا۔ (کلام امام مبین فرمان 13 جِلد 1)

یہ کوئی عام پڑاؤ نہیں تھا، بلکہ ایک الٰہی حکم کی تعمیل تھی۔ قافلے میں جو لوگ آگے نکل چکے تھے، انہیں واپس بلایا گیا اور جو پیچھے رہ گئے تھے، ان کا انتظار کیا گیا۔ جب ایک لاکھ سے زائد صحابہ کا عظیم اجتماع جمع ہو گیا، تو اونٹوں کے کجاووں کا ایک منبر تیار کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر تشریف فرما ہو کر ایک ایسا خطبہ ارشاد فرمایا جس نے تاریخ کا دھارا موڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے اپنی عنقریب رحلت کی جانب اشارہ کیا اور امت سے اس بات کی گواہی طلب کی کہ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام کما حقہ پہنچا دیا ہے؟ تمام حاضرین نے بیک آواز اس کی تصدیق کی اور آپ کی رسالت کی گواہی دی۔

اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ مشہورِ زمانہ حدیث ارشاد فرمائی جو "حدیثِ ثقلین" کے نام سے معروف ہے اور جسے تمام مکاتبِ فکر نے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے: إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ: كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي، مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي أَبَدًا، وَإِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ"۔ ترجمہ: "میں تمہارے درمیان دو گراں قدر (بھاری) چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: ایک اللہ کی کتاب (قرآن) اور دوسری میری عترت، یعنی میرے اہل بیت۔ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے، میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر مجھ سے آملیں۔" یہ حدیث اس بات کی روشن دلیل ہے کہ قرآن کی حقیقی تفسیر اور ہدایت کا عملی نمونہ اہل بیتِ اطہار ہی ہیں۔ قرآن صامت (خاموش کتاب) ہے اور امامِ وقت قرآنِ ناطق (بولنے والا قرآن) ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔

اس تمہید کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خطبے کے مرکزی نقطے کی طرف آتے ہوئے، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں تھاما، اور اسے اتنا بلند کیا کہ سب نے دیکھ لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جس نے امامت و ولایت کے مسئلے کو ہمیشہ کے لیے حل کر دیا: "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ"۔ ترجمہ: "جس جس کا میں مولا (آقا، حاکم، سرپرست) ہوں، اس اس کا یہ علی مولا ہے۔ اے اللہ! تو اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے، اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے۔" "کلام امام مبین" کے فرمان 13 میں اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی ذکر ہے کہ اس اعلان کے فوراً بعد عمر ابن خطاب نے آگے بڑھ کر حضرت علی علیہ السلام کو مبارکباد پیش کی اور کہا: "بَخٍ بَخٍ لَكَ يَا عَلِيُّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، أَصْبَحْتَ مَوْلَايَ وَمَوْلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ"۔ ترجمہ: "مبارک ہو، مبارک ہو اے علی ابن ابی طالب! آج سے آپ میرے اور ہر مومن مرد اور مومن عورت کے مولا ہو گئے۔" (کلام امام مبین فرمان 13 جِلد 1)

یہ واقعہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ امامت کا تعین وحیِ الٰہی کی بنیاد پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں فرما دیا تھا۔ یہ کوئی ایسا سیاسی معاملہ نہیں تھا جسے امت کی صوابدید یا انتخابی عمل پر چھوڑا جاتا۔ یہ ایک روحانی منصب ہے جس کا انتخاب صرف اور صرف اللہ اور اس کا رسول ہی کر سکتے ہیں۔ "دعائم الاسلام" میں بھی اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ امامت کا قیام "نص" یعنی واضح اور صریح حکم کے ذریعے ہوتا ہے، نہ کہ لوگوں کے اختیار یا انتخاب سے۔ اس کے علاوہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع پر حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت اور ان کے مقام کو واضح فرمایا۔ آپ نے فرمایا: "أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا" (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں)۔

اسی طرح آپ نے فرمایا: "يَا عَلِيُّ، أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى، إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي" (اے علی! تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں)۔ یہ تمام احادیث اس حقیقت کو مزید تقویت دیتی ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلافصل جانشین، وصی اور امت کے پہلے امام تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس دنوں کے لیے کوہِ طور پر بلایا، تو اپنی قوم کو بغیر ہادی کے نہیں چھوڑا، بلکہ ان کی رہنمائی و ہدایت کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام کو وصی و جانشین مقرر فرمایا۔ لیکن قوم نے ان کی اطاعت کرنے کے بجائے سامری کی پیروی اختیار کی اور ایک بچھڑے کو معبود بنا لیا۔

یہ واقعہ ہمارے لیے آج بھی ایک بڑی نصیحت ہے: کہ اللہ کی حجت زمین پر موجود ہوتی ہے، مگر قومیں اکثر اپنے اختیار سے سامریوں اور طاغوتوں کو اپنا پیشوا اور رہبر بنا لیتی ہیں

شیعہ امامیہ اسماعیلیہ عقیدے کا بنیادی اور امتیازی پہلو یہ ہے کہ امامت کا نورانی سلسلہ حضرت علی علیہ السلام سے شروع ہو کر منقطع نہیں ہوا، بلکہ یہ نسل در نسل، نور علیٰ نور، ایک امام سے دوسرے امام کی طرف منتقل ہوتا ہوا آج تک جاری و ساری ہے اور تا قیامِ قیامت جاری رہے گا۔ زمین کبھی بھی حجتِ خدا، یعنی امامِ زماں سے خالی نہیں رہتی۔ یہ وہ زندہ اور حاضر امام ہیں جو ہر دور کے تقاضوں کے مطابق مومنین کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے مسندِ امامت پر جلوہ افروز ہونے کے فوراً بعد اپنے پہلے ہی فرمان میں، جو آپ نے محض آٹھ سال کی عمر میں ارشاد فرمایا، اس گہری اور لازوال حقیقت کو نہایت فصاحت و بلاغت سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: "اے جماعتوں، تم ہمیں چھوٹا مت سمجھنا۔ ہم آلِ رسول ہیں۔ ہمارے دادا حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی اور دادی خاتونِ جنت حضرت بی بی فاطمہ الزہرہ ہیں۔ ہم علی اور نبی دونوں کے نور ہیں۔" (کلام امام مبین فرمان 1 جلد 1)

اس فرمان میں "نور" کا تصور کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ امام کا جسمانی وجود یا "جامہ" وقت کے ساتھ بدلتا ہے، لیکن امامت کا نور ایک ہی ہے جو ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔ یہ نور حضرت آدم علیہ السلام سے ہوتا ہوا، تمام انبیاء سے گزر کر، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا اور پھر آپ سے حضرت علی علیہ السلام اور ان کی آلِ پاک میں قیامت تک کے لیے جاری و ساری ہو گیا۔ امام عالی مقام نے اسی فرمان میں فرمایا: "ہمارا نور بھی انہی سے چلا آ رہا ہے اور مولا علی کا نور دنیا میں ہمیشہ قائم رہتا ہے۔" یہ عقیدہ اسماعیلیوں کو دیگر فرقوں سے ممتاز کرتا ہے اور انہیں ہر زمانے میں ایک زندہ اور حاضر رہنما کی نعمت سے سرفراز کرتا ہے۔

اسی فرمان میں، حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اثنا عشری عقیدے پر، جو بارہویں امام کے غائب ہونے پر یقین رکھتے ہیں، ایک نہایت منطقی اور مدلل تبصرہ فرمایا ہے۔ آپ نے سوال اٹھایا: "وہ اتنا بھی نہیں سمجھتے اور سوچتے کہ ایک ہزار سے بارہ سو سال ہوئے، کیا امام وہاں بیٹھے رہے ہوں گے؟ وہ امام کو صاحبِ زمان تو کہہ کر پکارتے ہیں، لیکن وہ اس کا مطلب نہیں سمجھتے... اور جب امام دنیا میں موجود نہیں تو ان کو صاحبِ زمان کا لقب کیسے دے سکتے ہیں؟ امام دنیا میں حاضر و موجود ہونا ہی چاہیئے۔ دنیا کا دارومدار امام پر ہے۔" (کلام امام مبین فرمان 1 جِلد 1)۔ یہ استدلال اس حقیقت پر مبنی ہے کہ "صاحبِ زمان" کا مطلب ہی "وقت کا مالک" یا "دور کا امام" ہے۔ اگر امام اپنے زمانے میں جسمانی طور پر موجود ہی نہ ہوں اور امت کی رہنمائی نہ فرما سکیں تو انہیں "صاحبِ زمان" کہنا بے معنی ہو جاتا ہے۔ ہر دور کے نئے مسائل، بدلتے ہوئے حالات اور علمی و فکری چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک حاضر اور زندہ امام کی رہنمائی ناگزیر ہے۔ ایک غائب امام امت کی عملی اور روحانی ضروریات کو کیسے پورا کر سکتا ہے؟

امام کی شناخت اور معرفت ہی ایمان کی اصل ہے۔ بغیر امام کو پہچانے، محض ظاہری عبادات اور رسومات کی کوئی حیثیت نہیں۔ "کلام امام مبین" کے فرمان نمبر 10 میں کربلا کے واقعے کا ذکر کرتے ہوئے امام عالی مقام نے فرمایا کہ شمر بھی نماز پڑھتا تھا اور خود کو خدا کا بندہ کہتا تھا، لیکن اس نے اپنے وقت کے امام، حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا۔ اس کی نماز اور عبادت اس کے کسی کام نہ آئی کیونکہ اس میں امام کی معرفت کا نور نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا: "جن کو امام کی شناخت ہے، جو حاضر امام کو پہچانتا ہے، اسی کی عبادت قبول ہوگی۔" (کلام امام مبین فرمان 5 جِلد 1)۔ یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ اعمال کی قبولیت کا دارومدار نیت اور معرفت پر ہے۔

امام کی پہچان کا ایک اہم پہلو ان کے ظاہری وجود (جسم/جامہ) اور باطنی حقیقت (نور) کے فرق کو سمجھنا ہے۔ امام عالی مقام نے اپنے پہلے ہی فرمان میں اپنی کمسنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "اگرچہ عمر میں چھوٹے ہیں، لیکن بڑے ہیں۔" (کلام امام مبین فرمان 1 جِلد 1)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کی روحانی طاقت اور ان کا مرتبہ ان کی ظاہری عمر کا محتاج نہیں ہوتا۔ امامت کا نور عمر، وقت اور مکان کی قید سے آزاد ہے۔ اسی طرح، امام کی مثال ایک صاف آئینے کی سی ہے۔ فرمان نمبر 2 میں ارشاد ہوتا ہے: "امام صاف آئینے کی مثال ہیں۔ جو خود خراب ہیں، وہ ہمیں کم سمجھتے ہیں اور اپنے عیب ہم پر ڈالتے ہیں۔ لیکن جو اچھے ہیں، وہ ہمیں اچھا کہیں گے اور ہماری تعریف کریں گے۔" (کلام امام مبین فرمان 2 جِلد 1)۔ یعنی امام کا وجود ہر شخص کے باطن کو اس پر عیاں کر دیتا ہے۔ جس کا دل صاف ہے، اسے امام میں نورِ خدا نظر آتا ہے، اور جس کے دل میں کھوٹ ہے، اسے امام بھی اپنے جیسا بشر ہی دکھائی دیتا ہے۔ مومن کا کام یہ ہے کہ وہ ظاہری حلیے اور دنیاوی پیمانوں سے بالاتر ہو کر، اپنے دل کی آنکھوں سے امام کے

نورانی مرتبے کو پہچانے اور ان کی معرفت حاصل کرے۔

امامِ زماں، جو ہر دور میں ہدایت کے منبع اور مرکز ہوتے ہیں، قرآنِ ناطق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا ہر فرمان وحیِ الٰہی کی روشنی اور اپنے آباء و اجداد، ائمہ طاہرین علیہم السلام ، سے منتقل ہونے والے علمِ لدنی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ لہٰذا، مومن کے لیے امام کا فرمان ہی وقت کی سب سے بڑی حجت اور شریعت ہے۔ اس فرمان کی اطاعت بغیر کسی شک و شبہ، بحث و تمحیص اور چوں و چراں کے واجب ہے۔ یہ اطاعت محض ظاہری نہیں بلکہ دلی تسلیم و رضا کے ساتھ ہونی چاہیے۔ حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس نازک اور اہم نکتے کو اپنے فرامین میں بارہا واضح فرمایا ہے تاکہ مومنین اطاعت کے حقیقی مفہوم کو سمجھ سکیں۔

ایک انتہائی طاقتور اور بصیرت افروز مثال فرمان نمبر 18 میں ملتی ہے، جہاں امام عالی مقام نے اطاعت کی معراج کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: "مرشد کا خواہ کیسا ہی فرمان ہو، ماننا چاہیئے۔ اس متعلق شعر پڑھ کر فرمایا کہ 'مرشد اگر ایسا فرمائے کہ شراب سے وضو کر کے نماز پڑھو تو ایسا فرمان ماننا چاہیئے۔' شراب کیسی خراب چیز ہے، یہ وہ جانتا ہے، پھر بھی ایسا فرمان ہو تو ماننا چاہیئے۔ بہشت میں جانے کا کونسا راستہ ہے، وہ پیر مرشد کو معلوم ہے

(کلام امام مبین فرمان 18 جِلد 1)

یہ فرمان ظاہری طور پر عقل کو حیران کر سکتا ہے اور سطحی نظر سے دیکھنے والے کو متذبذب کر سکتا ہے، لیکن اس کی گہرائی میں ایمان کا ایک عظیم امتحان پوشیدہ ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ امام حرام کو حلال قرار دیتے ہیں، بلکہ اس کا باطنی مفہوم یہ ہے کہ مومن کا اپنے امام کی حکمت پر یقین اتنا کامل اور غیر متزلزل ہونا چاہیے کہ اگر امام کوئی ایسا حکم بھی دیں جو بظاہر شریعت کے اصولوں سے متصادم نظر آئے، تب بھی مومن کو یہ یقین ہو کہ اس کے امام کی حکمت اس کی فہم سے بالاتر ہے اور اسی حکم میں اس کی نجات پوشیدہ ہے۔ یہ کامل تسلیم ہی حقیقی ایمان کی علامت ہے۔

امامِ زماں کے فرامین وقت کے تقاضوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ دین کے بنیادی اصول، یعنی توحید، رسالت اور امامت، تو ابدی ہیں، لیکن ان اصولوں کا اطلاق ہر دور کے بدلتے ہوئے حالات، معاشرتی ضروریات اور فکری چیلنجز کے مطابق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر امام اپنے زمانے کے لیے نئی ہدایات اور نئے فرامین جاری فرماتے ہیں۔ حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس اصول کو فرمان نمبر 62 میں نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ آپ نے ایک ڈاکٹر اور مریض کی مثال دیتے ہوئے فرمایا: "جب تمہارے سر میں درد ہو اور ڈاکٹر کے پاس دوا لینے کے لئے جاؤ، تو وہ تمہیں سردرد کی دوا دیتا ہے۔ جس سے سر کو آرام آجاتا ہے۔ چھ مہینے بعد تمہارے پاؤں میں تکلیف ہو اور اُسوقت سر درد کی

دوائی پیروں پر لگاؤ تو کیا فائدہ ہوگا؟... دین مذہب کے لئے بھی ایسا ہی ہے۔" (کلام امام مبین فرمان 62 جِلد 1)۔ اسی فرمان میں آپ آگے فرماتے ہیں: "پیر صدر دین، پانچ سو سال پہلے گنان فرما گئے ہیں، وہ بہت اچھے ہیں۔ آج ہم جو فرمان فرمائیں، وہ تم قبول نہیں کرو اور پیر صدر دین نے جو فرمایا ہے، اس پر عمل کرو تو کیا فائدہ؟ ہم آج جو فرمان فرماتے ہیں، اس مطابق چلو تو فائدہ ہوگا۔"

(کلام امام مبین فرمان 70 جِلد 1)

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مومن کو ماضی کے فرامین کا احترام کرتے ہوئے، اپنے حال اور مستقبل کی رہنمائی کے لیے اپنے "حاضر و موجود امام" کے تازہ ترین فرامین پر عمل کرنا چاہیے۔ امامِ زماں ہی وہ روحانی طبیب ہیں جو اپنی امت کی روحانی بیماریوں کو پہچانتے ہیں اور وقت کے مطابق ان کا علاج تجویز فرماتے ہیں۔ اس لیے پرانے فرامین کی روشنی میں نئے فرامین کو سمجھنا اور ان پر عمل پیرا ہونا ہی دانشمندی اور حقیقی اطاعت ہے۔

امام عالی مقام نے اپنے فرامین کی اہمیت کو مزید اجاگر کرتے ہوئے فرمایا: "ہمارے فرمان ہی گنان ہیں
۔(کلام امام مبین فرمان 59 جِلد 1)
جس طرح گنان پیروں کی روحانی تعلیمات کا مجموعہ ہیں اور مومنین کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہیں، اسی طرح حاضر امام کے فرامین بھی اسی روحانی سلسلے کا تسلسل اور وقت کی زندہ ہدایت ہیں۔ ان فرامین کو محض الفاظ کا مجموعہ نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ ان کے باطنی مفہوم اور روح کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ فرمان نمبر 57 میں ارشاد ہوتا ہے: "ہمارے فرمان فقط سن لینا ہی کافی نہیں۔ تم پر واجب ہے کہ ہمارے فرمان پر غور کرو، اس کی معنیٰ نکالو اور معنیٰ سمجھو۔" (کلام امام مبین فرمان 57 جِلد 1)۔ یہ غور و فکر اور فرامین کے گہرے مطالب تک رسائی ہی مومن کے ایمان کو پختگی اور اس کی زندگی کو مقصد عطا کرتی ہے۔

امامِ زماں کی معرفت اور ان کے فرامین کی حجیت کو تسلیم کرنے کے بعد، ایک مومن کی زندگی محض ذاتی عبادات تک محدود نہیں رہتی، بلکہ اس پر کچھ اجتماعی اور انفرادی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کی ادائیگی اس کے ایمان کو عملی جامہ پہناتی ہے اور اسے جماعت کا ایک فعال اور مفید رکن بناتی ہے۔ حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنے فرامین میں ان ذمہ داریوں کو بارہا بیان فرمایا ہے۔

سب سے پہلی اور بنیادی ذمہ داری "مالِ واجبات" یعنی دسوند کی ادائیگی ہے۔ یہ امام کا وہ حق ہے جو ہر مومن کی کمائی پر واجب ہے۔ یہ کوئی خیرات یا عطیہ نہیں، بلکہ ایک مذہبی فریضہ اور دین کا اہم ستون ہے۔ فرمان نمبر 1 میں امام

عالی مقام نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: "جو حاکم کا حصہ ہے، وہ حاکم کا حق ہے، تو ہم تمہارے حاکم ہیں۔ جو امامی فرقہ ہے، ہم ان کے اصل سے حاکم ہیں۔... مندرجہ بالا تمام حقوق ہمارے ہیں اور اس میں سے جو حقدار ہیں، ہم ان کو دے دیتے ہیں۔ یہ خدائی حکم تم پر شروع ہی سے ہے۔" (کلام امام مبین فرمان 1 جِلد 1)۔ اس فرمان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دسوند امام کا حق ہے جسے وہ جماعت کی فلاح و بہبود، غریبوں کی مدد، علم کی ترویج اور دیگر جماعتی امور کے لیے استعمال فرماتے ہیں۔ فرمان 99 میں مزید فرمایا گیا کہ "مال واجبات... دین کی بنیاد ہے، دسوند کی باقاعدہ ادائیگی سے نہ صرف مومن کا مال پاک ہوتا ہے بلکہ یہ اس کی امام سے روحانی وابستگی اور اطاعت کا عملی ثبوت بھی ہے۔

دوسری اہم ذمہ داری "باطنی پاکیزگی" کا حصول ہے۔ اسلام صرف ظاہری اعمال کا نام نہیں، بلکہ اس کی روح باطن کی صفائی اور قلب کی طہارت میں پوشیدہ ہے۔ حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس پر بہت زور دیا ہے۔ فرمان نمبر 10 میں آپ نے نہا دھو کر پاک صاف ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا: "یہ تو ظاہری پاکیزگی ہوئی لیکن باطن میں بھی پاکیزگی رکھنا اور برائی کو نکال دینا۔ ایک دوسرے کے دل سے کینہ نکال دو اور پاک ہو کر آؤ
۔(کلام امام مبین فرمان 10 جِلد 1)
اسی طرح فرمان 78 میں ارشاد ہے: "تمہارا دل یعنی روح کس طرح پاک ہو، وہ تم سمجھتے نہیں۔... جو گناہ کرتا ہے، وہ حیوان ہے۔ (کلام امام مبین فرمان 78 جِلد 1)۔

یہ باطنی پاکیزگی جھوٹ، غیبت، حسد، کینہ اور بد نظری جیسے گناہوں سے پرہیز کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ جب مومن کا دل ان برائیوں سے پاک ہو جاتا ہے تو وہ امام کے نور کو قبول کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور اس کی عبادات میں حقیقی روح پیدا ہوتی ہے۔

تیسری ذمہ داری "حقوق العباد" کی ادائیگی ہے، جس میں سب سے اہم جماعت کے ساتھ اتحاد اور بھائی چارہ ہے۔ امام عالی مقام نے بارہا فرمایا کہ تمام اسماعیلی ایک روحانی خاندان ہیں اور وہ خود اس خاندان کے روحانی باپ ہیں۔ فرمان 27 میں ارشاد ہوتا ہے: "ہم تم سے نہ تو جان مانگتے ہیں، نہ مال مانگتے ہیں۔ فقط تمہارا دل مانگتے ہیں
۔(کلام امام مبین فرمان 27 جِلد 1)
اسی طرح فرمان 47 میں ایک نہایت گہری بات فرمائی گئی: "جماعت ہمارا بدن ہے، اگر اس میں کوئی تکلیف ہو تو ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ اگر تم میں آپس میں عداوت ہو تو ہمیں تکلیف پہنچتی ہے۔ تم ہمارا جسم ہو، تم میں عداوت ہوگی تو ہمارے جسم کو ایذا (تکلیف) پہنچتی ہے

-(کلام امام مبین فرمان 47 جِلد 1)

یہ فرامین اس بات کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں کہ جماعتی اتحاد اور آپس کی محبت امام کی خوشنودی حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ مومن بھائیوں کے علاوہ، والدین، پڑوسیوں، اساتذہ اور بالخصوص عورتوں کے حقوق کی ادائیگی پر ور دیا گیا ہے۔sبھی بہت ز

چوتھی ذمہ داری "جماعت خانہ" کی اہمیت کو سمجھنا اور وہاں باجماعت عبادت میں باقاعدگی سے شریک ہونا ہے۔ جماعت خانہ محض ایک عبادت گاہ نہیں، بلکہ یہ مومنین کے لیے روحانی مرکز، تعلیم و تربیت کا مقام اور سماجی میل جول کی جگہ ہے۔ فرمان نمبر 154 میں فرمایا گیا: "تمہیں ہمیشہ جماعت خانے آنا چاہیئے۔ اگر گنان میں کوئی چیز مشکل لگے تو بھگت سے پوچھ کر اس کی وضاحت حاصل کرو۔ عبادت کی ورزش ایمان کو قائم رکھتی ہے

-(کلام امام مبین فرمان 154 جِلد 1)

باجماعت دعا کرنے سے نہ صرف اجتماعی برکت حاصل ہوتی ہے بلکہ مومنین کے درمیان محبت اور بھائی چارے کا رشتہ بھی مضبوط ہوتا ہے۔ امام نے بارہا تاکید فرمائی کہ مومن کو چاہیے کہ وہ دنیاوی کاموں سے وقت نکال کر صبح و شام جماعت خانے میں حاضر ہو اور اپنے امام کو یاد کرے۔

ان تمام ذمہ داریوں کی ادائیگی کا حتمی مقصد مومن کی روحانی ترقی اور اس کی حیاتِ جاوداں کی تیاری ہے۔ اسماعیلی عقیدے کے مطابق، انسانی زندگی کا مقصد محض دنیاوی کامیابیاں حاصل کرنا نہیں، بلکہ اپنی روح کو پہچان کر اسے اس کے "اصل مکان" یعنی عالمِ بالا کی طرف واپس لے جانا ہے۔ حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنے فرامین میں اس روحانی سفر کے مختلف مراحل کی نشاندہی کی ہے۔ سب سے پہلے تو انسان اور حیوان کے فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ فرمان 77 میں ارشاد ہے: "تم انسان روپ میں ہو... لیکن افسوس ہے کہ حیوان کی طرح جنم گزر جاتا ہے اور انسان دوبارہ خاک میں داخل ہو جاتا ہے۔... انسان کی دو حالتیں ہیں، ایک حالت فرشتے کی اور دوسری حالت شیطان کی ہے۔ انسان میں فرشتہ بھی ہے اور حیوان بھی ہے۔ فرشتہ بننا یا حیوان بننا، یہ تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے۔"

(کلام امام مبین فرمان 77 جِلد 1)

یہ انتخاب اعمال کے ذریعے ہوتا ہے۔ جو شخص دنیا کی لذتوں میں گم ہو کر روحانی فرائض سے غافل ہو جاتا ہے، وہ حیوانی سطح پر ہی رہ جاتا ہے۔ لیکن جو مومن اپنے نفس کو پاک کرتا ہے، امام کی اطاعت کرتا ہے اور عبادت میں مشغول رہتا ہے، وہ فرشتے کے مرتبے، بلکہ اس سے بھی بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ دنیا مومن کے لیے ایک قید خانہ ہے اور موت اس قید سے رہائی کا ذریعہ ہے۔ فرمان 43 میں فرمایا گیا: "حقیقی مومن کو دنیا میں کوئی فائدہ نہیں، کوئی خوشی نہیں۔

ہم خود بھی دنیا میں ہیں تو قید خانے میں ہیں، ایسا سمجھتے ہیں۔ مومن کے واسطے مرنے کے بعد جنت ہے
۔(کلام امام مبین فرمان 43 جِلد 1)

اس روحانی سفر کی معراج "فنا فی اللہ" کا مقام ہے، یعنی اپنی ہستی کو امام اور خدا کی ذات میں فنا کر دینا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں روح اپنے "اصل مکان" پر پہنچ جاتی ہے۔ فرمان 59 میں امام نے اس تصور کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: "تم فنا فی اللہ ہو جاؤ۔ فنا یعنی کچھ نہیں، فی یعنی اندر، اللہ یعنی خدا۔ فنا فی اللہ یعنی خداوند تعالیٰ کی ذات میں نیست و نابود ہو جانا۔ تم ایسے خیال کرو کہ خدا کون ہے؟ اور خدا میں کیوں نہ سما جاؤں؟ ایسی امید رکھو۔"(کلام امام مبین فرمان 59 جِلد 1)۔ یہ مقام عشقِ حقیقی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب مومن کا عشق اپنے امام کے لیے اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اس کی اپنی کوئی مرضی باقی نہیں رہتی اور وہ مکمل طور پر امام کے فرمان کے تابع ہو جاتا ہے، تب وہ فنا کے اس مرتبے کو پاتا ہے۔ جیسا کہ فرمان 198 میں ارشاد ہے: "اپنے مذہب کی بنیاد محبت اور اتحاد پر ہے
کلام امام مبین فرمان 198 جِلد 2)
یہ محبت اور عشق ہی وہ قوت ہے جو روح کو پستی سے بلندی کی طرف لے جاتی ہے اور اسے اس کے حقیقی مقصد سے ہمکنار کرتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امامت، دینِ اسلام کی عمارت کا وہ مرکزی ستون ہے جس کے بغیر اس کا وجود ہی ناممکن ہے۔ یہ محض ایک عقیدہ نہیں، بلکہ ایک مکمل اور زندہ نظامِ ہدایت ہے جو قرآن و سنت کی تعلیمات کو ہر دور میں زندہ اور متحرک رکھتا ہے۔ یہ وہ نورانی سلسلہ ہے جو رسالت کے بعد بھی امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے اور مومنین کو روحانی اور دنیاوی ترقی کی راہ پر گامزن رکھتا ہے۔ حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام کے پاکیزہ فرامین ہمارے پاس ایک خزانے کی طرح موجود ہیں، اسی حقیقت کو بار بار واضح کرتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں سکھایا کہ حاضر امام کی معرفت، ان سے غیر مشروط محبت، ان کے فرامین کی کامل اطاعت، اور ان کے قائم کردہ نظام سے مکمل وابستگی ہی دنیا و آخرت میں کامیابی اور نجات کی ضمانت ہے۔ امام کا ہر فرمان ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے، اور ان کی ذات ہماری کشتیِ نجات ہے۔

امامت کے تصور کو محض قرآن و حدیث کی روشنی میں سمجھنا کافی نہیں، بلکہ اس کی گہرائی کو پانے کے لیے ضروری ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اقوال اور ان کی قائم کردہ روایات کا بھی بغور مطالعہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں سیدنا القاضی النعمان قدس اللہ سرہ کی شہرہ آفاق تصنیف "دعائم الاسلام" ایک بنیادی اور مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی

ہے، جس میں فقہ اور عقائد کے مسائل کو براہِ راست ائمہ اہل بیت علیہم السلام، خصوصاً امام باقر علیہ السلام اور امام جعفر الصادق علیہ السلام کی روایات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس بات کی شاہد ہے کہ دین کے تمام ستون، جن میں طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد شامل ہیں، ان سب کی روح اور بنیاد "ولایت" یعنی امام کی معرفت اور اطاعت پر قائم ہے۔

دعائم الاسلام" کے مقدمے میں ہی یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ ایمان محض زبانی اقرار کا نام نہیں، بلکہ اس کی تکمیل" تین چیزوں سے ہوتی ہے: زبان سے اقرار، دل سے تصدیق، اور ارکانِ اسلام پر عمل۔ امام جعفر الصادق علیہ السلام سے مروی روایت میں اس کی مزید تشریح کی گئی ہے کہ "ایمان سر سے پیر تک عمل ہی عمل ہے اور قول اس عمل کا ایک حصہ ہے۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام کی ولایت کا محض زبانی اقرار کافی نہیں، بلکہ اس کے تقاضوں کو عملی زندگی میں نافذ کرنا اور امام کے ہر حکم کی پیروی کرنا ہی حقیقی ایمان ہے۔جس کی عملی شکل نظامِ امامت کے اندر، امامت کے ہر رکن کو بجا لایا جائے

اسلام اور ایمان کے مابین ایک لطیف مگر نہایت اہم فرق کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق، جب امام جعفر الصادق علیہ السلام سے اس فرق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ "ایمان کا تمام تر تعلق دل سے ہے اور اسلام نکاح و میراث کے احکام کی پابندی کا نام ہے۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ آپ نے اس کی تمثیل ایک دائرے کی شکل بنا کر دی، جس میں اسلام ایک بڑا بیرونی دائرہ ہے اور ایمان اس کے اندر ایک چھوٹا، مرکزی دائرہ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر مومن، مسلمان ضرور ہے، لیکن ہر مسلمان کا مومن ہونا ضروری نہیں۔ ایمان کا درجہ اسلام سے بلند تر ہے اور اس کا تعلق امام کی باطنی معرفت اور قلبی تسلیم و رضا سے ہے۔ جب ایک شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اس کی جان و مال محفوظ ہو جاتی ہے، لیکن جب وہ دائرہ ایمان میں قدم رکھتا ہے تو اس کی روحانی نجات کی ضمانت ملتی ہے۔

امامت کے تسلسل اور اس کی ضرورت پر "دعائم الاسلام" میں ایک نہایت قوی استدلال پیش کیا گیا ہے۔ عوام کے اس نظریے کو رد کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو بغیر کسی رہنما کے چھوڑ دیا تھا اور امام کا انتخاب لوگوں کے اختیار میں ہے۔ سیدنا القاضی النعمان قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اگر امام کا انتخاب لوگوں کے مشورے یا انتخاب سے ہونا ہوتا تو یہ تاریخ کا سب سے بڑا اختلاف بن جاتا، کیونکہ ہر گروہ اور ہر قبیلہ اپنے ہی شخص کو امام بنانا چاہتا۔ اس سے امت میں اتحاد کے بجائے دائمی انتشارپیدا ہو جاتا۔ (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ وہ مزید فرماتے ہیں کہ ابوبکر کی بیعت پر بھی تمام صحابہ کا اتفاق نہیں تھا، خاص طور پر انصار نے اس کی مخالفت کی تھی۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امامت جیسا اہم اور نازک منصب عوام کی رائے پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔
اس کے برعکس، "دعائم الاسلام" اس حقیقت پر زور دیتی ہے کہ امامت کا قیام "نص" اور "توقیف" کے ذریعے ہوتا ہے۔ یعنی ہر امام اپنے بعد آنے والے امام کا واضح طور پر تعین کرتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم میں حضرت علی علیہ السلام کا تعین فرمایا۔ یہ سلسلہ نسل در نسل، ایک امام سے دوسرے امام تک بغیر کسی انقطاع کے جاری رہتا ہے۔ کتاب میں بیان ہے: "امام کا تقرر ایک ایسی صورت سے ممکن ہے جس کو رد کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی... وہ ناقابلِ تردید صورت یہ ہے کہ امام نص و توقیف سے قائم ہوتا ہے۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ وہی اصول ہے جس کی تاکید حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی اپنے فرامین میں کی ہے، کہ امامت کا نور ایک ہی ہے جو ایک جامے سے دوسرے جامے میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔
دعائم الاسلام" میں ائمہ طاہرین علیہم السلام کے درجات اور ان کے مقام کو بیان کرتے ہوئے ان گمراہ فرقوں کی بھی سختی سے تردید کی گئی ہے جو "غلو" کا شکار ہوئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اماموں کو ان کے حقیقی مرتبے سے بڑھا کر انہیں خدا یا نبی کا درجہ دے دیا۔ کتاب میں واضح کیا گیا ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام، اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ مخلوق ہیں، اس کی زمین پر اس کی حجت ہیں۔ وہ خدا نہیں ہیں، نہ ہی ان پر انبیاء کی طرح وحی نازل ہوتی ہے۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے مروی روایت کا حوالہ دیا گیا ہے کہ جب کچھ لوگوں نے آپ کو خدا کہا تو آپ نے شدید غضب کا اظہار کیا اور فرمایا: "میں آج اس کھڈے کو چربی اور گوشت سے بھر دوں گا۔" اور پھر ان غلو کرنے والوں کو قتل کروا کر جلا دیا۔ (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ اسی طرح امام باقر علیہ السلام اور امام جعفر الصادق علیہ السلام کے ادوار میں مغیرہ بن سعید اور ابو الخطاب جیسے لوگوں نے بھی ایسے ہی گمراہ کن عقائد پھیلائے، جن سے ائمہ نے مکمل برات کا اظہار کیا اور اپنے شیعوں کو ان سے دور رہنے کی تلقین کی۔

یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امام کی معرفت میں توازن انتہائی ضروری ہے۔ نہ تو ان کے مقام کو گھٹانا جائز ہے اور نہ ہی اس میں غلو کرتے ہوئے انہیں دائرہ بشریت سے خارج سمجھنا درست ہے۔ حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی اپنے پہلے فرمان میں اسی توازن کی تعلیم دی: "اے جماعتوں، تم ہمیں چھوٹا مت سمجھنا۔ ہم آلِ رسول ہیں۔... ہم علی اور نبی دونوں کے نور ہیں۔" (کلام امام مبین فرمان 1 جِلد 1)۔ یہاں "نور" کا لفظ امام کے روحانی مرتبے کی نشاندہی کرتا ہے، جبکہ "آلِ رسول" ہونا ان کے بشری وجود کی طرف اشارہ ہے۔
ایک حقیقی مومن کی صفات کیا ہونی چاہئیں، اس پر بھی "دعائم الاسلام" میں ائمہ طاہرین علیہم السلام کی وصیتیں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ امام جعفر الصادق علیہ السلام نے اپنے شیعوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: "میں تم

سب کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں... اور اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ تم ہمارے خاموش داعی بنو۔" جب پوچھا گیا کہ خاموش داعی کیسے بنیں؟ تو آپ نے فرمایا: "جب تم ان احکامِ الٰہی پر عمل کرو گے جن کا ہم نے تم کو حکم دیا ہے... اور لوگ تمہاری نیکی ہی نیکی سے واقف ہوں گے، تو اس وقت وہ کہیں گے کہ یہ فلاں امام کے پیروکار ہیں۔ خدا فلاں پر رحم کرے، اس نے اپنے اصحاب کو کتنی اچھی تعلیم اور کتنے اچھے آداب سکھائے ہیں۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ اس بات کی تعلیم ہے کہ ایک مومن کا کردار اور اس کے اعمال ہی اس کے مذہب کی بہترین تبلیغ ہیں۔

اسی طرح، "کلام امام مبین" میں حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی بارہا اپنے مریدوں کو نیک اعمال اور پاکیزہ کردار اپنانے کی تاکید فرمائی ہے۔ فرمان نمبر 57 میں آپ نے ارشاد فرمایا: "تم ایسے بن کر چلو کہ لوگ تمہیں گدھے جیسا نہیں کہیں، سب تمہاری تعریف کریں۔" (کلام امام مبین فرمان 57 جِلد 1)۔ اور فرمان نمبر 48 میں فرمایا: "تم ایسے کام نہیں کرو کہ آخرت میں پچھتانا پڑے۔... تم ہم جیسے بنو۔ ہم بھی سندھی ہیں۔ ہمارا جنم بھی سندھ میں ہوا ہے، تو تم بھی ہم جیسے بنو۔"(کلام امام مبین فرمان 60 جِلد 1)۔ ان فرامین کا مقصد یہی ہے کہ مومن اپنے امام کی تعلیمات کا عملی نمونہ بن جائے تاکہ اس کے کردار کو دیکھ کر ہی لوگ دینِ حق کی طرف راغب ہوں۔

دعائم الاسلام" میں علم کی فضیلت پر بھی بہت زور دیا گیا ہے۔ امام جعفر الصادق علیہ السلام سے مروی ہے: "علم" حاصل کرو، مگر علم کے ساتھ ساتھ بردباری اور وقار کو اپنا شعار بناؤ۔" اور یہ بھی فرمایا کہ "اگر ہمارے شیعوں میں سے کوئی ایسا نوجوان مجھے مل جاتا جو علمِ فقہ نہ جانتا ہو تو میں اس کو بہترین ادب سے آراستہ کر دیتا۔" (دعائم الاسلام، کتاب العلم)۔ یہ روایات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ دین کی گہری سمجھ اور معرفت حاصل کرنا ہر مومن کے لیے ضروری ہے۔ علم ہی وہ روشنی ہے جو انسان کو قیاس آرائیوں اور گمراہیوں سے بچاتی ہے۔

سیدنا القاضی النعمان قدس اللہ سرہ نے اس باب میں ان عوامی فقہاء پر بھی سخت تنقید کی ہے جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر اپنی رائے اور قیاس پر فتویٰ دیتے ہیں۔ انہوں نے ابو حنیفہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ جب امام جعفر الصادق علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ جب کسی مسئلے کا حل کتاب و سنت میں نہ ملے تو تم کیا کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں قیاس کرتا ہوں۔ اس پر امام نے فرمایا کہ سب سے پہلے قیاس کرنے والا ابلیس تھا، اور اس نے اپنے قیاس میں خطا کی تھی۔ (دعائم الاسلام، کتاب العلم)۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دین کے معاملات میں ذاتی رائے اور قیاس کی کوئی گنجائش نہیں، بلکہ ہر معاملے میں امامِ وقت کی طرف رجوع کرنا واجب ہے، کیونکہ وہی علم کا حقیقی سرچشمہ ہیں۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی اپنے فرامین میں علم اور تعلیم کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے۔ آپ نے بارہا اسکول قائم کرنے، بچوں اور بچیوں کو دینی و دنیاوی تعلیم دینے اور خاص طور پر اپنے مذہب کی تاریخ اور عقائد سے واقفیت حاصل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ فرمان نمبر 49 میں آپ نے فرمایا: "تم میں سے دس بارہ سال کے لڑکے ہوں، اگر ان کو تعلیم دو تاکہ وہ واقف ہو سکیں۔" اور فرمایا کہ "دیوانِ شمس تبریز اور مثنوی مولانا روم پڑھو گے تب تمہیں معلوم ہوگا کہ دوسرے ممالک میں کیا ہو رہا ہے؟ تمہارا مذہب ہر ایک ملک میں ہے۔"(کلام امام مبین فرمان 49 جِلد 1)۔ ان فرامین کا مقصد یہی ہے کہ اسماعیلی جماعت ایک پڑھی لکھی، باشعور اور اپنے عقائد پر مضبوطی سے قائم رہنے والی جماعت بنے۔

اہل بیت اطہار علیہم السلام کی محبت کو دین کی اساس قرار دیا گیا ہے۔ آیتِ مودت کی تفسیر کرتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ محبت محض ایک جذباتی تعلق نہیں، بلکہ یہ ایک عملی تقاضا ہے جس کا مطلب ان کی اطاعت اور پیروی ہے۔ امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ دین کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "سبحان اللہ! دین فقط محبت ہی تو ہے۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ محبت ہی وہ قوت ہے جو مومن کو امام کے ساتھ جوڑے رکھتی ہے اور اسے ہر مشکل میں ثابت قدم رکھتی ہے۔

کلام امام مبین میں بھی عشقِ حقیقی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ فرمان نمبر 45 میں ارشاد ہے: جو خدا کے عاشق ہیں، ان کو دوزخ کا کچھ ڈر نہیں۔ مومن بندگی کرتا ہے، تو وہ نہ تو دوزخ کے خوف سے، اور نہ ہی جنت کی امید سے، بلکہ خدا کی محبت اور عشق سے کرتا ہے۔ دیکھو! پروانہ ہے، وہ بتی کی روشنی دیکھ کر، عشق اور محبت کے ساتھ اپنی جان جلا دیتا ہے۔... تمہیں بھی خداوند تعالیٰ سے ایسی ہی محبت رکھنی چاہیئے۔ تم ایسے عاشق بنو۔" (کلام امام مبین فرمان 45 جِلد 1)۔ یہاں خدا سے محبت دراصل اس کے نور کے مظہر، یعنی امامِ زماں سے محبت ہے۔ یہ عشق ہی مومن کو فنا فی الامام اور پھر فنا فی اللہ کے مرتبے تک پہنچاتا ہے۔

آخر میں، یہ حقیقت ایک بار پھر واضح ہو جاتی ہے کہ امامت کا عقیدہ، جو قرآن و سنت اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی تعلیمات سے ثابت ہے، دینِ اسلام کا ایک ناقابلِ تنسیخ اور لازمی جز ہے۔ یہ وہ محور ہے جس کے گرد دین کے تمام ارکان گردش کرتے ہیں۔ امامِ زماں کی معرفت کے بغیر نہ تو ایمان کامل ہو سکتا ہے، نہ عبادت قبول ہوتی ہے، اور نہ ہی روحانی نجات ممکن ہے۔ "دعائم الاسلام" کی عالمانہ بحث اور امام علیہ السلام کے حیات بخش فرامین، دونوں اسی ایک نقطے پر مرکوز ہیں کہ ہر دور کے مومن کی کامیابی اور فلاح کا انحصار اپنے وقت کے حاضر و موجود امام کی پہچان،

ان سے بے پناہ محبت، اور ان کے ہر فرمان کی غیر مشروط اطاعت میں ہے۔ یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جو دنیا کی گمراہیوں سے بچا کر انسان کو اس کی حقیقی منزل، یعنی "اصل مکان" تک پہنچاتا ہے۔

ایک بنیادی حدیث جس پر امامت کے پورے تصور کی عمارت کھڑی ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ہے: مَنْ مَاتَ وَ لَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً ۔ ترجمہ: "جو شخص اپنے زمانے کے امام کی معرفت کے بغیر مر گیا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ حدیث نہایت گہرے معانی کی حامل ہے۔ یہ واضح کرتی ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنا اور اس کے ظاہری ارکان پر عمل کرنا اس وقت تک بے معنی ہے جب تک انسان اپنے وقت کے زندہ اور حاضر امام کو نہ پہچان لے۔ "جاہلیت کی موت" سے مراد کفر کی موت ہے، یعنی ایسا شخص جو امام کی معرفت نہیں رکھتا، اس کا اسلام عنداللہ قبول نہیں۔ یہ حدیث اس بات کی بھی نفی کرتی ہے کہ امامت کا سلسلہ کسی ایک دور میں آ کر ختم ہو گیا ہے، کیونکہ "امامِ زماں" (اپنے زمانے کے امام) کا لفظ ہر دور میں ایک حاضر امام کی موجودگی کا متقاضی ہے۔
قرآن حکیم بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ" (سورۃ الاسراء: 71)۔ ترجمہ: "جس دن ہم ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔" "دعائم الاسلام" میں امام جعفر الصادق علیہ السلام اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ امام ہے جس کی لوگوں نے دنیا میں پیروی کی ہو گی۔ (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یعنی قیامت کے دن ہر شخص کی شناخت اس کے امام سے ہو گی۔ جن لوگوں نے امامِ برحق کی پیروی کی ہو گی، وہ ان کے ساتھ اٹھائے جائیں گے، اور جنہوں نے گمراہ پیشواؤں کی پیروی کی ہو گی، ان کا حشر بھی انہیں کے ساتھ ہو گا۔ یہ آیت اور مذکورہ حدیث مل کر یہ ثابت کرتی ہیں کہ امام کی معرفت اور پیروی نجاتِ اخروی کے لیے لازمی شرط ہے۔

دعائم الاسلام" میں ایک اور اہم روایت نقل کی گئی ہے جو امامت کے موروثی اور منصوص ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میرے اہل بیت کی مثال تمہارے درمیان کشتیِ نوح کی طرح ہے، جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو اس سے پیچھے رہ گیا، وہ غرق ہو گیا۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ تمثیل انتہائی بلیغ ہے۔ جس طرح طوفانِ نوح میں نجات کا واحد ذریعہ کشتی تھی، اسی طرح ہر دور کے فتنوں اور گمراہیوں کے طوفان میں نجات کا واحد ذریعہ اہل بیتِ اطہار علیہم السلام اور ان کی نسل سے جاری امامت کی پیروی ہے۔ یہ کشتی

کسی ایک جگہ ٹھہری ہوئی نہیں، بلکہ ہر زمانے میں متحرک ہے اور اس کی قیادت وقت کے امام علیہ السلام کے ہاتھ میں ہے۔ جو شخص اس کشتی (یعنی حاضر امام کی امامت) میں سوار ہو جاتا ہے، وہ روحانی طور پر محفوظ ہو جاتا ہے۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی اپنے فرامین میں بارہا اپنے مریدوں کو دنیاوی اور روحانی طوفانوں سے خبردار کیا ہے اور انہیں اپنی امامت کی پناہ میں آنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ "ہماری اسکولوں میں... مذہبی تعلیم دی جائے" (فرمان 592) اور "ہمارا مذہب روحانیت کا تخت ہے" (فرمان 248)، یہ سب اسی کشتیِ نوح کی طرف اشارے ہیں جہاں روحانی تعلیم و تربیت کے ذریعے مومنین کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کی فضیلت اور ان کے علم کا بھی واضح اعلان کیا ہے۔ سورۃ النحل میں ارشاد ہے: فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" (النحل: 43)۔ ترجمہ: "پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو۔" "دعائم الاسلام" میں امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب ان سے "اہل ذکر" کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "ہم اہل ذکر ہیں۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دین کے حقیقی علم کا خزانہ ائمہ اہل بیت کے پاس ہے اور امت پر لازم ہے کہ وہ اپنے ہر دینی اور دنیاوی مسئلے کے حل کے لیے ان ہی کی طرف رجوع کرے۔

اسی طرح سورۃ العنکبوت میں فرمایا: "بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ" (العنکبوت: 49)۔ ترجمہ: "بلکہ یہ (قرآن) روشن آیتیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم عطا کیا گیا ہے۔" امام باقر علیہ السلام نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ "جن لوگوں کو علم عطا کیا گیا ہے، وہ ہم لوگ ہیں۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کا ظاہر تو سب پڑھتے ہیں، لیکن اس کا باطن، اس کی تاویل اور اس کی گہری حکمت کا علم صرف ائمہ طاہرین علیہم السلام کے سینوں میں ودیعت کیا گیا ہے۔ وہ قرآنِ ناطق ہیں اور ان کی تشریح ہی قرآن کی حقیقی تشریح ہے۔

دعائم الاسلام میں اس نکتے پر بھی زور دیا گیا ہے کہ امام کا علم محض کتابی نہیں ہوتا، بلکہ وہ علمِ لدنی ہوتا ہے جو انہیں اپنے آباء و اجداد سے ورثے میں ملتا ہے۔ امام جعفر الصادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ان کے پاس وہ تمام علوم موجود ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے، اور یہ کہ "ہمارا حلال و حرام خدا

کی کتاب سے ہے۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام اپنی ذاتی رائے یا قیاس سے دین میں کوئی بات نہیں کہتے، بلکہ ان کا ہر قول اور ہر فیصلہ قرآن و سنت کی حقیقی روح کے مطابق ہوتا ہے۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی علم کی اسی مرکزیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا: "ہمارے شیعہ اسماعیلی مکتب کا عروج کس طرح سے ہوا تھا؟ اس بات کو آنریری مشنریوں... کو جاننے کی بہت ضرورت ہے۔ ان کو ائمہ کی تاریخ کی تفصیلات نہیں بلکہ اس کا جوہر جاننا چاہیئے۔" (کلام امام مبین فرمان 603 جِلد 2)۔ یہاں "جوہر" سے مراد وہی باطنی علم اور حکمت ہے جو نسل در نسل اماموں میں منتقل ہوتی ہے۔

دعائم الاسلام" میں حضرت علی علیہ السلام کا ایک طویل خطبہ نقل کیا گیا ہے جس میں آپ نے قاضیوں اور مفتیوں کی اقسام بیان کی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ قاضیوں کی تین قسمیں ہیں، جن میں سے ایک نجات پانے والا ہے اور دو ہلاک ہونے والے ہیں۔ ہلاک ہونے والوں میں ایک وہ ہے جو جان بوجھ کر ظلم کرتا ہے اور دوسرا وہ جو اجتہاد میں خطا کرتا ہے۔ نجات پانے والا صرف وہ ہے جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دین کے معاملات میں ذاتی اجتہاد اور قیاس آرائی گمراہی کا راستہ ہے۔ نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ اس ہستی کی پیروی کی جائے جس کا ہر فیصلہ حکمِ الٰہی کا آئینہ دار ہو، اور وہ ہستی امامِ زماں کی ذات ہے۔

حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام نے ابن ابی لیلیٰ، جو کوفہ کے قاضی تھے، سے مکالمہ کرتے ہوئے اسی نکتے کو واضح کیا۔ جب ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ میں کتاب اللہ، سنتِ رسول اور پھر اصحاب کی رائے پر فیصلہ کرتا ہوں، تو امام نے ان سے پوچھا کہ جب اصحاب میں اختلاف ہو تو کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ جس کی رائے مناسب سمجھتا ہوں، لے لیتا ہوں۔ اس پر امام نے فرمایا: "جب تم نے علی (علیہ السلام) کے قول کی مخالفت کی تو کیا تم نے خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت نہ کی؟" کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "علی تم میں سب سے بڑے قاضی ہیں۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ مکالمہ ثابت کرتا ہے کہ علم و حکمت کے جس دروازے (حضرت علی) کا تعین خود رسول اللہ نے کر دیا ہو، اسے چھوڑ کر دوسرے دروازے کھٹکھٹانا گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔

ائمہ طاہرین نے اپنے شیعوں کو ہمیشہ یہ تعلیم دی کہ وہ محض عقیدت کا دم نہ بھریں، بلکہ اپنے اعمال سے اپنے ایمان کا ثبوت دیں۔ "دعائم الاسلام" میں امام باقر علیہ السلام کا قول ہے: "اے گروہِ شیعہ! سنو اور سمجھو! ہماری ان

وصیتوں کو... سچ بولو، اپنی قسموں کو پورا کرو، مال و دولت سے باہم ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو، اور آپس میں دل سے محبت کرو۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ وصیتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ تشیع صرف ایک عقیدے کا نام نہیں، بلکہ ایک مکمل طرزِ زندگی ہے۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی اپنے فرامین میں اعمال کی پاکیزگی پر بے حد زور دیا ہے۔ آپ نے شراب نوشی، تمباکو، جوئے اور دیگر برائیوں سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ فرمان نمبر 43 میں ارشاد ہے: "دنیا میں شراب، بھنگ، افیون، یہ سب حرام ہیں۔" (کلام امام مبین فرمان 43 جِلد 1)۔ فرمان 582 میں آپ نے گوشت کم کھانے اور سبزیوں اور پھلوں کا استعمال زیادہ کرنے کی ہدایت فرمائی۔ (کلام امام مبین فرمان 582 جِلد 2)۔ یہ تمام فرامین اس لیے ہیں کہ مومن کا جسم، جو روح کا مسکن ہے، پاک و صاف رہے تاکہ روح روحانی ترقی کر سکے۔

دعائم الاسلام" میں ایک خوبصورت روایت ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: خدا اس بندے پر رحم کرے جس نے ہم کو لوگوں کے نزدیک محبوب و پسندیدہ بنایا، ان کے نزدیک مبغوض و غیر پسندیدہ نہیں بنایا۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کا کردار اتنا بلند اور اخلاق اتنا اعلیٰ ہونا چاہیے کہ اسے دیکھ کر لوگ اہل بیت اور ان کے دین سے محبت کرنے لگیں۔ اس کے برعکس جو شخص برے اعمال کرتا ہے، وہ اپنے امام اور اپنے مذہب کی بدنامی کا باعث بنتا ہے۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی اسی نکتے کو جدید دور کے تناظر میں بیان فرمایا ہے۔ آپ نے اپنے مریدوں کو، خاص طور پر جو بیرونِ ملک مقیم ہیں، یہ ہدایت کی کہ وہ جس ملک میں رہیں، اس کے قوانین کی پابندی کریں، وہاں کے لوگوں سے اچھے تعلقات رکھیں اور اپنے نیک کردار سے اسماعیلی مذہب کا نام روشن کریں۔ فرمان 215 میں آپ نے میسوپوٹیمیا اور پرشیا جانے والے مریدوں کو فرمایا: "تم وہاں جاؤ اور کاروبار شروع کرو... پاک صاف رہ کر فرشتے کی مثال بن کر رہو اور اپنے آپ کو ایسا سمجھو کہ تم حاضر امام کے نمائندے ہو۔"(کلام امام مبین فرمان 215 جِلد 2)۔

تقیہ کا اصول بھی "دعائم الاسلام" میں بیان ہوا ہے، جس کا مطلب یہ نہیں کہ اپنے عقیدے کو چھپایا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکمت اور دانائی سے کام لیا جائے اور غیروں کے سامنے ایسی باتیں نہ کی جائیں جنہیں وہ سمجھ نہ سکیں اور جو فتنہ و فساد کا باعث بنیں۔ امام جعفر الصادق علیہ السلام نے فرمایا: "ہمارے امر کو چھپانا اور غیر

مستحق سے اس کو محفوظ رکھنا بھی اہم عمل ہے۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ اصول جماعت کے اندرونی اتحاد کو برقرار رکھنے اور بیرونی فتنوں سے محفوظ رہنے کے لیے انتہائی اہم ہے۔

آخر میں اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ نجات کا راستہ صرف اور صرف امامِ وقت کے دامن سے وابستہ رہنے میں ہے ۔
"دعائم الاسلام" میں امام جعفر الصادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قیامت کے روز وہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن پکڑے ہوں گے اور ان کے شیعہ ان کا دامن پکڑے ہوں گے۔ (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ اسی طرح حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنے لاتعداد فرامین میں یہ بشارت دی ہے کہ جو مومن ان کے فرامین پر عمل کرے گا، وہ آخرت میں بھی ان کے حضور میں ہو گا۔ فرمان 451 میں ارشاد ہے: "ہماری دعاآسیں فرماتے ہیں۔ تم سب روحانی بچوں کو جاننا چاہیئے کہ ہماری نظر میں سب برابر ہیں۔" (کلام امام مبین فرمان 451 جِلد 2)۔

امامت کی عظمت اور اس کی دین میں مرکزیت کو سمجھنے کے لیے "دعائم الاسلام" میں بیان کردہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کی روایات کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ روایات نہ صرف عقائد کی بنیاد فراہم کرتی ہیں بلکہ مومن کی عملی زندگی کے لیے ایک واضح نقشہ راہ بھی متعین کرتی ہیں۔ جب ہم ان روایات کا قرآن حکیم اور امامِ زماں کے فرامین کے ساتھ تقابلی مطالعہ کرتے ہیں تو دین کا ایک ایسا مربوط اور مکمل نظام سامنے آتا ہے جس کا محور و مرکز امام کی ذاتِ گرامی ہے۔
دعائم الاسلام" میں ایک ایسی حدیث نقل کی گئی ہے جو علم اور اس کے حقیقی منبع کی نشاندہی کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میری امت میں سے ہر صاحبِ عقل پر یہ چار باتیں لازم اور واجب العمل ہیں: علم کا سننا، اس کو یاد رکھنا، اس پر عمل کرنا، اور اس کو پھیلانا۔" (دعائم الاسلام، کتاب العلم)۔ یہ حدیث علم کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ علم کہاں سے حاصل کیا جائے؟ اس کا جواب بھی "دعائم الاسلام" میں موجود ہے۔ جب امام باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کے پاس یہ علم کہاں سے آیا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ ہمیں اپنے آباء و اجداد سے، اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، اور رسول اللہ کو جبرئیل کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ملا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علم کا جو سلسلہ نبوت سے شروع ہوا تھا، وہ امامت کے ذریعے آج تک جاری ہے اور امامِ زماں ہی علمِ حقیقی کا سرچشمہ ہیں۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی اسی تسلسل پر زور دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ نوجوانوں کو چاہیے کہ

وہ اسماعیلی تاریخ کا مطالعہ کریں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ "مصر، ایران اور ہندوستان میں امامت کس طرح آئی؟" (کلام امام مبین فرمان 603 جِلد 2)۔ اس فرمان کا مقصد یہی ہے کہ مومن اس یعنی امامت کے غیر منقطع سلسلے کو سمجھے اور یہ جانے کہ اس کے دین کی بنیادیں کتنی مضبوط اور مستند ہیں۔

دعائم الاسلام" میں قیاس اور ذاتی رائے کو دین میں داخل کرنے کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ امام جعفر الصادق علیہ السلام کا ابو حنیفہ سے وہ مکالمہ، جس کا ذکر پہلے بھی آیا، اس کی بہترین مثال ہے۔ امام نے فرمایا: "اے نعمان! اللہ سے ڈرو اور قیاس نہ کرو۔ کیونکہ ہم اور تم اور ہمارے مخالفین دونوں قیامت کے روز اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے... ہم اس وقت یہ جواب دیں گے کہ اللہ اور اس کے رسول نے کہا ہے، اور تم اور تمہارے ساتھی یہ کہیں گے کہ ہم نے رائے اور قیاس کیا ہے۔" (دعائم الاسلام، کتاب العلم)۔ یہ روایت دین کے بنیادی اصول کو واضح کرتی ہے کہ ہدایت کا منبع وحیِ الٰہی اور فرمانِ امام ہے، نہ کہ انسانی عقل اور قیاس۔ انسانی عقل محدود ہے اور وہ ہر معاملے کی گہرائی کو نہیں سمجھ سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت امام آقا سلطان محمد علیہ السلام نے اپنے فرامین میں بارہا مومنین کو اپنی عقل دوڑانے سے منع فرمایا جہاں امام کا حکم موجود ہو۔ فرمان نمبر 158 میں ارشاد ہے: "مُرشد جو فرمان فرمائے، اس کو بغیر کسی بہانے کے تمہیں مان لینا چاہیئے۔ اس طرح کا فرمان کیوں ہوا؟ یہ تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں۔ ہم رات کہیں تو رات، دن کہیں تو دن، لیکن تمہیں امام کی عقل کے مطابق چلنا چاہیئے۔ انسان کی عقل کی جڑ بھی امام ہی کی عقل ہے۔ امام کے فرمان میں تمہیں اپنی عقل دوڑانے کی ضرورت نہیں۔"(کلام امام مبین فرمان158 جِلد 1)۔ کہ جب امام کا فرمان موجود ہو تو مومن کا کام صرف اور صرف اطاعت ہے۔

دعائم الاسلام" میں ایک اور نہایت اہم حدیث حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ چاپلوسی اور حسد مومن کا کردار نہیں، سوائے اس کے کہ وہ طلبِ علم کی راہ میں چاپلوسی اور حسد کرتا ہو۔" (دعائم الاسلام، کتاب العلم)۔ یہاں "چاپلوسی" سے مراد استاد (یعنی امام یا ان کے مقرر کردہ معلم) کے سامنے عاجزی اور انکساری اختیار کرنا ہے، اور "حسد" سے مراد رشک ہے، یعنی یہ خواہش کرنا کہ جیسا علم فلاں شخص کے پاس ہے، کاش میرے پاس بھی ہوتا۔ یہ روایت علمِ دین حاصل کرنے کے لیے مومن کے اندر پائے جانے والے شدید شوق اور لگن کی عکاسی کرتی ہے۔

یہ شوق اور لگن تبھی پیدا ہوتی ہے جب مومن کو یہ احساس ہو کہ اس کا امام علم کا سمندر ہے۔ حضرت امام آقا

سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنے فرامین کے ذریعے بارہا علم کے نئے دروازے کھولے ہیں۔ آپ نے نہ صرف روحانی معاملات پر رہنمائی فرمائی بلکہ صحت، تعلیم، معیشت، ہجرت اور سماجی بہبود جیسے دنیاوی معاملات میں بھی ایسے انقلابی فرامین ہیں۔ آپ کا فرمان نمبر 553 جو افریقہ کی معاشی ترقی کے لیے "دی ڈائمنڈ جوبلی انوسٹمنٹ ٹرسٹ" کے قیام کے متعلق ہے، اس کی ایک عظیم مثال ہے۔ آپ نے فرمایا: "یہ ٹرسٹ کمپنی لندن جیسے شہروں میں نظر آنے والی درمیانے درجے کی ٹرسٹ کمپنی جیسی نہیں۔۔۔ سرمایے کا بڑا حصہ اسماعیلیوں کی سماجی اور معاشی زندگی کی بالکل جدید طریقے سے منصوبہ بندی میں استعمال کیا جائے گا۔" (کلام امام مبین فرمان 553 جلد 2)۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ امامِ زماں کا علم صرف آخرت تک محدود نہیں، بلکہ وہ اپنی امت کی دنیاوی فلاح و بہبود کے لیے بھی ہر دور کے تقاضوں کے مطابق رہنمائی فرماتے ہیں۔

دعائم الاسلام" میں حقوق اور امانت کی ادائیگی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ امام جعفر الصادق علیہ السلام نے اپنے شیعوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: اور جو تم کو اپنی امانت سونپ جائے، اس کو ادا کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔۔۔ اور امانتوں کو برابر ادا کرو۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ امانت صرف مالی نہیں، بلکہ اس میں امام کی تعلیمات، ان کے فرامین اور جماعت کے راز بھی شامل ہیں۔ مومن کا فرض ہے کہ وہ ان تمام امانتوں کی حفاظت کرے۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی مالی معاملات میں دیانت داری کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے کو-آپریٹو سوسائٹیوں اور ٹرسٹ کمپنیوں کے ڈائریکٹروں اور کارکنوں کو بارہا متنبہ کیا کہ جماعت کا پیسہ امانت ہے اور اس کا غلط استعمال بہت بڑا گناہ ہے۔ فرمان نمبر 512 میں آپ نے فرمایا: "امام کے پیسوں کا غلط استعمال کرنا، یہ انتہائی بھیانک گناہ ہے۔۔۔ جو بھی اس سے لاپرواہی برتے گا، ان سے دوسری دنیا میں پوچھا جائے گا۔" (کلام امام مبین فرمان 512 جلد 2)۔ یہ تعلیم "دعائم الاسلام" کی روایت کی عملی تشریح ہے کہ مومن کو ہر قسم کی امانت میں دیانت دار ہونا چاہیے۔

دعائم الاسلام" کی ایک روایت میں امام جعفر الصادق علیہ السلام نے اپنے ایک شیعہ سے فرمایا: "ہمارے متعلق ایسی باتیں نہ کہو جو خود ہم اپنے بارے میں نہیں کہتے۔ اگر تم کہو گے تو ہمارے شیعہ نہ بن سکو گے۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ غلو کی تردید اور امام کے حقیقی مقام کو سمجھنے کی تاکید ہے۔ مومن کو چاہیے کہ وہ امام کی شان میں وہی الفاظ استعمال کرے جو خود امام نے اپنے لیے پسند فرمائے ہیں یا جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی اپنے فرامین میں اپنی حیثیت کو "روحانی باپ" اور "روحانی ماں

باپ" کے طور پر بیان کیا ہے۔ فرمان نمبر 517 میں آپ نے فرمایا: "ہم تمہارے روحانی ماں باپ ہیں۔" (کلام امام مبین فرمان 517 جِلد 2)۔ اور فرمان 364 میں فرمایا: "ہم تو تمہارے باپ اور ماں دونوں ہیں اور اتنے ہی پیار سے تمہیں چاہتے ہیں۔" (کلام امام مبین فرمان 364 جِلد 2)۔ یہ القابات امام اور جماعت کے درمیان محبت، شفقت اور رہنمائی کے گہرے رشتے کو ظاہر کرتے ہیں، اور غلو پر مبنی ان تمام تصورات کی نفی کرتے ہیں جو امام کو دائرہ بشریت سے خارج کر کے خدا کا درجہ دیتے ہیں۔

دعائم الاسلام" میں ایک نہایت اہم اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مومن کو دوسرے مومن کے لیے باعثِ رحمت ہونا چاہیے۔ امام باقر علیہ السلام نے اپنے شیعوں کو وصیت فرمائی کہ "ان میں جو مالدار ہیں وہ اپنے غریبوں اور محتاجوں کی دیکھ بھال کریں، جو تندرست ہو وہ بیمار کی مزاج پرسی کرے، اور ہر شخص میت کے جنازے میں شریک ہو۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ جماعتی بھائی چارے اور سماجی ذمہ داری کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس اصول کو جدید دور میں ادارہ جاتی شکل دی۔ آپ نے ہیلپنگ سوسائٹیاں، ویلفیئر سوسائٹیاں، اور صحت و تعلیم کے مراکز قائم کرنے کا حکم دیا۔ فرمان 557 میں آپ نے بیوہ عورتوں اور ان کے بچوں کی دیکھ بھال کے لیے ایک بڑی منظوری دی اور فرمایا: "اس کمیٹی کے ممبروں کو اپنی کونسلوں کے ماتحت دیہاتوں میں وقتاً فوقتاً دورہ کر کے ضرورت مند بیواؤں کی ہر طرح کی حالت کو چیک کرنا چاہیے۔"(کلام امام مبین فرمان 557 جِلد 2)۔ یہ سب دعائم الاسلام کی روایت کی بنیادی تعلیم کا عملی نفاذ ہے کہ جماعت ایک جسم کی مانند ہے اور اس کے ہر فرد کو دوسرے کا خیال رکھنا چاہیے۔

ایک اور اہم حدیث "دعائم الاسلام" میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو بغیر علم کے فتویٰ دے گا، اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت بھیجیں گے۔" (دعائم الاسلام، کتاب العلم)۔ یہ حدیث اس بات پر زور دیتی ہے کہ دین کے معاملات میں بات کرنے کا حق صرف اسے ہے جو اس کا اہل ہو، یعنی امام یا ان کے مقرر کردہ علماء و داعیان۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی جماعت میں "مشنریوں" کے کردار پر بہت زور دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مشنریوں کا کام صرف گنان سنانا نہیں، بلکہ انہیں "دین اور دنیا، دونوں معاملات سے باخبر رہنا" چاہیے۔ (کلام امام مبین فرمان 351 جِلد 2)۔ فرمان 582 میں آپ نے فرمایا کہ آنریری مشنریوں کو "امام کی روشنی ایک ہی ہے، ان کے روپ الگ الگ ہیں... اس کا جوہر سمجھنا چاہیئے۔"(کلام امام مبین فرمان 603 جِلد 2)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ

مبلغین اور مشنریوں کو دین کی گہری سمجھ ہونی چاہیے تاکہ وہ جماعت کی صحیح رہنمائی کر سکیں اور انہیں بے علم لوگوں کی گمراہیوں سے بچا سکیں۔

ان تمام احادیث اور فرامین کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دعائم الاسلام میں بیان کردہ دین کے اصول اور فرامین ایک ہی نورانی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں۔ دعائم الاسلام میں جن بنیادوں کو ائمہ طاہرین کی روایات سے قائم کیا، حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے انہیں اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق ایک جدید اور فعال شکل عطا کی۔ امامت کی مرکزیت، امام کی اطاعت کا وجوب، علم کی فضیلت، قیاس کی مذمت، حقوق العباد کی ادائیگی، اور جماعت کے اندر باہمی محبت و تعاون، یہ وہ سنہرے اصول ہیں جو کتابوں میں مشترک ہیں اور جو اسماعیلی عقیدے کی اساس ہیں۔ ان پر عمل پیرا ہو کر ہی ایک مومن دین و دنیا کی حقیقی فلاح حاصل کر سکتا ہے۔

امامت کے تصور کو سمجھنے کے لیے بیان کردہ مکالمات اور مناظرے بھی کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ مکالمات، جو ائمہ طاہرین علیہم السلام اور اس دور کے دیگر علماء و فقہاء کے درمیان ہوئے، نہ صرف اسماعیلی عقائد کی فکری برتری کو ثابت کرتے ہیں بلکہ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ دین کی حقیقی فہم کا راستہ قیاس اور ذاتی رائے سے نہیں، بلکہ امامِ حق کی تعلیمات سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس ضمن میں امام جعفر الصادق علیہ السلام اور قاضی ابن ابی لیلیٰ کا مکالمہ خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ جب امام نے ان سے پوچھا کہ جب کتاب اللہ اور سنتِ رسول میں کسی مسئلے کا حل نہ ملے تو تم کیا کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل پر عمل کرتا ہوں۔ امام نے مزید استفسار کیا کہ جب اصحاب میں ہی اختلاف ہو تو کس کی بات مانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ جس کی رائے مناسب سمجھتا ہوں، اسے لے لیتا ہوں۔ (دعائم الاسلام، کتاب العلم)

یہ جواب دراصل دین میں ذاتی رائے اور انتخاب کے اس دروازے کو کھولتا ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ امام جعفر الصادق علیہ السلام نے ان پر حجت تمام کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان نہیں سنا کہ "علی تم میں سب سے بڑے قاضی (فیصلہ کرنے والے) ہیں؟" جب ابن ابی لیلیٰ نے اس کا اقرار کیا تو امام نے فرمایا، "جب تم نے علی کے قول کی مخالفت کی تو کیا تم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت نہ کی؟" یہ سن کر ابن ابی لیلیٰ کا چہرہ زرد پڑ گیا اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا (دعائم الاسلام، کتاب العلم)۔ یہ مکالمہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود علم و قضا کا

ایک دروازہ (یعنی حضرت علی علیہ السلام) متعین فرما دیا تو پھر کسی اور کی رائے یا قیاس کی پیروی کرنا براہِ راست فرمانِ رسول کی مخالفت کے مترادف ہے۔

اسی طرح عمرو بن اذینہ کا کوفہ کے قاضی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کے ساتھ ہونے والا مکالمہ بھی نہایت بصیرت افروز ہے۔ عمرو بن اذینہ نے ان سے سوال کیا کہ آپ لوگ جو مختلف شہروں میں قاضی ہیں، ایک ہی مسئلے پر مختلف فیصلے کیوں دیتے ہیں؟ حالانکہ آپ کا خدا ایک، نبی ایک اور دین ایک ہے۔ کیا اللہ نے تمہیں اختلاف کا حکم دیا ہے یا اس سے روکا ہے؟ اس پر قاضی نے جواب دیا کہ جن مسائل کا حل کتاب و سنت میں ملتا ہے، ہم اس پر عمل کرتے ہیں، اور جہاں نہیں ملتا، وہاں اپنی رائے سے کام لیتے ہیں۔ عمرو بن اذینہ نے قرآن کی آیت "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ" (الانعام: 38) (ترجمہ: ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی) اور تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" (النحل: 89) (ترجمہ: ہر چیز کا واضح بیان) پیش کر کے ان کے نظریے کو رد کر دیا اور ثابت کیا کہ دین کامل ہے اور اس میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے، لیکن اس حل تک رسائی صرف اس کے پاس ہے جسے اللہ نے علم عطا کیا ہے، اور وہ ہستی ائمہ اہل بیت کی ہے۔ (دعائم الاسلام، کتاب العلم)

یہ مکالمات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ دین میں پیدا ہونے والے اختلافات اور فرقہ بندیوں کی بنیادی وجہ امامِ حق سے روگردانی اور ذاتی آراء کو دین پر ترجیح دینا ہے۔ حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی اپنے فرامین میں بارہا اس تفرقے اور گروہ بندی کی مذمت فرمائی ہے۔ فرمان نمبر 70 میں آپ نے جماعت کو فرمایا: پیغمبر کے کتنے اصحاب کی حالت تم جیسی تھی۔ عمرو العاص جو پیغمبر کی حیاتی میں مومن کی طرح خدمت کرتا تھا، بعد میں معاویہ کے دور میں، اس نے معاویہ سے دوستی کی اور حضرت مولا علی کا دشمن ہوا۔ تم میں عمرو العاص جیسے کتنے لوگ ہیں، وہ امام کے فرمان نہیں مانتے۔ پہلے زمانے میں معاویہ ہو گزرا، اس جیسے بھی ہیں۔ معاویہ کی بات ماننا، یہ حالت خراب ہے

دعائم الاسلام" میں جہاد کے ابواب میں بھی امامت کی مرکزیت واضح طور پر نظر آتی ہے۔ کتاب میں بیان کیا گیا ہے کہ جہاد کا حکم دینا اور لشکر کی قیادت کرنا امامِ وقت کا اختیار ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ امیرِ لشکر کو چاہیے کہ وہ جنگ سے پہلے لوگوں کو اسلام کی دعوت دے اور انہیں امامِ وقت کی اطاعت کی طرف بلائے (دعائم الاسلام، کتاب الجہاد)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاد کا مقصد بھی محض ملک فتح کرنا نہیں، بلکہ لوگوں کو امامِ حق کی ولایت کے سائے میں لانا ہے۔ یہ وہی تصور ہے جسے حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے جدید دور میں "روحانی جنگ" سے تعبیر فرمایا ہے۔ فرمان نمبر 219 میں آپ نے والینٹیئر کور کو "مولا کا لشکر" قرار دیا اور فرمایا کہ "تمہارا مذہب

روحانی ہے، جسمانی نہیں ہے۔" (کلام امام مبین فرمان 219 جِلد 2)۔ اس کا مطلب ہے کہ آج کے دور کا جہاد تلوار سے نہیں، بلکہ خدمت، علم، اتحاد اور نیک اعمال کے ذریعے شیطان اور نفسِ امارہ کے خلاف ہے۔

ولایتِ اہل بیت کا ایک اور اہم پہلو "صلوات" ہے۔ "دعائم الاسلام" میں بیان ہے کہ جب آیت "إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ..." (الاحزاب: 56) نازل ہوئی تو اصحاب نے پوچھا کہ ہم آپ پر صلوات کیسے بھیجیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہو: "اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ"۔ (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کے ساتھ اپنی آل کو بھی صلوات میں شامل کرنے کا حکم دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محمد اور آلِ محمد کا رشتہ اور مرتبہ لازم و ملزوم ہے۔ "آلِ محمد" سے کون مراد ہیں؟ اس کی وضاحت بھی ،"دعائم الاسلام" میں امام جعفر الصادق علیہ السلام کی روایت سے کی گئی ہے کہ اس سے اہل بیتِ رسول مراد ہیں

یہ نکتہ انتہائی اہم ہے کیونکہ یہ اسماعیلی عقیدے کی جامعیت اور وسعت کو ظاہر کرتا ہے۔ امامت کا دروازہ کسی خاص نسل یا قوم تک محدود نہیں، بلکہ ہر وہ شخص جو صدقِ دل سے امامِ زماں کی پیروی کرتا ہے، وہ اس روحانی خاندان کا حصہ بن جاتا ہے۔ حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے بھی اسی عالمی اخوت پر زور دیا ہے۔ فرمان نمبر 213 میں آپ نے فرمایا: "ایسا مت سمجھنا... کچھی، سندھی، کاٹھیاواری یا دوسرا کوئی مرید ہوتا ہے... سب اسماعیلی ہمارے فرزند ہیں یعنی تم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔"(کلام امام مبین فرمان 213 جِلد 2)۔

دعائم الاسلام" میں ایک اور دلچسپ روایت ہے جو امام کی روحانی طاقت اور ان کی موجودگی کے احساس سے متعلق ہے۔ امام جعفر الصادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں میں سے چند فرشتوں کو اس کام پر مقرر کر رکھا ہے کہ وہ ہمارے شیعوں کے گناہوں کو جھاڑتے رہیں جیسے پت جھڑ کے موسم میں درختوں سے پتے جھڑتے ہیں۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ ایک باطنی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جب مومن اپنے امام سے روحانی طور پر منسلک ہوتا ہے تو امام کی برکات اور رحمت ہر لمحہ اس کے شاملِ حال رہتی ہیں اور اس کی روحانی پاکیزگی کا سبب بنتی ہیں۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے اس روحانی تعلق کو جدید دور کی مثال سے سمجھایا ہے۔ فرمان نمبر 127 میں آپ نے فرمایا: "مومن کا دل ٹیلی فون کی طرح ہے۔ جس کے ایک سرے پر مرشد ہے اور دوسرے سرے پر مومن ہے۔ جب تم ہمیں یاد کرتے ہو، تب اُسی وقت تم ہمیں بھی یاد آتے ہو۔"(کلام امام مبین فرمان 127 جِلد 1)۔ یہ وہی باطنی رابطہ ہے جس کا ذکر "دعائم الاسلام" کی روایت میں کیا گیا ہے۔ یہ رابطہ مومن کو کبھی

تنہا نہیں چھوڑتا اور اسے ہر مشکل میں روحانی قوت فراہم کرتا ہے۔

علاوہ ازیں، "دعائم الاسلام" میں بیان کردہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا بھی امامت کے تسلسل پر ایک قوی دلیل ہے۔ آپ نے دعا فرمائی: "رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ" (البقرہ: 128)۔ ترجمہ: "اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی امت پیدا کر جو تیری فرمانبردار ہو۔" "دعائم الاسلام" میں امام باقر علیہ السلام اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ "امتِ مسلمہ" وہی ائمہ اہل بیت ہیں جن کا سلسلہ قیامت تک جاری رہنا تھا۔ (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ دعا اس بات کا ثبوت ہے کہ امامت کا منصوبہ ازل سے قائم تھا اور یہ محض کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنے فرامین میں اس ازلی منصوبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "ہمارا مکتب ازل سے ہے، اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔" (کلام امام مبین فرمان 320 جِلد 2)۔ اور فرمایا کہ "اپنا مکتب قدیم تاریخ سے ثابت ہے۔ یہ امام حاکم بامر اللہ علیہ السلام اور امام علی ذکرہ السلام کے زمانے میں تھا اور یہ وہی مذہب ہے۔" (کلام امام مبین فرمان 259, جِلد 2)۔ یہ فرامین اسماعیلی عقیدے کے اس تاریخی اور روحانی تسلسل کو بیان کرتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے شروع ہو کر، فاطمی خلفاء سے ہوتا ہوا، آج کے حاضر امام تک پہنچا ہے۔

آخر میں، "دعائم الاسلام" میں امام باقر علیہ السلام کی ایک روایت اس پوری بحث کا نچوڑ پیش کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا: "جنت آلِ محمد اور ان کے شیعوں کی مشتاق ہے۔" اور فرمایا کہ "اگر کوئی بندہ رکن اور مقامِ ابراہیم کے درمیان اتنی عبادت کرے کہ اس کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، درآں حالیکہ وہ ہم اہل بیت کی ولایت و محبت کے ساتھ خدا کے دین پر عمل نہ کرتا ہو، تو خدا اس کی عبادت قبول نہ کرے گا۔" (دعائم الاسلام، کتاب الولایہ)۔ یہ روایت دو ٹوک الفاظ میں یہ واضح کر دیتی ہے کہ تمام اعمال کی قبولیت، تمام عبادات کی روح اور جنت میں داخلے کی کنجی صرف اور صرف امامِ وقت کی ولایت اور محبت ہے۔ اس کے بغیر ہر عمل بے روح اور ہر عبادت بے معنی ہے۔

یہی وہ پیغام ہے جو حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے اپنے لاتعداد فرامین کے ذریعے اپنی جماعت کو پہنچایا۔ آپ نے بارہا فرمایا کہ "مومن کا دل امام کے رہنے کا بنگلہ ہے" (کلام امام مبین فرمان 158, جِلد 1) یہ تمام تعلیمات اس ایک مرکزی نقطے پر آ کر ملتی ہیں کہ مومن کی زندگی کا مقصد اپنے حاضر امام کی معرفت حاصل کرنا، ان کے عشق میں خود کو فنا کرنا، اور ان کے فرامین کی روشنی میں ایک ایسی پاکیزہ اور بامقصد زندگی گزارنا ہے جو اسے دنیا میں

روحانی سکون اور آخرت میں دیدارِ الٰہی کی لازوال نعمت سے سرفراز کرے۔ یہی دین کا جوہر ہے اور یہی امامت کا حقیقی پیغام ہے۔

روحانی رہنمائی اور باطنی تطہیر

امام کی رہنمائی کا جوہر روحانی اور باطنی ہے۔ ظاہری عبادات و رسومات اس وقت تک ناقص رہتی ہیں جب تک دل میں امام کی معرفت اور محبت نہ ہو۔ امام نے بارہا فرمایا کہ اصل دین کا تعلق رسم و رواج سے نہیں بلکہ دل کی صفائی، صداقت اور عشقِ حقیقی سے ہے:

> "ہمارا دین روحانی ہے، جسمانی نہیں۔"
> (کلام امام مبین فرمان 211, جِلد 2)

امام حسین علیہ السلام کے واقعے کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے واضح فرمایا کہ شمر جیسے لوگ بظاہر نمازی اور مسلمان تھے، مگر امام کی معرفت سے محروم تھے۔ آپ نے فرمایا

> "جن کو امام کی شناخت ہے، جو حاضر امام کو پہچانتا ہے، اسی کی عبادت قبول ہوگی۔"
> (کلام امام مبین فرمان 5, جِلد 1)

یہ معرفت ہی وہ کنجی ہے جو عبادت کے دروازے کھولتی ہے۔ جھوٹ، غیبت، حسد، اور کینہ جیسی باطنی بیماریاں روح کو زنگ آلود کر دیتی ہیں۔ امام نے ان سے اجتناب کی سخت تاکید فرمائی تاکہ مومنین روحانی ارتقاء کی منازل طے کر سکیں۔

دنیاوی رہنمائی: دین و دنیا کا توازن

امام کی رہنمائی صرف آخرت تک محدود نہیں، بلکہ وہ اپنے روحانی فرزندوں کی دنیاوی فلاح و بہبود کے لیے بھی یکساں

فکر مند رہتے ہیں۔ آپ کے فرامین میں تعلیم، صحت، معیشت، سماجی اصلاحات اور باہمی اتحاد پر خاص زور دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دین و دنیا کو ساتھ لے کر چلنا مومن کی اصل ذمہ داری ہے۔

تعلیم: آپ نے خاص طور پر لڑکیوں کی تعلیم پر زور دیا تاکہ وہ خود مختار اور آئندہ نسلوں کی عمدہ تربیت کر سکیں۔

معاشی ترقی: آپ نے کوآپریٹو سوسائٹیز، انشورنس کمپنیوں اور انویسٹمنٹ ٹرسٹ کے قیام کی ہدایت فرمائی تاکہ جماعت خودکفیل بنے۔

صحت: آپ نے متوازن غذا، کفایت شعاری اور صحت بخش زندگی اپنانے پر زور دیا۔

اتحاد: آپ نے حسد، بغض اور تفرقے سے دور رہنے اور باہمی محبت و تعاون سے رہنے کی تلقین فرمائی۔

یہ ہدایات اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ امام اپنے پیروکاروں کی ہمہ جہت ترقی چاہتے ہیں تاکہ وہ دنیا و آخرت، دونوں میں کامیاب و کامران ہوں۔

مومن اور مرشد کا رشتہ

امام اور مومن کا رشتہ محض ایک راہبر اور پیروکار کا نہیں، بلکہ محبت، عقیدت اور روحانی وابستگی کا رشتہ ہے۔ امام نے فرمایا:

"مومن کا دل امام کے رہنے کا بنگلہ ہے، اور وہ عشق پر قائم ہے۔"

(کلام امام مبین فرمان 158, جِلد 1)

اس رشتے کی بنیاد درج ذیل نکات پر قائم ہے۔

معرفت: امام کو صرف ظاہری وجود نہیں بلکہ مظہرِ نورِ الٰہی سمجھنا۔

اطاعت: امام کے ہر فرمان کو تسلیم کرنا، چاہے وہ عقل میں آئے یا نہ آئے، کیونکہ امام کی حکمت انسانی فہم سے بالاتر ہے۔

محبت: غیر مشروط عشق رکھنا، جیسا کہ آپ نے فرمایا۔

"تمہارا دین کتابوں سے شروع نہیں ہوا، بلکہ محبت سے نکلا ہے۔".

(کلام امام مبین فرمان 31 جِلد 1)

خدمت: جماعت اور امام کے اداروں کی خدمت کو سعادت سمجھنا۔.

روحانی سفر کا مقصد: فنا فی اللہ

امام کی رہنمائی کا آخری اور اعلیٰ مقصد مومن کی روح کو اس کے مبداءِ حقیقی، یعنی ذاتِ خداوندی سے ملانا ہے۔ اسے فنا فی اللہ کہا جاتا ہے۔ حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس فلسفے کو یوں بیان فرمایا

جس طرح بڑی ندی کا پانی سمندر میں جا گرتا ہے، اسی طرح انسان کی روح بھی نور کے سمندر میں جا پہنچتی ہے۔ روح بھی وہاں جانا چاہتی ہے۔ اُسے یہی امید رکھنی چاہیے کہ وہ اصل مقام پر پہنچے۔

(کلام امام مبین فرمان 49 جِلد 1)

یہی وہ معراج ہے جہاں روحانی رہنمائی اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔

صلاۃ :

اسلام کے ارکانِ خمسہ میں صلوٰۃ کو بنیادی ستون کی حیثیت حاصل ہے، جو بندے اور خدا کے درمیان رابطے کا سب سے مقدس اور براہِ راست ذریعہ ہے۔ شیعہ امامی اسماعیلی عقیدے میں صلوٰۃ کا یہ تصور "دعاء" کی صورت میں زندہ و جاوید ہے، جو محض ایک رسمی عبادت نہیں بلکہ وقت کے حاضر و موجود امام کے وسیلے سے خدا کی بارگاہ میں کی جانے والی ایک خالص اور روحانی مناجات ہے۔ اس عبادت کا ظاہری ڈھانچہ وقت، زبان اور حالات کے مطابق امامِ زماں علیہ السلام کے فرمان پر بدل سکتا ہے، لیکن اس کی باطنی روح یعنی خدا کی بندگی اور امام کی معرفت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنے مبارک فرامین میں دعاء کی فرضیت اور اس کے باطنی مفہوم پر بارہا روشنی ڈالی ہے۔ آپ نے فرمایا

> نماز اور دعا میں کوئی خاص فرق نہیں۔ نماز عربی زبان میں ہے اور دعا تمہیں پیر صدرالدین نے ہندوستان کی زبان میں دی ہے۔ نماز اور دعا، سب ایک ہیں۔
>
> (کلام امام مبین فرمان 33 جِلد 1)

یہ فرمان اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ عبادت کا اصل جوہر الفاظ سے زیادہ نیت، خلوص اور امامِ زماں علیہ السلام کی اطاعت میں پنہاں ہے۔ چونکہ خدا ہر زبان کو جانتا ہے، اس لیے یہ گمان کہ صرف عربی زبان میں کی گئی عبادت ہی قبول ہوتی ہے، ایک ناقص سوچ ہے۔ اصل اہمیت امام کی رہنمائی میں ادا کی جانے والی عبادت کو حاصل ہے۔

عبادت کی قبولیت اور معرفتِ امام

یہ بھی واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ کوئی بھی عبادت، خواہ وہ نماز ہو یا دعاء، اس وقت تک بارگاہِ الٰہی میں قبولیت نہیں پاتی جب تک ادا کرنے والا اپنے زمانے کے حاضر امام کی پہچان نہ رکھتا ہو۔ امام کی معرفت کے بغیر کی جانے والی بندگی ایک بے روح جسمانی مشقت بن جاتی ہے۔ امام نے فرمایا

> جو لوگ پیغمبر اور امام کو نہیں پہچانتے، تو ان کی نماز کام نہیں آتی۔ آج بھی جو نماز پڑھتے ہیں اور پیغمبر اور امام کو نہیں پہچانتے، ان کی نماز قبول نہیں ہوتی۔
>
> (کلام امام مبین فرمان 5 جِلد 1)

یہ فرمان اس بات پر زور دیتا ہے کہ دعاء کی فرضیت صرف الفاظ دہرانے میں نہیں، بلکہ حاضر و موجود امام کی روحانی قیادت کے تحت بندگی کرنے میں ہے۔

دعاء کا باطن: روحانی دیدار اور امام کا قرب

اسماعیلی تعلیمات کے مطابق، دعاء کا وقت مومن اور امام کے درمیان روحانی ملاقات کا لمحہ ہوتا ہے۔ یہ صرف عبادت نہیں بلکہ امام کا قرب حاصل کرنے اور ان کے روحانی دیدار کا ذریعہ ہے۔ امام نے فرمایا

تم جس وقت دعا پڑھتے ہو، اُس وقت ہم دیدار دیتے ہیں۔ اور ظاہر میں بھی تمہیں دیدار دیتے ہیں۔ تمہیں دیدار چاہیئے تو جماعت خانے جاؤ۔

(کلام امام مبین فرمان 23 جِلد 1)

اس فرمان کی روشنی میں دعاء محض ایک عبادت نہیں بلکہ ایک روحانی تجربہ ہے، جو مومن کے دل کو امام سے جوڑتا ہے اور ان کی رحمتوں سے فیضیاب کرتا ہے۔

دعاء کی ادائیگی: پابندی، لچک اور توازن

حضرت امام علیہ السلام نے دعاء کی فرضیت پر زور دیتے ہوئے اس کی بروقت ادائیگی کو مومن کی روحانی صحت کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ دنیاوی مصروفیات کے باوجود مومن کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ دعاء کے وقت کو ضائع نہ کرے۔ اگر کوئی مومن سفر میں ہو یا جماعت خانے نہ پہنچ سکے، تو جہاں بھی ہو وہ دعاء ادا کرے

دعا کا وقت ہو، تب تم ریل گاڑی میں سفر کر رہے ہو، یا دکان میں ہو یا کسی اور جگہ پر ہو، لیکن وقت پر وہیں پر دعا پڑھ لینا۔

(کلام امام مبین فرمان 152 جِلد 1)

مزید یہ کہ اگر کسی مومن کو دعاء یاد نہ ہو، تو امام نے فرمایا

اگر تمہیں دعا پڑھنا نہ آتی ہو تو یا علی یا محمد کے نام کی بارہ تسبیح نکال لینا۔ بارہ تسبیح بارہ سجدوں سے تمہاری دعا قبول ہو جاتی ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 96 جِلد 1)

یہ نرمی عبادت کی فرضیت کو ختم نہیں کرتی بلکہ دین میں آسانی اور توازن کو ظاہر کرتی ہے۔ امام، ایک روحانی باپ کی حیثیت سے، اپنے مریدوں کی دنیاوی مصروفیات کو سمجھتے ہوئے انہیں وہ طریقے عطا فرماتے ہیں جن سے وہ روحانی تعلق کو برقرار رکھ سکیں۔

اگر دعا ادا کرنے میں تردد ہو، وقت کے تقاضے یا دُنیاوی مشکل کی وجہ سے، تو اُس مخصوص دعا کے لمحات کو عبادت میں منتقل کرنے کے لیے حضرت **امام علیہ السلام** نے فرمان میں ایک بہت اہم اور آسانی بخش نکتہ ارشاد فرمایا۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے فرمایا:

تم جہاں پر بھی ہو، وہاں دعا کی ادائیگی کر لیا کرو۔ 'یا علی یا محمد' کے بارہ تسبیح سے دعا کا وقت پورا ہو جاتا ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 96 جِلد 1)

اس فرمان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی جائز عذر ہو تو اُس وقت کے لیے امام علیہ السلام کی بتائی ہوئی تسبیحات جو کچھ لمحات پر مشتمل ہوتی ہیں کے ذریعے وہ مخصوص وقت **عبادت کی حالت میں قبول** ہو جاتا ہے۔

الغرض، **دعا جو اپنی اصل فہم کے لحاظ سے لازم ہے**، اُس کی ادائیگی *فراغت* کے وقت میں *لازمی قرار* پاتی ہے۔

خلاصہ: دعاء بحیثیت روحانی ورزش

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام کے فرامین کی روشنی میں دعاء محض ایک رسم نہیں، بلکہ یہ ایک "روحانی ورزش" ہے، جو مومن کی روح کو طاقتور، دل کو مطمئن، اور ایمان کو تازہ رکھتی ہے۔ یہ معرفت سے شروع ہو کر عشقِ امام میں پختگی حاصل کرتی ہے، اور آخرکار روحانی دیدار کی کیفیت تک پہنچاتی ہے۔ مصروف ترین حالات میں بھی امام نے دعاء کو ترک کرنے کی اجازت نہیں دی، بلکہ تسبیح کے ذریعے اس تعلق کو زندہ رکھنے کا حکم دیا۔ یہی دینِ فطرت کا توازن اور امامِ زماں کی مہربانی ہے کہ وہ اپنے مرید کو کبھی بھی روحانی تعلق سے محروم نہیں رہنے دیتے۔

اسی طرح امام علیہ السلام نے دعا کی اہمیت کو عام نماز سے بڑھ کر قرار دیتے ہوئے، اس کی حکمت اور باطنی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے مزید فرمایا

جو دعا آپ نے پڑھی ہے، اس کا درجہ نماز سے بڑھ کر ہے۔ آپ نے سوچا ہوگا کہ جماعت دعا پڑھتی ہے اور ہم امام نہیں

پڑھتے۔ دراصل جو دعا آپ پڑھتے ہیں، وہ دعا ہم نہیں پڑھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ یا علی بولتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہو۔ وہ اللہ کا اسم میں ہوں، تو مجھے کیا فائدہ ملے؟

آغا خان دوم حضرت مولانا امام آقا علی شاہ علیہ السلام سرمایۂ آخرت فرمان نمبر 4

اسی طرح امام علیہ السلام نے دعا کی اہمیت کو عام نماز سے بڑھ کر قرار دیتے ہوئے مزید فرمایا

دُعا (یعنی صلَاۃ) میں تمام آئمہ علیہم السلام کے نام آتے ہیں، اس لیے اس دُعا کا درجہ عام صلَاۃ سے افضل ہے۔ جو شخص ایک دن کی دُعا (یعنی صلَاۃ) ادا نہیں کرتا، اُس کا گناہ ایک ہزار کنواری بیٹیوں سے زیادتی یعنی زنا کرنے کے برابر ہوتا ہے۔ اُس کا گناہ اتنا بڑا ہے۔

آغا خان دوم حضرت مولانا امام آقا علی شاہ علیہ السلام سرمایۂ آخرت فرمان نمبر 4

صلاۃ کے احکام و شرائط:

اسماعیلی عقیدے میں عبادت کا اصل دارومدار امامِ وقت کی معرفت اور شناخت پر ہے۔ بغیر پہچان کے محض ظاہری رسومات کی ادائیگی بے معنی ہے۔ واقعۂ کربلا اس کی سب سے بڑی مثال ہے، جہاں یزیدی لشکر نمازیں بھی پڑھتا تھا، مگر امامِ وقت کے خون کا پیاسا تھا۔

یہ فرمان عبادت کی قبولیت کے لیے "شناخت" کو بنیادی شرط قرار دیتا ہے۔ عبادت کا مقصد محض جسمانی مشقت نہیں بلکہ روح کی پاکیزگی اور امام سے باطنی تعلق کا قیام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام نے ظاہری پاکیزگی کے مقابلے میں باطنی طہارت پر زور دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا

دل کی طرح صاف ہو، اس کا تمہیں خیال نہیں۔ جس اعتقاد، ایمان اور خلوص سے تم آبِ شفا پیتے ہو، اسی سے دل صاف ہوتا ہے۔ اگر دل میں سچائی نہ ہو تو، صرف مٹی اور پانی کا نیاز پینے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

(کلامِ امام مبین فرمان 36 جلد 1)

پس، حقیقی صلاۃ وہی ہے جو سچے دل، پختہ ایمان اور حاضر امام کی شناخت کے ساتھ ادا کی جائے۔

مزید وضاحت کرتے ہوئے امام نے پیر صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کی مثال دی جنہوں نے قرآن کے باطنی مفاہیم کو مقامی زبان، یعنی گنان کی صورت میں پیش کیا تاکہ جماعت اسے سمجھ کر اس پر عمل کر سکے۔ ارشاد فرمایا

تم جو دُعا پڑھتے ہو، اُس میں اور نماز میں کوئی فرق نہیں ہے تمہیں جو گنان، پیر صدر دین نے مرتب کر کے دیئے ہیں، ان گنانوں میں، قرآن کا نچوڑ نکال کر، ہندوستان کی زبان میں بتایا ہے۔ قرآن میں جو ردو بدل (فرق) نظر آتا ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ، جو قرآن کا ترجمہ کرتے ہیں، وہ جھوٹا (غلط) ترجمہ کر کے، لوگوں کو بیوقوف بناتے ہیں۔ صحیح ترجمہ کرنا، نہیں جانتے، اسی وجہ سے یہ اختلاف (غلط فہمی) ہے

(کلام امام مبین فرمان 33 جِلد 1)

ان فرامین سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صلاۃ کی زبان اور اس کا ظاہری طریقہ اصل مقصد نہیں، بلکہ اس کی روح، فہم، اور اخلاص اصل ہیں۔ امامِ زماں علیہ السلام اپنی جماعت کی سہولت اور فہم کے مطابق جس زبان اور طریقے سے عبادت کا حکم دیں وہی صلاۃ کی حقیقی صورت ہے

جماعت کی اہمیت:

شیعہ امامیہ اسماعیلیہ عقیدے میں جماعت خانہ محض ایک عبادت گاہ نہیں، بلکہ ایک روحانی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، جو مومنین کو امامِ زماں علیہ السلام کے نور سے منسلک کرتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں جماعت اجتماعی طور پر ربِّ کائنات اور اس کے حاضر و ناظر مظہر، یعنی امام العصر علیہ السلام امامِ وقت علیہ السلام کے حضور سجدہ ریز ہوتی ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کے فرامین اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ جماعت خانے میں دعا کی باقاعدگی مومن کے ایمان کی بقا اور روحانی نشوونما کے لیے لازمی ہے۔ یہ صرف ایک رسم نہیں بلکہ ایک فریضہ ہے، جس کی ادائیگی روح کو تازگی اور ایمان کو استحکام عطا کرتی ہے۔

جماعت خانے کی مرکزیت کی اصل بنیاد یہ ہے کہ اسے "امام کا گھر" تصور کیا جاتا ہے۔ جیسے ایک خاندان اپنے سربراہ کے گھر میں جمع ہو کر سکون و رہنمائی حاصل کرتا ہے، ویسے ہی روحانی خاندان یعنی جماعت بھی امام کے گھر (جماعت خانے) میں جمع ہو کر روحانی فیض اور برکت حاصل کرتی ہے۔ اگرچہ انفرادی عبادت اپنی جگہ اہم ہے، مگر جماعت خانے میں اجتماعی دعا کی برکت سے ایک ایسی روحانی قوت پیدا ہوتی ہے جو انفرادی عبادت سے کئی گنا زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ یہ وہ اتحاد اور یکجہتی ہے جو جماعت کو بیرونی فتنوں اور اندرونی کمزوریوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

جماعت خانہ جماعت کا گھر ہے جہاں جماعت کی خدمت کی جائے اور امام کی خوشنودی حاصل کی جائے کئی فرامین میں وضاحت سے بیان ہوئی ہے۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے فرمایا

اب دریا کا مطلب کیا ہے؟ اور میٹھے پانی کا کیا مطلب ہے؟ تم برابر سمجھو اور یاد رکھو کہ، میٹھے پانی کا دریا، وہ *جماعت خانہ* ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 138 جِلد 1)

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے فرمایا

صبح شام جماعت خانے آتے ہو، خدمت کرتے ہو، ہم بہت خوش ہیں۔ تم جماعت ہمیشہ تعاون اور اتحاد و اتفاق سے کام لینا اور مل جل کر خدمت کرتے رہنا۔

(کلام امام مبین فرمان 316 جِلد 2)

حضرت امام نے باندرا جماعت کی صاف صفائی کرنے والی عورتوں کو فرمایا

"تم ہمارا جماعت خانہ صاف کرتی ہو یعنی کہ ہمارا باغیچہ صاف کرتی ہو۔ ہم تمہیں دعا فرماتے ہیں۔"

(کلام امام مبین فرمان 385 جلد 2)

فرامین سے واضح ہے کہ جماعت خانہ صرف عبادت کی جگہ نہیں بلکہ امام کی خوشنودی، جماعت کی خدمت، اتحاد و اتفاق، اور روحانی ترقی کا مقام ہے۔ یہ جماعت کا گھر ہے، جیسا کہ مچھلی اور میٹھے دریا کی مثال میں امام نے فرمایا ان فرامین کے مفہوم میں جماعت خانہ امام کا گھر کہلاتا ہے

حضرت امام علیہ السلام نے بارہا اس حقیقت کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ وہ روحانی طور پر ہمیشہ اپنی جماعت کے ساتھ موجود ہوتے ہیں، خصوصاً دعا کے اوقات میں۔ جماعت خانے میں باقاعدہ حاضری دینا امام کی اس روحانی موجودگی کو محسوس کرنے اور اس سے فیض حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ گویا ایک روحانی ملاقات ہے جو روزانہ مومن کو اپنے مرشد سے جوڑتی ہے۔ حضرت امام علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مومن کا دل ان کی رہائش گاہ ہے، اور جماعت خانہ اس اجتماعی دل کی علامت ہے جہاں امام کی رحمت و برکت کا نزول ہوتا ہے۔

دعا کی اس باقاعدگی کی اہمیت کو حضرت امامِ عالیمقام علیہ السلام کے ایک جلالت مآب فرمان سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے، جس میں انہوں نے جماعت خانے نہ آنے کو خود پر ظلم کے مترادف قرار دیا۔ ارشاد ہوتا ہے

> جو لوگ دعا پڑھنے کے لیے نہیں آتے، وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ جماعت خانہ دعا پڑھنے کے لیے ہے، اس لیے تم دعا پڑھنے کے لیے ہمیشہ آؤ۔
>
> (کلام امام مبین فرمان 56 جلد 1)

اس فرمان سے واضح ہوتا ہے کہ جماعت خانے سے دوری، درحقیقت، خود کو روحانی فیض سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔ یہ نہ صرف روحانی نقصان ہے بلکہ اپنی ہی روح کے ساتھ ناانصافی بھی ہے۔

روحانی ترقی کے لیے "عادت" کا کردار انتہائی اہم ہے۔ جیسے جسمانی ورزش چھوڑ دینے سے جسم کمزور ہو جاتا ہے، ویسے ہی عبادت کی عادت ترک کر دینے سے ایمان کمزور پڑ جاتا ہے۔ حضرت امام سلطان محمد علیہ السلام نے عبادت کی عادت پر بارہا زور دیا۔ جماعت خانے میں روزانہ حاضری کی عادت، ایمان کی جڑوں کو مضبوط کرنے والی روحانی آبیاری

ہے۔ اگر اس میں سستی ہو جائے تو شیطان کو وسوسے ڈالنے کا موقع ملتا ہے، اور انسان آہستہ آہستہ اپنے روحانی مرکز سے دور ہو جاتا ہے۔

اس کی طرف اشارہ ہمارے پیروں نے گنانوں میں بہترین انداز میں کیا ہے

اے بھائی! سانجی (دعا) کا وقت کبھی مت گنواؤ، مرشد کو ملنے کی یہی نشانی ہے یہ وقت تم کو دیا گیا ہے اور اسے دین کے اندر داخل ہونے کا دروازہ قرار دیا گیا ہے۔

انت اکھاڑو پاٹھ نمبر 252

اے بھائی! جو میرے مولا کے گھر (جماعت خانہ) پر نہیں آتے، وہ بندے بھوت پریت بنیں گے۔

گنان : بھائی تمے سُچل پھلو مورا بھائی

اے بھائی ! اُن کے دل میں ایسا ہے کہ مسجد میں جا کر اذان دے (مگر) رسول کے بغیر جو نماز پڑھتا ہے اُس وقت وہاں اندھیرا ہوگا۔

اے بھائی! جو کلمہ پڑھتا ہے اور دین کی باتیں کرتا ہے (مگر) دل میں مولا نہیں ہے ، جو پاک دل کے ساتھ کلمہ پڑھے گا وہ جنت میں پہنچے گا۔

انت اکھاڑو پاٹھ178 ، 179

امام نے عبادت کی عادت کو ایک ایسے باغ سے تشبیہ دی ہے جس کے پھل تبھی حاصل کیے جا سکتے ہیں جب اس کی مسلسل نگہداشت کی جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

اگر تم عادت نہیں ڈالو گے، تو یہ میوے تم نہیں کھا سکو گے۔ ایک مرتبہ برابر عادت پڑ جائے گی تو ایسی

اچھی عادت تمہارے ہاتھ سے نہیں جائے گی۔

(کلام امام مبین فرمان 83 جِلد 1)

یہ فرمان اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ روحانی فیض کا حصول استقامت اور باقاعدگی سے مشروط ہے۔ جماعت خانے کی حاضری کی پختہ عادت وہ راستہ ہے جو مومن کو روحانی بلندی تک پہنچاتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جماعت خانے میں باقاعدگی سے حاضری اور دعا کی ادائیگی، ایک اسماعیلی مومن کا نہ صرف بنیادی فریضہ ہے، بلکہ یہ عمل انفرادی ایمان کو مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ جماعت میں اتحاد، محبت، اور روحانی توانائی کو بھی فروغ دیتا ہے۔ یہ امامِ زماں علیہ السلام کے حکم کی عملی تعمیل ہے، ان کی روحانی موجودگی سے فیضیابی کا ذریعہ ہے، اور شیطانی وسوسوں سے اپنی روح کو محفوظ رکھنے کی ایک مضبوط فصیل ہے۔

پس، ہر مومن کے لیے لازم ہے کہ وہ اس فرض کو سعادت سمجھتے ہوئے ادا کرے، تاکہ دین و دنیا دونوں میں کامیابی حاصل کی جا سکے۔

جہاں جماعت خانے میں اجتماعی دعا کی ادائیگی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، وہیں مومنین کی حقیقی مشکلات اور مجبوریوں کے لیے بے پناہ رعایت اور شفقت بھی موجود ہے۔ مکتب اسماعیلی کوئی جامد اور غیر عملی ضابطہ نہیں، بلکہ ایک زندہ و متحرک حقیقت ہے جو ہر دور اور ہر حالت میں مومن کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سفر، بیماری یا کام کی نوعیت بعض اوقات مومن کو جماعت خانے میں حاضری سے روک سکتی ہے۔ ایسے حالات میں دعا کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا، بلکہ اس کی ادائیگی کے لیے مقام میں لچک دی جاتی ہے۔ حضرت امام علیہ السلام نے اس بارے میں واضح فرمایا ہے کہ اصل اہمیت دعا کی روح اور وقت پر ادائیگی کی ہے، نہ کہ صرف مقام کی۔ ارشادِ مبارک ہے:

تم اُس وقت راستے میں ہو یا جنگل میں ہو، تو بھی دُعا وقت پر پڑھ لینا۔

(کلام امام مبین فرمان 141 جِلد 1)

یہ فرمان اس بات کی روشن دلیل ہے کہ مومن کا اپنے امام علیہ السلام سے تعلق جسمانی فاصلے کا محتاج نہیں ہوتا۔ خواہ وہ سفر میں ہو، اپنی دکان پر ہو یا کسی ویران مقام پر، اگر اس کا دل اپنے مرشد کی یاد سے جڑا ہے تو وہی جگہ اس

کے لیے جائے نماز بن جاتی ہے۔ اس روحانی تعلق کی گہرائی کو حضرت امام علیہ السلام نے "ٹیلی فون" کی مثال سے بھی واضح فرمایا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن اور مرشد کے درمیان رشتہ ہر لمحہ قائم اور زندہ رہتا ہے۔ پس اصل تقاضا دل کی یاد، خلوصِ نیت اور بندگی کا ہے، اور جب نیت خالص ہو تو دنیا کا ہر مقام مومن کے لیے مقامِ قبولیت بن سکتا ہے۔

شادی کے احکامات

نکاح، دینِ اسلام کا وہ بنیادی ستون ہے جسے محض ایک سماجی معاہدہ نہیں بلکہ نصف ایمان کا درجہ دیا گیا ہے۔ یہ وہ مقدس رشتہ ہے جو نسلِ انسانی کی بقا، معاشرتی پاکیزگی اور روحانی سکون کا ضامن ہے۔ قرآنِ کریم نے بارہا پاکیزہ ازدواجی زندگی گزارنے کی تلقین فرمائی ہے۔ شیعہ امامی اسماعیلی طریقت میں نکاح کا تصور مزید گہرائی اور وسعت کا حامل ہے، کیونکہ یہاں ہر عمل کی روح امامِ زماں کی رضا اور ان کے فرمان کی اطاعت میں مضمر ہے۔ زمانے کے امام، شریعت، طریقت اور حقیقت کے تمام پہلوؤں کو مدِنظر رکھتے ہوئے، اپنی روحانی اولاد کی دینی و دنیاوی فلاح کے لیے ایسے اصول و ضوابط عطا فرماتے ہیں جو ہر دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں۔ آیئے، قرآنِ کریم کی روشنی اور ائمہ طاہرین علیہم السلام ، بالخصوص حضرت امام شاہ حسن علی شاہ علیہ السلام ، حضرت امام شاہ علی شاہ علیہ السلام ، اور حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کے فرامین کی روشنی میں نکاح کے مختلف پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لیں۔

نکاح کی شرائط:

امامِ علیہ السلام کے فرامین کے مطابق ایک کامیاب اور بابرکت ازدواجی زندگی کے لیے چند بنیادی شرائط کا پورا ہونا لازمی ہے، جو محض قانونی نہیں بلکہ روحانی اور عملی نوعیت کی بھی ہیں۔

عمر کی مناسبت اور جلد شادی کی تاکید

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بارہا اس بات پر زور دیا کہ عمرِ لائق ہونے پر بچوں کی شادی میں تاخیر نہ

کی جائے۔ آپ کے نزدیک یہ ایک گناہِ عظیم ہے جو معاشرتی بگاڑ کا سبب بنتا ہے اور جماعت کی روحانی و جسمانی افزائش میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ ایک فرمان میں ارشاد ہوتا ہے

لڑکیاں تمہارے ہاتھ میں گنہگار کی طرح قیدی نہیں ، کہ تم اس سے مزدوری کراتے ہو۔ فائدے کی بات تو یہ ہے کہ ، لڑکیاں سسرال جائیں ، انکی اولاد بڑھے اور وہ اولاد مومن ہے۔ اس طرح سے چلو تو برکت ہو۔

(کلام امام مبین فرمان 76 جِلد 1)

آپ نے لڑکے کی شادی کے لیے بیس سے بائیس سال اور لڑکی کے لیے سترہ سے بیس سال کی عمر کو مناسب قرار دیا تاکہ وہ جسمانی اور ذہنی طور پر ایک ذمہ دارانہ زندگی شروع کرنے کے قابل ہوں۔

تعلیم و ہنر کی تکمیل

آج کے دور کے تقاضوں کے مطابق، امامِ عالیمقام نے تعلیم کی اہمیت پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، بالخصوص لڑکیوں کی تعلیم پر۔ آپ کا فرمان تھا کہ پڑھی لکھی اور ہنرمند لڑکی نہ صرف ایک اچھی بیوی اور ماں ثابت ہوتی ہے بلکہ مشکل وقت میں اپنے خاندان کا سہارا بھی بن سکتی ہے۔ تعلیم کا مقصد محض نوکری کرنا نہیں بلکہ شعور اور بصیرت حاصل کرنا ہے۔

تو گویا ایک اچھی تعلیم، جو آج کے معاشرے کے تحت لازم ہے، اُس کے مکمل ہونے کے بعد یہ امر لازم قرار پاتا ہے۔

آپ نے فرمایا

لڑکا تو کہیں بھی جاکر کاروبار کر سکتا ہے، لیکن لڑکیاں کہاں جائیں گی ؟ اس لیے لڑکیوں کو سکھانے کی تعلیم دینے کی انتہائی ضرورت ہے

(کلام امام مبین فرمان 184 جِلد 2)

لہذا، یہ ایک اہم شرط ہے کہ شادی سے قبل لڑکے اور لڑکیاں اپنی بنیادی تعلیم اور کوئی ہنر ضرور حاصل کریں تاکہ ایک مستحکم اور خوشحال زندگی کی بنیاد رکھ سکیں۔

تو اُس میں اس بتائی گئی عمرِ مدّت سے کچھ عمر بڑھ جائے، جس میں بنیادی یا چیلنجنگ تعلیم لازمی ہوتی ہو، تو کوئی تضاد مضائقہ نہیں۔

دینی مطابقت اور جماعت کے اندر رشتہ

اسماعیلی طریقت میں یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ رشتہ اپنی جماعت کے اندر ہی کیا جائے۔ امامِ عالیمقام علیہ السلام

نے دوسرے فرقوں، بالخصوص اثنا عشریوں، کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

:اس کی وجہ عقائد کا وہ بنیادی فرق ہے جو امامتِ حاضرہ پر مبنی ہے۔ فرمانِ مبارک ہے

ہمارا دین اسماعیلی ہے اور تمہارا دین بھی اسماعیلی ہے۔ جو اسماعیلی نہیں ، انکو بیٹی دینا یا انکی بیٹی لینا ٹھیک نہیں انکو بیٹی دینا یا انکی بیٹی لینا خراب ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 58 جِلد 1)

البتہ، آپ نے جماعت کے اندر موجود مختلف گروہوں (کچھی، کاٹھیاواڑی، سندھی، پنجابی وغیرہ) کے مابین رشتوں کی بھرپور حوصلہ افزائی کی تاکہ جماعت میں اتحاد، یگانگت اور محبت کو فروغ ملے۔

سادگی اور فضول خرچی سے پرہیز

امامِ زماں علیہ السلام نے شادی بیاہ کے موقع پر ہونے والی فضول خرچی اور دکھاوے کی رسومات کو سختی سے ناپسند فرمایا۔ آپ کے نزدیک نکاح ایک مقدس فریضہ ہے، اسے دولت کی نمائش کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔ آپ نے واضح طور پر حکم دیا کہ صرف نکاح کی رسم ادا کی جائے اور باقی تمام غیر ضروری اخراجات، جہیز کے لین دین اور لمبے چوڑے کھانوں کو ترک کر دیا جائے۔ اس ہدایت کا مقصد غریب اور امیر کے فرق کو مٹانا اور شادی کو ہر ایک کے لیے آسان بنانا ہے۔

نکاح کی اقسام:

فرامینِ مبارکہ میں نکاح کی قانونی اقسام (مثلاً متعہ وغیرہ) کا ذکر نہیں ملتا، کیونکہ شیعہ امامی اسماعیلیہ اعتقاد میں دائمی نکاح ہی واحد جائز اور مستحکم رشتہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ البتہ، نیت اور مقصد کے اعتبار سے نکاح کی دو روحانی قسمیں بیان کی جا سکتی ہیں:

دعائم الاسلام" جو کہ فاطمی اسماعیلی قاضی **سیدنا قاضی نعمان** قدس اللہ سرہ کی مشہور کتاب ہے، اس میں نکاحِ متعہ (عارضی نکاح) کی واضح **ممانعت** آئی ہے۔

دعائم الاسلام میں نکاحِ متعہ کی ممانعت

قاضی نعمان قدس اللہ سرہ روایت نقل کرتے ہیں۔

ولا يحلّ نكاح المتعة، لأنّه نكاح لا يشترط فيه دوام، وقد أبطله أئمّتنا عليهم السلام، و نهوا عنه، وأمروا بوليمة النكاح الدائم."

(دعائم الاسلام، جلد 2، باب النكاح)

ترجمہ:

نکاحِ متعہ حلال نہیں، کیونکہ وہ نکاح ہے جس میں دوام (ہمیشہ کے لیے رہنا) شرط نہیں۔ ہمارے آئمہ علیہم السلام نے اسے باطل قرار دیا ہے، اس سے منع فرمایا ہے، اور ہمیشہ رہنے والے نکاح کا حکم دیا ہے۔

روحانی نکاح: یہ وہ نکاح ہے جس کی بنیاد محبت، باہمی احترام، دینی ہم آہنگی اور امامِ زماں کی خوشنودی پر ہو۔ ایسا رشتہ محض دنیاوی ضرورتوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ میاں بیوی ایک دوسرے کے روحانی سفر میں بھی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ وہ مل کر عبادت کرتے ہیں، اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کرتے ہیں اور ایک ایسا گھرانہ تشکیل دیتے ہیں جو جماعت کے لیے باعثِ فخر ہو۔ یہی وہ نکاح ہے جس کی اسلام اور امامِ وقت نے تلقین فرمائی ہے۔

جسمانی یا دنیاوی نکاح: یہ وہ نکاح ہے جس کی بنیاد محض دولت، خوبصورتی، سماجی حیثیت یا رسم و رواج کی پابندی پر ہو۔ ایسے رشتے میں روحانیت کا عنصر مفقود ہوتا ہے اور یہ اکثر ناچاقیوں، حسد اور باہمی حقوق کی پامالی پر منتج ہوتا ہے۔ امامِ عالیمقام نے ایسے رشتوں سے خبردار کیا ہے جو صرف دنیاوی مفادات کے لیے قائم کیے جائیں، کیونکہ ایسے رشتے روح کو سکون دینے کی بجائے مزید الجھنوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

شادی کے فضائل:

قرآن و حدیث اور فرامینِ ائمہ علیہم السلام میں شادی کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں، جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں

نصف ایمان کی تکمیل: نکاح انسان کو نفسانی خواہشات کے گناہوں سے بچا کر اس کے ایمان کو مکمل کرتا ہے۔

روحانی سکون: قرآن فرماتا ہے، "اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو" (سورۃ الروم: 21)۔ نیک جیون ساتھی دنیا میں اللہ کی عظیم نعمت اور روحانی سکون کا باعث ہے۔

جماعت کی افزائش: صالح اولاد کی پیدائش اور ان کی دینی تربیت کرنا ایک عظیم عبادت اور جماعتی خدمت ہے۔ امام نے فرمایا کہ ایک مومن بچے کا دنیا میں آنا کروڑوں روپے کی دولت سے بڑھ کر ہے۔

برکت کا ذریعہ: جب دو افراد نکاح کے ذریعے ایک حلال رشتہ قائم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے رزق اور زندگی میں برکت عطا فرماتا ہے۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کا فرمان ہے

لڑکا اور لڑکی شادی سے پہلے اپنے والدین کے گھر میں الگ الگ کھانا کھاتے ہیں اور شادی کرنے کے بعد اکٹھے کھاتے ہیں، تو اس طرح سے خرچ زیادہ نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح ساتھ رہنے سے خداوند تعالیٰ انکے رزق میں برکت دیتے ہیں اور انکو بہت فائدہ ہوتا ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 511 جِلد 2)

میاں بیوی کے حقوق

اسلام ایک متوازن دین ہے اور اس نے میاں بیوی دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق لازم کیے ہیں تاکہ گھر کا نظام محبت اور انصاف کے ساتھ چل سکے۔

شوہر کے فرائض: شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کے نان نفقہ (کھانا، کپڑا، رہائش) کا ذمہ دار ہو۔ اس کے ساتھ عزت و احترام اور محبت سے پیش آئے۔ **امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ عورت کو کبھی نہیں مارنا چاہیئے، اگر قصور کرے تب بھی نہیں مارنا چاہیئے۔ معصوم کو مارنا بہت خراب ہے۔ عورت کا اچھی طرح خیال رکھنا چاہیئے۔ زبان سے خراب الفاظ بھی کہنا خراب ہے۔۔**

(کلام امام مبین فرمان 266 جِلد 2)

بیوی کے فرائض: بیوی پر اپنے شوہر کی اطاعت لازم ہے۔ گھر کے کام کاج، بچوں کی پرورش اور شوہر کے مال کی حفاظت اس کی ذمہ داری ہے۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا

عورتوں کو اپنے خاوند کی دل و جان سے خدمت کرنی چاہیئے۔ مردوں کا بھی فرض ہے کہ اپنی بیوی بچوں کو ہمیشہ سنبھالیں۔ اپنی بیوی کو کبھی تکلیف نہ دے۔

(کلام امام مبین فرمان 132 جِلد 1)

بیوی کو چاہیے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے اور اس کی عزت و آبرو کا خیال رکھے۔

طلاق کے احکامات

اسلام میں طلاق کو اگرچہ جائز قرار دیا گیا ہے، لیکن اسے ایک انتہائی ناپسندیدہ عمل سمجھا جاتا ہے۔ امامِ زماں علیہ السلام نے طلاق کے معاملات کو انتہائی احتیاط اور انصاف کے ساتھ حل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

صلح کی کوشش: اگر میاں بیوی میں ناچاقی پیدا ہو جائے تو پہلا قدم طلاق نہیں بلکہ صلح اور سمجھوتہ ہونا چاہیے۔ خاندان کے بزرگوں اور جماعت کے عملداروں کو چاہیے کہ دونوں کے درمیان صلح کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

کونسل کا کردار: امامِ عالیمقام علیہ السلام نے حکم فرمایا ہے کہ طلاق جیسے سنگین معاملات کو عدالتوں میں لے جانے کی بجائے جماعت کی مقرر کردہ کونسل کے ذریعے حل کیا جائے۔ کونسل کا فرض ہے کہ وہ فریقین کی بات سنے اور بغیر کسی طرفداری کے، آئین کے مطابق جلد از جلد فیصلہ کرے۔

مہر کی ادائیگی: طلاق کی صورت میں شوہر پر حق مہر کی فوری ادائیگی لازم ہے۔ امام کے فرمان کے مطابق حق مہر کی معقول رقم عورت کو اس مشکل وقت میں مالی تحفظ فراہم کرتی ہے۔

عدت اور دوسری شادی: طلاق یا شوہر کے انتقال کے بعد عورت کے لیے عدت کا عرصہ گزارنا لازم ہے۔ عدت پوری ہونے کے بعد، خاص طور پر جوان بیوہ اور طلاق یافتہ خواتین کو، دوسری شادی کر لینی چاہیے۔ اس میں تاخیر کرنا یا اسے معیوب سمجھنا اسلامی تعلیمات اور امام کے فرمان کے خلاف ہے۔

روزہ

صوم یعنی روزہ، اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے، جس کی فرضیت کا حکم قرآنِ کریم میں واضح طور پر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ" (سورۃ البقرۃ: 183)۔ یہ آیت روزہ کے دو بنیادی مقاصد کو بیان کرتی ہے ایک یہ الٰہی حکم ہے جس کی پیروی لازم ہے؛ دوسرا، اس کا حقیقی مقصد تقویٰ یعنی پرہیزگاری اور نفس پر قابو پانا ہے۔ جہاں عام طور پر روزہ سے مراد طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور دیگر جسمانی خواہشات سے پرہیز کرنا لیا جاتا ہے، وہیں شیعہ امامی اسماعیلی طریقت میں اس کا مفہوم کہیں زیادہ گہرا، وسیع اور باطنی ہے۔ زمانے کے امام علیہ السلام کی رہنمائی میں روزہ محض ایک وقتی جسمانی مشقت نہیں رہتا، بلکہ یہ روح کی دائمی پاکیزگی اور تزکیۂ نفس کا ایک مسلسل عمل بن جاتا ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام اور ان کے پیشرو ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین کی روشنی میں ہم روزہ کی فرضیت، اس کی اقسام اور اس سے متعلقہ مسائل کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

روزہ کی فرضیت

روزہ کی فرضیت قرآنِ کریم سے ثابت ہے اور تمام مسلمان اس پر متفق ہیں۔ تاہم، اس فرض کی ادائیگی کا طریقہ اور اس کی روح کی تفہیم ہر دور میں امامِ وقت کی ہدایت کے تابع رہی ہے۔ اسماعیلی عقیدے کے مطابق، عبادت کی ظاہری شکل بدل سکتی ہے، لیکن اس کی باطنی روح، جو کہ اللہ کی اطاعت اور امام کی معرفت ہے، ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

حضرت امام شاہ علی شاہ علیہ السلام نے اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے ظاہر اور باطن کے فرق کو واضح فرمایا۔ آپ نے نماز اور روزہ جیسی عبادات کو "ظاہر کی بندگی" قرار دیا، جس کا مقصد روح کو حقیقت کی طرف مائل کرنا ہے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے

نماز اور روزہ یہ ظاہر کی بندگی ہے، کہ جس سے خدا کے ساتھ واصل نہیں ہوا جاسکتا... اگر مولا کی شناخت نہیں ہوگی تو روزہ ، نماز ، بندگی کسی کام نہیں آئیں گے، مگر جس کے دل میں مولا کی محبت ہے، وہ روز قیامت بہشت میں جائے گا۔

اس فرمان سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ روزہ کی فرضیت کا اصل مقصد امامِ زماں علیہ السلام کی پہچان اور اس کی محبت کے ساتھ اپنے نفس کو گناہوں سے پاک رکھنا ہے۔ اگر یہ باطنی مقصد حاصل نہ ہو تو محض بھوکا پیاسا رہنا روح کے لیے فائدہ مند نہیں۔ امام کی شناخت اور اطاعت کے بغیر ادا کی جانے والی کوئی بھی عبادت، خواہ وہ روزہ ہو یا نماز، اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ نہیں پاتی۔ لہٰذا، ایک اسماعیلی مومن کے لیے روزہ کی فرضیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ امام کے فرمان کے مطابق اپنی زندگی کو تقویٰ اور پرہیزگاری کے سانچے میں ڈھالے۔

روزہ کے اقسام :

اسماعیلی تعلیمات کی روشنی میں روزہ کی دو بنیادی اقسام ہیں: ایک ظاہری روزہ اور دوسرا باطنی یا حقیقی روزہ۔

ظاہری روزہ (جسمانی پرہیز)

یہ روزہ کا وہ پہلو ہے جس سے عموماً تمام مسلمان واقف ہیں۔ اس میں دن کے ایک مخصوص حصے میں کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ یہ عمل اپنی ذات میں خود پر قابو پانے، صبر اور غریبوں کی بھوک کا احساس پیدا کرنے کی ایک بہترین مشق ہے۔ تاہم، طریقت میں اسے منزل نہیں بلکہ منزل کی طرف پہلا قدم سمجھا جاتا ہے۔ یہ جسم کی ریاضت ہے تاکہ روح باطنی روزے کے لیے تیار ہو سکے۔

باطنی یا حقیقی روزہ (روحانی پرہیز)

یہ روزہ کا وہ اعلیٰ اور حقیقی درجہ ہے جس پر امام علیہ السلام نے سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ یہ روزہ کسی ایک مہینے تک محدود نہیں، بلکہ یہ سال کے 365 دن اور پوری زندگی پر محیط ہے۔ یہ محض پیٹ کا روزہ نہیں، بلکہ روح، آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں اور خیالات کا روزہ ہے۔ اس روزے کا مطلب تمام گناہوں، برے اعمال اور منفی خیالات سے مکمل پرہیز کرنا ہے۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس حقیقی روزہ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے:

حقیقی مومن صرف رمضان کے مہینے میں ہی روزے نہیں رکھتا، انکے لئے تو تین سو ساٹھ (۳۶۰) دن، ہمیشہ روزے ہوتے ہیں۔ تین سو ساٹھ دنوں میں ایک بھی بد کام نہ ہو، وہ روزہ ہے۔ کسی کو تکلیف نہ پہنچانا، یہ روزہ ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 79 جِلد 1)

اسلامی کیلنڈر میں سال کے دن عام طور پر 354 یا 355 ہوتے ہیں، نہ کہ 365
ایک علامتی و مکمل عدد کے طور پر ہے، جیسا کہ دائرہ 360 درجے کا ہوتا ہے۔
امام علیہ السلام کا 360 دن فرمانا حکیمانہ اندازِ بیان ہے

اس باطنی روزے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ پورے سال کا فریضہ ہے
پورے سال کے تین سو ساٹھ روزے تم حقیقیوں پر لازم ہیں۔ وہ روزے یہ ہیں : (ا) جھوٹ نہ بولنا۔ (۲) دغا بازی نہیں کرنا۔ (۳) کسی کی غیبت نہیں کرنا۔

(کلام امام مبین فرمان 142 جِلد 1)

اس حقیقی روزے میں انسان کا ہر عضو گناہ سے پرہیز کرتا ہے۔ زبان جھوٹ، غیبت اور سخت کلامی سے روزہ رکھتی ہے۔ آنکھیں بدنظری اور غیر کی چیز پر لالچ کرنے سے روزہ رکھتی ہیں۔ کان غیبت سننے اور لغو باتوں سے روزہ رکھتے ہیں۔ ہاتھ ظلم کرنے اور حرام مال لینے سے روزہ رکھتے ہیں اور پاؤں برائی کے راستے پر چلنے سے روزہ رکھتے ہیں۔ یہ وہ دائمی روزہ ہے جو مومن کی روح کو پاک کرتا ہے اور اسے اللہ کے قرب کے لائق بناتا ہے۔

جس طرح امام حسنؑ علی ذکرہ السلام صلواتُ اللہ علیہ نے اپنے امامت کے عہد میں قائمُ القیامہ کا انعقاد کر کے عیدِ قیامت کا جشن منوا کر ظاہری شریعت کو رفع کروایا اور روزوں کو باطنی عمل قرار دینے کا فرمایا کہ اب تم پر ظاہری شریعت معطل ہے—اس حوالے سے امامِ زمانؑ علیہ السلام کا اختیار ہے کہ وہ کس زمانے میں، وقت کے لحاظ سے، ان عقائد کی رہنمائی فرمائیں۔ مکمل اس ضمن میں کتاب نورِ مبین باب پنجم "**الموت اور امامت**" فصل چہارم "امام حسنؑ علی ذکرہ السلام کے دورِ عہد" صفحہ نمبر 390 تا 404 پڑھ سکتے ہیں

روزہ کے مسائل:

اسماعیلی طریقت میں روزہ سے متعلق مسائل کا تعلق بھی اس کے باطنی پہلو سے ہے۔ یہاں چند اہم مسائل پر فرامین کی روشنی میں غور کیا جاتا ہے

نیت اور پہچان کی شرط

کسی بھی قسم کے روزے کی قبولیت کے لیے نیت کا خالص ہونا اور امامِ وقت کی پہچان لازمی ہے۔ اگر کوئی شخص امامِ زماں کو پہچانے بغیر یا اس کے دل میں شک رکھ کر محض دکھاوے کے لیے روزہ رکھتا ہے تو اس کی یہ مشقت بے کار ہے۔ کربلا میں یزید کے لشکر کے روزے اور نمازیں اس لیے مردود تھیں کہ وہ امامِ وقت کے منکر اور دشمن تھے۔ امام علیہ السلام کا فرمان ہے کہ عبادت کی قبولیت کا دارومدار صرف اور صرف امام کی معرفت پر ہے۔

ظاہری روزہ بمقابلہ باطنی روزہ

اگر ایک شخص ظاہری روزہ رکھے لیکن جھوٹ، فریب اور غیبت جیسے گناہوں میں مبتلا رہے تو اس کا روزہ بے روح اور بے معنی ہے۔ اس کے برعکس، ایک حقیقی مومن جو شاید کسی عذر (بیماری، سفر) کی وجہ سے ظاہری روزہ نہ رکھ پائے، لیکن وہ اپنی پوری زندگی جھوٹ، ظلم اور ہر قسم کے گناہ سے پرہیز کرتا ہے، تو وہ درحقیقت دائمی روزے کی حالت میں ہے۔ حضرت امام شاہ علی شاہ علیہ السلام کے فرمان سے یہ واضح ہے کہ حقیقی مقصد "واصل باللہ" ہونا ہے، اور یہ صرف ظاہری اعمال سے ممکن نہیں۔

البتہ یہ بھی وضاحت ہے کہ **باطنی روزہ** رکھ لینا اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ اگر کوئی شخص **بغیر عذر کے** ظاہری روزے کو ترک کرے، مگر **باطنی روزے** پر عمل کرے، تو اُس کا روزہ **روزے کی اصل رُوح** کے مطابق درست شمار ہوتا ہے۔

روزہ اور صحت کا تعلق

امام علیہ السلام نے صحت اور خوراک کے حوالے سے بھی تفصیلی ہدایات فرمائی ہیں، جو روزہ کے فلسفے سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ روزہ کا ایک مقصد جسم کو فاسد مادوں سے پاک کرنا اور صحت کو بہتر بنانا ہے۔ امام علیہ السلام نے ہمیشہ سادہ، متوازن اور قوت بخش غذا کھانے کی تاکید فرمائی اور مرچ مصالحے، چکنائی والی اور نقصان دہ اشیاء سے پرہیز کا حکم دیا۔ یہ ہدایات بھی دراصل ایک طرح کی دائمی پرہیزگاری اور جسمانی روزہ ہیں، جس کا مقصد جسم کو اتنا صحت مند رکھنا ہے کہ وہ روح کی ترقی میں رکاوٹ نہ بنے۔

غیبت اور ظہورِ مہدی علیہ السلام

عقیدۂ مہدویت، دینِ اسلام کے بنیادی اور متفقہ عقائد میں سے ایک ہے۔ تمام اسلامی مکاتبِ فکر ایک ایسے آخری نجات دہندہ، امام مہدی علیہ السلام، کے ظہور پر ایمان رکھتے ہیں جو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ تاہم، امام کی موجودگی، ان کی غیبت، اور ان کے ظہور کی نوعیت کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ شیعہ امامی اسماعیلی طریقت، جو امامت کے تسلسل اور امامِ حاضر کے عقیدے پر قائم ہے، اس موضوع پر ایک منفرد اور گہری روحانی بصیرت پیش کرتی ہے۔ اسماعیلی تعلیمات کے مطابق، دنیا ایک لمحے کے لیے بھی امامِ برحق کی جسمانی اور روحانی موجودگی سے خالی نہیں ہو سکتی۔ غیبت کا تصور فرد کی روحانی بصیرت کی کمی کا نام ہے، نہ کہ امام کی عدم موجودگی کا، قرآنِ کریم، ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین اور گنانِ شریف کی روشنی میں ان اہم موضوعات کی حقیقت کو سمجھیں۔

امامت اور غیبت دو الگ الگ اصطلاحات ہیں، جنہیں باہم خلط نہیں کرنا چاہیے۔ امامت درحقیقت ایک ظاہری قیادت کا نام ہے، جس کے اپنے مخصوص اختیارات، فرائض اور ذمہ داریاں ہیں۔ جس امامت کو شیعہ امامیہ تسلیم کرتے ہیں، وہ

محض روحانی پیشوائی نہیں بلکہ دینی و دنیوی قیادت اور خلافتِ نبوی کا عملی تسلسل ہے۔

الإمامة دينية دنيوية نيابةً عن النبي یا الإمامة النيابة عن النبي في أمور الدين والدنيا اس قاعدے (اصول) کے مطابق ایسا مضبوط نظامِ امامت تشکیل دینا ہے جس کے زیرِ سایہ ہر مومن، اصل امام کی قیادت میں اپنی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق گزار سکے۔

اگر امامت کو غیبت کے ساتھ یکجا کر دیا جائے، تو امامت کا مفہوم ناقص اور متضاد ہو جاتا ہے، کیونکہ امامت اور غیبت ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ امامت کے تقاضے مثلاً خمس کی وصولی (جو امام کا شرعی حق ہے)، سیاسی و فقہی اختیارات، اور دینی رہنمائی کے وہ تمام شعبے، جو امام کے وجود کے بغیر معطل ہو جاتے ہیں، غیبت کی حالت میں نافذ نہیں ہو سکتے۔

لہٰذا، اگر امامت کو غیبت کے تصور میں ضم کر دیا جائے تو یہ اصل تصورِ امامت سے انحراف سمجھا جاتا ہے۔ دینِ اسلام میں امامت ایک نہایت اہم اور بنیادی موضوع ہے، اور اس کی حقیقت کو قائم رکھنا، اس کے صحیح مفہوم کو واضح کرنا، اہلِ ایمان پر لازم ہے۔

غیبتِ امام کا عقیدہ اسماعیلی نقطۂ نظر

جہاں بعض اسلامی فرقے امام کے ایک طویل عرصے تک پردۂ غیب میں رہنے اور پھر آخر میں ظاہر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہیں شیعہ امامیہ اسماعیلیہ عقیدے کی بنیاد ہی "امامِ حاضر و ناظر" پر ہے۔ ہمارے نزدیک امامت کا سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر، حضرت نبی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولاد میں نسل در نسل، بغیر کسی وقفے کے، قیامت تک جاری و ساری ہے۔ امامِ وقت کا ہر زمانے میں جسمانی طور پر موجود ہونا دین کی بقا کے لیے لازمی ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے غیبت کے تصور کو نہایت قوی دلائل سے رد فرمایا ہے۔ آپ کے نزدیک ایک غائب امام "صاحب الزمان" یعنی زمانے کا مالک کیسے ہو سکتا ہے؟ زمانے کی رہنمائی کے لیے زمانے کے امام کا حاضر ہونا شرط ہے۔ **آپ فرماتے ہیں**

وہ امام کو صاحب زمان تو کہہ کر پکارتے ہیں، لیکن وہ اسکا مطلب نہیں سمجھتے... اور جب امام دنیا میں موجود نہیں تو انکو صاحب زمان کا لقب کیسے دے سکتے ہیں؟ امام دنیا میں حاضر و موجود ہونا ہی چاہیئے۔ دنیا کا دارو مدار امام پر ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 2 جِلد 1)

اسی طرح حضرت امام شاہ علی شاہ علیہ السلام نے اپنی امامت کے دور میں اپنے مقام کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ امام کا نور اور اس کی ذات ہر دور میں ایک ہی ہے۔ آپ نے فرمایا

ہم تمہارے دین کے سردار امام اور میں ہی علی مرتضی ہوں اور میں ہی حسین علیہ السلام ہوں اول بھی ہم ہی ہیں اور آخر بھی ہم ہی ہیں۔

آغا خان اوّل (سرمایہ آخرت، فرمان نمبر ا)

امام ہمیشہ موجود ہیں، لیکن ان کی پہچان اور معرفت ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ غیبت دراصل ان لوگوں کی آنکھوں پر پڑا ہوا پردہ ہے جو دنیاوی لالچ اور ظاہری علم کے حجابوں میں قید ہیں اور اپنے زمانے کے امام کو پہچاننے سے قاصر ہیں۔

امام مہدی علیہ السلام کا ظہور (القیامۃ)

شیعہ امامیہ اسماعیلیہ عقیدے میں امام مہدی علیہ السلام یا "القائم" کا ظہور کسی غائب شخصیت کی واپسی کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک ایسے دور کا آغاز ہے جب زمانے کا امام اپنی پوری روحانی اور دنیاوی حاکمیت کے ساتھ ظاہر ہوگا اور باطن کے تمام راز کھول دے گا۔ یہ "قیامۃ القیامات" کا دور ہوگا، جہاں دین کی حقیقت تمام عالم پر آشکار ہو جائے گی اور عدل و انصاف کا بول بالا ہوگا۔

پیروں کے گنانوں میں اس عظیم ظہور کی واضح پیشگوئیاں موجود ہیں۔ گنان شریف میں اس آنے والے دور کے امام کی شناخت اور ان کے القاب کا ذکر ملتا ہے۔ ایک مشہور گنان میں ارشاد ہوتا ہے

اے جی تیاں قائم قاضی تھی بیس سے، انے روپ عربی جان
قاسم شاہا نام ج راکھسے، انے نَر نکلنکی نُو اوتار

ترجمہ: "اے بھائی! وہاں قائم صلوات اللہ علیہ قاضی بن کر بیٹھیں گے اور عربی روپ میں ہوں گے۔ قاسم علیہ السلام نام اختیار کریں گے اور حضرت علی علیہ السلام کے مظہر ہوں گے۔" (کتاب ۱۲، گنان نمبر ۳۵)

یہ گنان واضح طور پر بتاتا ہے کہ آخری زمانے میں عدل قائم کرنے والے امام "القائم" کے لقب سے ظاہر ہوں گے، ان کا روپ عربی ہوگا اور وہ "قاسم شاہ" کا نام اختیار فرمائیں گے۔ یہ ظہور ایک دور ہوگا جس میں باطل کا خاتمہ اور حق کا قیام ہوگا۔

پیر صدر دین رحمۃ اللہ علیہ کے "اننت اکھاڑو" میں اس ظہور کی مزید تفصیلات ملتی ہیں، جہاں فرمایا گیا ہے کہ آخری زمانے میں مولا علی علیہ السلام کا نور، یعنی امام مہدی علیہ السلام، ملتان (جو کہ روحانیت کا ایک مرکز ہے) کے قلعے میں اپنا ظہور فرمائیں گے اور دین کے دشمنوں اور ظالموں کا خاتمہ کریں گے۔ یہ دور ایک عظیم روحانی اور مادی جنگ کا ہوگا، جہاں صابر متی ندی خون سے بہے گی اور باطل کے قلعے مسمار کر دیے جائیں گے۔ اس وقت امامِ زماں علیہ السلام کے ساتھ ان کے سچے پیروکار، یعنی حقیقی مومنین، ہوں گے اور مولا اپنی قدرتی فوج اور تین دھاری تلوار (جو شریعت، طریقت اور حقیقت کی علامت ہے) سے دین کے دشمنوں کو نیست و نابود کر دیں گے۔

اس عظیم فتح کے بعد، ایک نئے اور پرامن دور کا آغاز ہوگا۔ امام نکاح کریں گے جس کا باطنی مفہوم یہ ہے کہ وہ ایک نئی، پاکیزہ اور روحانی دنیا کی بنیاد رکھیں گے جہاں کوئی ظلم اور ناانصافی نہیں ہوگی۔ اس دور میں مومنین سوا لاکھ سال تک امن و سکون کے ساتھ حکومت کریں گے، اور ہر طرف خوشی کا سماں ہوگا، ڈھول، نقارے اور شہنائیاں بجیں گی۔ یہ دور دراصل دین کی باطنی حقیقت کے مکمل ظہور کا دور ہوگا، جسے "قیامت" بھی کہا جاتا ہے، یعنی حق کا قائم ہونا۔
(حوالہ جات: اننت اکھاڑو، اشعار نمبر: ۲۵، ۲۸، ۳۵، ۶۴، ۶۵، ۹۳، ۱۴۲، ۱۴۹، ۱۹۱، ۲۲۴، ۲۳۸، ۲۶۱، ۲۷۲، ۲۸۱)

اسماعیلی شیعہ عقیدے میں امام کا ہر زمانے میں حاضر و موجود ہونا ایک بنیادی ستون ہے۔ تاہم، ایک خاص دور کے بارے میں پیشنگوئیاں بھی موجود ہیں جب امام کی روحانی اور دنیاوی حکمرانی پوری دنیا پر قائم ہوگی۔ اس دور کو "ظہور" کہا جاتا ہے اور اس کے حاکم کو امام مہدی (علیہ السلام) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث کی طرح، اسماعیلی پیروں کے گنان بھی اس مبارک دور کی نشانیوں اور تفصیلات سے بھرے پڑے ہیں۔

ظہور سے قبل کے حالات (کل جگ کی نشانیاں)

گنانوں میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ امام مہدی (ع) کا ظہور اُس وقت ہوگا جب دنیا میں جھوٹ، فریب، گناہ اور ناانصافی اپنے عروج پر ہوگی۔ اس دور کو "کل جگ" کہا گیا ہے۔ پیر صدرالدین قدس اللہ سرہ اور پیر شمس قدس اللہ سرہ کے گنانوں میں اس کی واضح عکاسی ملتی ہے۔

گنان "عجب اعجائب دیکھو مومن بھائی" از پیر صدرالدین سے چند مثالیں

Eji Ajab ajaaeb dekho moman bhaai;
Kal-jug aayaa khottaa jire

(ترجمہ: اے مومن بھائی! عجیب تماشا دیکھو کہ کل جگ کا جھوٹا دور آ گیا ہے۔)

Eji Pir saathe murid laddegaa;
baap kun maaregaa betaa jire

(ترجمہ: پیر کے ساتھ مرید جھگڑا کرے گا اور بیٹا باپ کو مارے گا۔)

Eji Maanhe maanhe doe bandhava laddeege;
avar jaanne do godhaa jire

(ترجمہ: بھائی بھائی آپس میں لڑیں گے اور دیکھنے والے انہیں دو بیل سمجھیں گے۔)

گنان عجب زمانہ سنو مومن بھائی از پیر شمس میں مزید نشانیاں بیان کی گئی ہیں

Eji Hindu musalmaan doi milege;
ekthaa besi khaannaa khaave jire

(ترجمہ: ہندو اور مسلمان دونوں مل جائیں گے اور اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔)

ان گنانوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہور سے قبل دنیا روحانی اور اخلاقی طور پر زوال کا شکار ہوگی۔ سچ اور جھوٹ کی تمیز ختم ہو جائے گی، رشتوں کا تقدس پامال ہوگا اور دنیاوی محبت دین پر غالب آ جائے گی۔

ظہور کا وقت: دن، مہینہ اور سال

گنانوں میں ظہور کے وقت کے بارے میں بھی واضح اشارے دیے گئے ہیں، جو کہ دن، مہینے اور سال کی تفصیلات پر مبنی ہیں۔

دن اور مہینہ

:پیر صدرالدین قدس اللہ سرہ اپنے مشہور گنان میں فرماتے ہیں کہ یہ مبارک واقعہ کب رونما ہوگا

Eji Deve parkaas-o tab bharpur, Sauko seve Satgur Noor
Paanch Mukhi thaapeaa tatkhev, Saachaa Satgur puje sau Dev
Chham-chhar chilotar chaitar ne guruvaar, Te din Shaahaa maaro chaddaavi seinya thaay asvaar

ترجمہ: جب امام کا نور بھرپور ظاہر ہوگا، سب سچے مرشد کے نور کی عبادت کریں گے۔ پانچ مکھی (رہنما) فوراً مقرر کیے جائیں گے اور تمام فرشتے سچے مرشد کی پوجا کریں گے۔ چھتیس چھلتر (ایک خاص علم الاعداد) کے حساب سے چیتر (ہندو کیلنڈر کا مہینہ، جو مارچ میں آتا ہے) کے مہینے میں جمعرات (گرووار) کے دن، میرے شاہ (امام) اپنی فوج کے ساتھ سوار ہوں گے۔

ایک اور گنان "Bhaai tini virejiyn umedu aashun"

Yaaraa tith satain-maa rohonn nakhshatra
sanj thaavar thindho Shaah-jo viaan

(ترجمہ: اے دوست! ستائیسویں تاریخ کو ا، ہفتے (چھاچھروار) کی شام کو شاہ کی شادی ہوگی۔

امام شادی کریں گے جس کا باطنی مفہوم یہ ہے کہ وہ ایک نئی، پاکیزہ اور روحانی دنیا کی بنیاد رکھیں گے جہاں کوئی ظلم اور ناانصافی نہیں ہوگی

ان گنانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چیتر کے مہینے میں جمعرات ہفتہ کا دن اس عظیم واقعہ کے لیے مقرر ہے۔

سال کا تعین (علمی وضاحت کی روشنی میں)

سال کے تعین کے حوالے سے گنانوں میں اس کی تفہیم کے لیے علمی وضاحتیں موجود ہیں۔ اس ضمن میں، عظیم اسماعیلی مبلغ، الواعظ ابو علی (قدس سرہ) کی علمی تحقیق انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ انہوں نے اپنی تقاریر میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے

واعظ نمبر **249** (وقت: **1** گھنٹہ **12** منٹ سے آگے): یہ واعظ 1996 میں شوگرلینڈ، امریکہ کے جماعت خانے میں دیا گیا تھا۔ اس میں الواعظ ابو علی قدس سرہ نے فرمایا کہ اس ظہور میں اُس وقت سے 125 سال باقی ہیں۔ اگر 1996 سے حساب لگایا جائے تو یہ سال **2121** عیسوی بنتا ہے۔ (1996 + 125 = 2121)۔ اس حساب سے آج (2025 میں) اس مبارک دور کے آغاز میں تقریباً **96** سال باقی ہیں۔

واعظ نمبر **478** (وقت: **15** منٹ سے آگے): اس واعظ میں بھی اسی موضوع پر مزید گفتگو کی گئی ہے، جو اس تصور کو مزید تقویت بخشتی ہے۔

یہ علمی وضاحت گنانوں کی پیشنگوئی کو ایک جدید تناظر میں سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ حدیث اور فرمان کی روشنی میں امام کی عالمی حکمرانی کا دور بہت قریب ہے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ **ابو علی الواعِظ** قدس سرہ کو ہر اہم موضوع پر گفتگو کے لیے **وقت کے امام علیہ السلام** نے مامور فرمایا تھا، اور اُن کی ہر بات **امام علیہ السلام** کی طرف **نسبت** اور **اشارہ** رکھتی تھی۔

امام مہدی (علیہ السلام) کی عالمی حکمرانی

گنانوں میں بتایا گیا ہے کہ امام مہدی (ع) جب ظاہر ہوں گے تو وہ دنیا سے ظلم، ناانصافی اور جھوٹ کا خاتمہ کر دیں گے۔ ان کی سواری "دل دل گھوڑے" پر ہوگی اور ان کے ہاتھ میں "ذوالفقار" جیسی تلوار ہوگی۔

از پیر صدرالدین قدس سرہ

Dul dul ghode Ali chadd-se Shah

Eji Dul dul ghode Ali chadd-se Shaah

chaddse Shaah chaddi chaud bhavan maanhe vartiyo

(ترجمہ: شاہ علی دلدل گھوڑے پر سوار ہوں گے اور سوار ہو کر چودہ طبق میں اپنا حکم جاری کریں گے۔)

ان کی حکمرانی میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا، جیسا کہ پیر شمس کے ایک گنان میں فرمایا گیا

Eji Gaayaa saathe vaagh chare-se

Shaah moro eyso adal chalaaven go ji

(ترجمہ: گائے اور شیر ایک گھاٹ پر پانی پیئیں گے، میرے شاہ ایسا عدل قائم کریں گے۔)

ظہور کی علامات

ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین اور گنانوں میں ظہورِ قائم سے قبل کے زمانے کی کچھ علامات بیان کی گئی ہیں، جن کا تعلق زیادہ تر دنیا کے روحانی اور اخلاقی زوال سے ہے۔

علمائے ظاہر کی گمراہی: ایک بڑی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ نام نہاد علمائے ظاہر اور ملا، جو دین کے ٹھیکیدار بنے ہوں گے، دین کی اصل روح سے بھٹک چکے ہوں گے اور امامِ وقت کے سب سے بڑے دشمن ہوں گے۔ وہ اپنی ظاہری عبادت پر فخر کریں گے لیکن امام کی معرفت سے خالی ہوں گے۔ حضرت امام شاہ حسن علی شاہ علیہ السلام نے فرمایا:

ملا پہلے دن سے ہی ہمارے دشمن ہیں،اس لئے ہماری شان دیکھ نہیں سکتے اور ہمارا حق غضب کرنا چاہتے ہیں اور کوئی بات نہیں ہے۔

آغا خان اوّل (سرمایہ آخرت، فرمان نمبر ۲)

مزید فرمایا کہ جب امام کا مکمل ظہور ہوگا تو مکہ اور مدینہ کے درمیان چودہ ہزار ملاؤں کا قتل ہوگا، جو اس بات کی علامت

ہے کہ ظاہری اور بے روح مذہب کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

یعنی دَورِ مَہدویّت کا آغاز ہوگا، جس کی طرف پہلے اشارہ کیا گیا تھا

دنیاوی لالچ اور اخلاقی زوال: ظہور سے قبل دنیا میں حرص، لالچ، جھوٹ اور فریب عام ہو جائے گا۔ لوگ دین کو دنیاوی فائدوں کے لیے استعمال کریں گے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے امام شاہ علی شاہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ شمر نے بھی دنیا کی لالچ کے لیے ہی امام کو شہید کیا تھا۔ یہ دنیا پرستی اور اخلاقی پستی ظہور کی ایک اہم علامت ہوگی۔

مومنین کا امتحان: یہ دور حقیقی مومنین کے لیے ایک کڑا امتحان ہوگا۔ ایمان کا دعویٰ کرنے والے بہت ہوں گے لیکن سچے اور ثابت قدم بہت کم۔ صرف وہی لوگ امام کو پہچان سکیں گے اور ان کا ساتھ دیں گے جن کے دل پاک ہوں گے اور جن کا ایمان پہاڑوں کی طرح مضبوط ہوگا۔ امام شاہ حسن علی شاہ علیہ السلام نے فرمایا

جب ہم دوسروں کے سامنے ظاہر ہونگے **(یعنی اپنا باطنی دین آشکار کریں گے)** ، اس وقت کے مشکل وقت پر غور کرو تم تو کیا بڑے بڑے اولیاء بھی قائم نہیں رہیں گے، ظاہر ہونے کا کام ایسا ہے کہ سب کانپ اٹھیں گے

(سرمایہ آخرت، فرمان نمبر ۲)

امام شاہ حسن علی شاہ علیہ السلام

آغا خان اوّل

اس کا مطلب ہے کہ امام کی حقیقی معرفت اور ان کی پیروی کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوگی، بلکہ یہ صرف ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوگی جو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہو کر اپنے زمانے کے حاضر امام کو پہچانیں گے۔

وعدۂ خلافتِ ارضی اور بارہ مہدیوں کا تصور: ایک شیعہ امامی اسماعیلیہ تجزیہ

دینِ اسلام کی اساس ایک الٰہی وعدے پر قائم ہے کہ زمین کی حکمرانی اور دین کا غلبہ بالآخر اللہ کے صالح اور مومن بندوں کو عطا کیا جائے گا۔ یہ وعدہ قرآنِ کریم کی سورۂ نور کی آیت 55 میں پوری صراحت کے ساتھ موجود ہے، جو اہل ایمان کے لیے ایک دائمی بشارت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر اور اس کے مصداق کا تعین اسلامی فکر کا ایک کلیدی موضوع رہا ہے۔ جہاں اکثر مکاتبِ فکر اس وعدے کو مستقبل میں امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے منسلک کرتے ہیں، وہیں شیعہ امامی اسماعیلی طریقت اس تصور کو امامتِ حاضرہ کے تسلسل اور اس کی تاریخی و روحانی حاکمیت کے تناظر میں دیکھتی ہے۔

شیعہ امامی اسماعیلیہ عقیدے کے مطابق، اللہ کا وعدہ محض ایک مستقبل کی پیشگوئی نہیں، بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے جو ہر دور میں امامِ وقت کی ذات میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس نقطۂ نظر کی تائید نہ صرف قرآن و حدیث سے ہوتی ہے، بلکہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین اور پیروں کے گنانوں میں بھی اس کے گہرے روحانی اسرار پوشیدہ ہیں۔ آیئے، ان دلائل کی روشنی میں خلافتِ ارضی، غیبت اور ظہور کے تصورات کا تحقیقی جائزہ لیں۔

قرآنی وعدہ اور خلافتِ ارضی (سورۂ نور، آیت 55) .۱

:اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ"

ترجمہ: "اللہ کا وعدہ ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلافت (غلبہ) عطا کرے گا جیسے اس نے ان سے پہلے والوں کو خلافت عطا کی تھی، اور وہ ضرور ان کے اس دین کو غلبہ عطا کرے گا جو ان کے لیے اس نے پسند کیا ہے، اور وہ ان کی خوف کی حالت کو لازماً امن سے بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو اس کے بعد بھی کفر کرے تو ایسے لوگ ہی فاسق ہیں۔" (سورۂ نور، آیت 55)

اس آیتِ مبارکہ میں چند نکات انتہائی قابلِ غور ہیں

ليستخلفنهم في الارض: یعنی زمین پر حاکمیت اور خلافت کا وعدہ، جو ایک ظاہری اور مادی حکومت کی طرف واضح اشارہ ہے۔

ليمكنن لهم دينهم: یعنی دین کو تمکنت اور استحکام عطا کرنا، جو صرف روحانی نہیں بلکہ سماجی غلبے کے بغیر ممکن نہیں۔

ليبدلنهم من بعد خوفهم امنا: یعنی خوف کی حالت کو امن سے بدل دینا، جو ایک طاقتور اور محفوظ ریاست کے قیام کی دلیل ہے۔

یہ آیت ایک ایسی جماعت اور اس کے رہنماؤں کی بات کر رہی ہے جو نہ صرف روحانی طور پر بلند ہوں بلکہ دنیاوی طور پر بھی حاکمیت اور اقتدار رکھتے ہوں۔ یہ تصور ایک ایسے امام کا متقاضی ہے جو غائب یا مظلوم نہیں، بلکہ ظاہر، حاضر اور صاحبِ اقتدار ہو۔

قرآنی وعدے کی اس باطنی اور حتمی تعبیر کو مزید تقویت اہل بیتِ اطہار علیہم السلام سے منقول اُن احادیث سے ملتی ہے جو اس آیت کا مصداق متعین کرتی ہیں۔ شیعہ اثنا عشری مکتبِ فکر کی ایک مستند ترین کتاب، کتاب الغیبہ للنعمانی میں، امام جعفر الصادق علیہ السلام سے ایک واضح حدیث منقول ہے جس میں آپ نے سورۂ نور کی آیت ۵۵ (وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ...) کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قال: نزلت في القائم وأصحابه

حدثنا أحمد بن محمد بن سعيد بن عقدة قال: حدثنا أحمد بن يوسف بن

يعقوب الجعفي أبو الحسن من كتابه قال: حدثنا إسماعيل بن مهران، قال: حدثنا الحسن بن علي بن أبي حمزة، عن أبيه ووهيب، عن أبي بصير، عن أبي عبدالله في معنى قوله

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ

أَمْنًا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ

قال:

نزلت في القائم وأصحابه.

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا: "یہ آیت قائم (امام مہدی علیہ السلام) اور ان کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

کتاب الغیبۃ" از نعمانی (صفحہ 240، حدیث 35)

یہ فرمانِ صادق، جو کہ علمِ امامت کی سند رکھتا ہے، تمام شکوک و شبہات کو ختم کرتے ہوئے یہ واضح کرتا ہے کہ خلافتِ ارضی، دین کے غلبے اور خوف کے امن میں بدل جانے کا الٰہی وعدہ اپنی حتمی اور کامل صورت میں امام قائم (مہدی علیہ السلام) اور ان کے اصحاب کے دور میں پورا ہوگا۔ اس تفسیر کی روشنی میں، 'لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ' (وہ ضرور انہیں زمین میں خلافت عطا کرے گا) سے مراد امام مہدی علیہ السلام کی وہ عالمگیر عادلانہ حکومت ہے جو ظلم و جور کا خاتمہ کرے گی۔ 'وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ' (وہ ضرور ان کے اس دین کو غلبہ عطا کرے گا) کا مطلب یہ ہے کہ وہ دینِ اسلام، جسے اللہ نے اپنے نبی اور ان کی آل کے لیے پسند فرمایا، دنیا پر غالب آئے گا اور تمام باطل نظریات مغلوب ہو جائیں گے۔ اور 'وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا' (وہ ان کی خوف کی حالت کے بعد اس کو لازماً امن سے بدل دے گا) اس بات کی بشارت ہے کہ صدیوں پر محیط تقیّہ اور خوف کا دور ختم ہوگا اور اہل ایمان کو حقیقی امن و سکون نصیب ہوگا۔ پس، یہ حدیث اس آیت کی ایک ایسی کلید ہے جو اس کے روحانی اور تاریخی مفہوم کے دروازے کھولتی ہے اور اسماعیلی شیعہ کے اس عقیدے کو مضبوط کرتی ہے کہ زمین کی حقیقی وراثت بالآخر امامِ زماں علیہ السلام اور ان کے سچے پیروکاروں کو ہی عطا کی جائے گی۔

نبوی پیشگوئیاں: بارہ خلفاء اور بارہ مہدی:

احادیثِ نبوی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بارہ خلفاء کا ذکر تواتر سے ملتا ہے۔ اہل تسنن کی کتب میں "بارہ خلفاء" کی حدیث موجود ہے جن کے دور میں اسلام کو عزت اور غلبہ نصیب ہوگا۔ اثنا عشری مکتبِ فکر ان بارہ

خلفاء سے اپنے بارہ امام مراد لیتا ہے۔ لیکن یہاں ایک واضح تضادپیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ نشاندہی کی، اثنا عشری سلسلے کے اکثر ائمہ نے ظاہری حکومت نہیں کی، بلکہ وہ حکامِ وقت کے جبر کا شکار رہے اور ان میں سے کئی، جیسے موسیٰ ابنِ جعفر ، نے اپنی زندگی قید و بند میں گزاری۔ ایسی صورت میں ان کے دور کو اسلام کے "غلبے" اور "عزت" کا دور کیسے کہا جا سکتا ہے ؟

اس مشکل کا حل خود شیعہ اسماعیلیہ، اثنا عشریہ، اور خود اہلِ سنت کے ہاں بھی موجود ہیں بارہ امام اور بارہ مہدی والی احادیث میں پوشیدہ ہے، جنہیں اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہ روایات اسماعیلی شیعہ نقطۂ نظر کی بھرپور تائید کرتی ہیں۔

بحار الانوار کی روایت

امام جعفر الصادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

يا علي، إنه سيكون بعدي اثنا عشر إماما،ومن بعدهم اثنا عشر مهديا ▪ فأنت يا علي أول الاثني عشر إماما

اے علی! میرے بعد بارہ امام آئیں گے اور پھر ان کے بعد بارہ مہدی آئیں گے۔ اور اے علی! تم بارہ اماموں میں پہلے ہوگے، بارہ مہدیوں میں نہیں۔ (بحار الانوار، جلد ۱۲، صفحہ ۷۲۹)

شرح الاخبار کی روایت

شیعہ امامی اسماعیلیہ کے عظیم داعی، سیدنا قاضی نعمان قدس اللہ سرہ، اپنی کتاب میں امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں:

قائمِ آلِ محمد ہم میں سے ظاہر ہوگا (یعنی محمد بن عبداللہ المہدی علیہ السلام)، پھر اس کے بعد بارہ مہدی ہوں گے (یعنی ان کی اولاد میں سے ائمہ) (شرح الاخبار فی فضائل الائمۃ الاطہار، جلد ۳، صفحہ ۴۰۰)

محمد بن عبد اللہ بن جعفر الحميري نے اپنے والد سے، انہوں نے محمد بن عبد الحمید اور محمد بن عیسیٰ سے، انہوں نے محمد بن فضیل سے، انہوں نے ابو حمزہ سے، اور انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث میں روایت کی

اے ابو حمزہ! بے شک ہمارے قائم علیہ السلام کے بعد ہمارے خاندان سے، حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے، بارہ مہدی ہوں گے۔

کتاب الغیبہ

کتاب اول، باب ۵۲

ان روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امامت کے دو ادوار ہیں۔ پہلا دور "بارہ اماموں" کا ہے، اور دوسرا دور "بارہ مہدیوں" کا ہے، جن کا سلسلہ "القائم" (امام محمد بن عبداللہ المہدی علیہ السلام) سے شروع ہوتا ہے اور یہ وہ ائمہ ہیں جو حکومت قائم کریں گے۔ اسماعیلی عقیدے کے مطابق، یہ "مہدی" دراصل وہ ائمہ ہیں جنہوں نے فاطمی خلافت قائم کی۔ فاطمی خلیفہ، امام محمد بن عبداللہ المہدی علیہ السلام، نے خود کو "مہدی" اور "قائم" کہلوایا اور ان کے بعد آنے والے فاطمی خلفاء (جو ان کی اولاد سے تھے) دراصل وہی "مہدی" ہیں جن کی پیشگوئی کی گئی تھی۔

جن میں سے آٹھ خلفاء فاطمیینِ مصر گزرے ہیں، جو شیعہ امامیہ اسماعیلیہ کے آئمہ طاہرین علیہم السلام تھے۔ باقی چار خلفاء مہدویت کے دور میں ظہور فرمائیں گے۔ ان کے دور کے آغاز سے پہلے **امامت کا سلسلہ نہ تو منقطع ہوگا اور نہ ہی اس میں کوئی وقفہ آئے گا۔**

یہ ایک نئے دور کا آغاز تھا، جو امام محمد بن عبداللہ المہدی علیہ السلام سے شروع ہوا اور آٹھ آئمہ و خلفاء علیہم السلام تک جاری رہا۔ اب مزید چار خلفاء کا دور آنا باقی ہے، تو اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ **امامت میں نہ کوئی انقطاع ہے اور نہ ہی وقفہ ہے۔**

فاطمی خلافت: وعدۂ الٰہی کی عملی تعبیر:

فاطمی خلافت، جو شمالی افریقہ، مصر اور شام پر تقریباً ڈھائی سو سال تک قائم رہی، سورۂ نور کی آیت 55 اور "بارہ مہدیوں" کی احادیث کی ایک عظیم تاریخی اور عملی تعبیر ہے۔ اس دور میں

ایک شیعہ امامی اسماعیلی حکومت قائم ہوئی (لیستخلفنھم فی الارض)۔

اسلام کے باطنی علوم کو فروغ ملا، جامعۃ الازہر جیسے علمی مراکز قائم ہوئے اور اسماعیلی دین کو استحکام اور تمکنت حاصل ہوئی (لیمکنن لھم دینھم)۔

صدیوں سے خوف اور تقیّے میں زندگی گزارنے والے اہل بیت علیہم السلام کے پیروکاروں کو امن و سلامتی کی فضا میسر آئی (لیبدلنھم من بعد خوفھم امنا)۔

یہ دور تاریخ کا ایک روشن باب ہے جہاں زمانے کے امام علیہ السلام نہ صرف روحانی پیشوا تھے بلکہ دنیاوی حاکم بھی تھے۔ اس طرح، فاطمی خلفاء کا دور ان احادیث کی عملی تصدیق کرتا ہے جو حکمران ائمہ کی بات کرتی ہیں۔ اسماعیلیوں کے آٹھ فاطمی خلفاء تاریخ میں خلافت قائم کر چکے ہیں، اور امامت کا تسلسل آج تک امامِ حاضر کی صورت میں قائم و دائم ہے۔ باقی چار خلافتوں کا قیام مستقبل میں امامِ وقت کے ظہورِ کامل سے وابستہ ہے، لیکن اس کی وجہ سے امامت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔

کیونکہ جب تک اُمّت موجود ہے، ظاہری اور جسمانی لحاظ سے اُن کی رہنمائی، اور حلال و حرام کے امور کے لحاظ سے ہادی کا ہونا واجب ہے۔

گنان کی روحانی بشارتیں

پیروں کے گنانوں میں بھی حاکم امام اور ان کے دورِ حکومت کی بشارتیں موجود ہیں۔ پیر شمس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ہمارا رب مغرب سے آئے گا تو مومنوں کے گھر مبارک ہوں گے اور وہ حکومت کرے گا۔ یہ پیشگوئی فاطمی خلافت کے قیام کی طرف واضح اشارہ ہے۔

اسی طرح "اننت اکھاڑو" میں جس آخری زمانے، شام کے وقت اور جمعہ کے دن کے ظہور کا ذکر ہے، وہ دراصل قائم القیامہ کا بیان ہے جب زمانے کا امام اپنی مکمل حاکمیت کے ساتھ ظاہر ہوگا اور باطن کے تمام پردے اٹھا دے گا۔ یہ کسی غائب امام کی واپسی نہیں، بلکہ حاضر امام کے روحانی اقتدار کا کامل ظہور ہوگا۔

اثنا عشری نقطہ نظر کا تضاد اور اسماعیلی شیعہ استدلال۔

اثنا عشری علماء ان تمام نصوص کی موجودگی کے باوجود ایسے ائمہ کو مہدی اور خلیفہ مانتے ہیں جنہوں نے نہ تو خلافت قائم کی اور نہ ہی ان کے دور میں دین کو ظاہری غلبہ حاصل ہوا۔ وہ "بارہ مہدی" والی احادیث کی یا تو تاویل کرتے ہیں یا انہیں نظرانداز کر دیتے ہیں، کیونکہ یہ ان کے "بارہ اماموں پر اختتام" کے عقیدے سے متصادم ہیں۔

اس کے برعکس، شیعہ امامی اسماعیلیہ عقیدہ ان تمام نصوص میں ایک منطقی اور تاریخی ربط پیدا کرتا ہے۔ بارہ اماموں کا ایک دور، اس کے بعد قائم بالسیف امام مہدی کا ظہور، اور پھر ان کی نسل سے حکمران ائمہ (مہدیوں) کا سلسلہ، اور اس سلسلے کا آج تک امامِ حاضر کی صورت میں جاری رہنا، ایک ایسا مربوط اور مستحکم نظریہ ہے جس کی تائید قرآن، حدیث اور تاریخ، تینوں سے ہوتی ہے۔

اور بارہ خلفاء کی تعداد مکمل ہونے کے درمیان **امامت کا سلسلہ بلاوقفہ جاری رہے گا**، کیونکہ امامت دین کا ستون اور اہم رکن ہے۔ اگر امامت کے نظام کو معطل کر دیا جائے تو پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، اور احادیث میں اس موضوع پر مفہوم بہت واضح ہے۔

پس، ان تمام قرآنی، روایتی، تاریخی اور گنانی دلائل کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شیعہ امامی اسماعیلی عقیدے کا جوہر تسلسلِ امامت پر قائم ہے، یعنی امامت کا وہ غیر منقطع سلسلہ جو ایک لمحے کے لیے بھی دنیا سے منقطع نہیں ہو سکتا۔ اس عقیدے کے مطابق، امامت میں کسی قسم کے وقفے یا انقطاع کا تصور ہی محال ہے، کیونکہ دنیا کی روحانی بقا اور ہدایت کا دارومدار زمانے کے امام کی موجودگی پر ہے۔

اس تناظر میں، فاطمی خلافت کا قیام محض ایک تاریخی واقعہ نہیں، بلکہ نبوی پیشگوئیوں اور قرآنی وعدوں کی ایک عظیم الشان عملی تعبیر ہے۔ احادیث میں مذکوربارہ مہدی جنہوں نے قائم کے بعد حکومت کرنی تھی، درحقیقت وہی فاطمی ائمۂ طاہرین علیہم السلام ہیں جنہوں نے خلافتِ ارضی کے وعدے کو عملی جامہ پہنایا۔ ان آٹھ فاطمی خلفاء کا دور اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ امامت صرف مظلومیت اور تقیّے کا نام نہیں، بلکہ جب الٰہی منشاء شامل ہو تو وہ ظاہری حاکمیت اور دین کے غلبے کی صورت میں بھی جلوہ گر ہوتی ہے۔

باقی چار "مہدیوں" یعنی حاکم ائمہ کی پیشگوئی کا موجود ہونا، امامت کے سلسلے کے منقطع ہو جانے کی دلیل نہیں بن سکتا،

بلکہ یہ اس کے مستقبل میں مزید عروج کی بشارت ہے۔ اگر یہ مانا جائے کہ باقی چار ائمہ کے ظہور سے قبل امامت کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا، تو یہ قرآن کی آیتِ "اولی الامر" اور تسلسلِ امامت کے بنیادی فلسفے کی نفی ہوگی۔ امامت کا اسلوب ہی یہی ہے کہ وہ ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اپنی روحانی اولاد کی رہنمائی کرے۔ ایک غائب امام صدیوں بعد اپنے زمانے سے لاتعلق ہو کر کس طرح رہنمائی کر سکتا ہے؟

اس بحث کا ایک نہایت دلچسپ اور اہم پہلو یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کی ذات اور ان کے نام کے حوالے سے اسماعیلی شیعوں اور اہل تسنن کے مابین ایک قابلِ ذکر اتفاق پایا جاتا ہے۔ دونوں مکاتبِ فکر کی مستند روایات اس امر پر متفق ہیں کہ 'المھدی' (ہدایت یافتہ) ایک لقب ہوگا، نہ کہ اصل نام، اور اس عظیم شخصیت کا اسمِ گرامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر 'محمد' اور ان کے والد کا نام نبی اکرم کے والد کے نام پر 'عبداللہ' ہوگا۔ یہ وہ نبوی پیشگوئی ہے جو اس نجات دہندہ کی بنیادی شناخت قائم کرتی ہے۔ اسماعیلی عقیدے کے مطابق، یہ پیشگوئی مستقبل کے کسی پردے میں پوشیدہ نہیں بلکہ تاریخ میں ایک روشن حقیقت کی صورت میں پوری ہو چکی ہے، اور اس کا مصداق دورِ مہدویت کے پہلے امام، یعنی پہلے فاطمی خلیفہ، حضرت امام محمد بن عبداللہ المھدی باللہ علیہ السلام کی ذاتِ گرامی ہے۔ ان کا ظہور دراصل احادیث میں مذکور "بارہ مہدیوں" کے دور کا آغاز تھا، جنہوں نے نہ صرف روحانی رہنمائی فرمائی بلکہ خلافتِ ارضی کے قرآنی وعدے کو بھی عملی جامہ پہنایا۔ لہذا، جہاں دیگر مکاتبِ فکر ان صفات کے حامل ایک مہدی کے منتظر ہیں، وہیں اسماعیلیوں کے نزدیک یہ پیشگوئی پوری ہو چکی ہے اور امام مہدی علیہ السلام وہ ہستی ہیں جنہوں نے غیبت کے تصور کو باطل کرتے ہوئے امامت کے ظاہری اور دور حاکم کا آغاز فرمایا، اور انہی کی نسل سے امامت کا نور آج تک امامِ حاضر کی ذات میں بغیر کسی انقطاع کے جلوہ گر ہے

لہذا، اسماعیلی نقطۂ نظر میں دورِ مہدویت کا آغاز امام محمد بن عبداللہ المھدی باللہ علیہ السلام کے ظہور اور فاطمی خلافت کے قیام سے ہو چکا ہے۔ ہر فاطمی خلیفہ اپنے زمانے کا مہدی (ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا) تھا۔ یہ سلسلہ آج تک امامِ حاضر کی ذات میں جاری و ساری ہے اور اپنے حتمی اور کامل ظہور کا منتظر ہے، جسے "قائم القیامہ" کہا جائے گا۔ اس لیے ایک اسماعیلی مومن کے لیے نجات کا راستہ کسی غائب مسیحا کے انتظار میں نہیں، بلکہ ہر دور میں اپنے زمانے کے حاضر و ناظر امام کی معرفت اور غیر مشروط اطاعت میں پوشیدہ ہے۔

جہاد

اسماعیلی شیعت میں فلسفۂ جہاد: ایک باطنی و روحانی جدوجہد

لفظ "جہاد" کا جب ذکر آتا ہے تو عموماً ذہنوں میں جنگ و قتال اور میدانِ کارزار کا تصور ابھرتا ہے۔ یہ تصور، اگرچہ اپنی جگہ ایک محدود حقیقت رکھتا ہے، لیکن جہاد کے وسیع، گہرے اور حقیقی مفہوم کا صرف ایک جزوی پہلو ہے۔ لفظ "جہاد" عربی کے مادہ "ج - ہ - د" (جَهد) سے نکلا ہے، جس کے لغوی معنیٰ "جدوجہد کرنا"، "سخت کوشش کرنا" اور "اپنی پوری توانائی صرف کر دینا" ہیں۔ اسماعیلی تشیّع میں جہاد کا تصور اسی لغوی معنیٰ کی روح کے گرد گھومتا ہے، جہاں یہ محض تلوار کی لڑائی نہیں، بلکہ ایک ہمہ جہت، دائمی اور کثیر الجہتی جدوجہد کا نام ہے جس کا اولین اور عظیم ترین میدان خود انسان کا اپنا نفس ہے۔

قرآنِ کریم نے بھی اہلِ ایمان کو اللہ کی راہ میں "کما حقہ" (جیسا کہ اس کا حق ہے) جہاد کرنے کا حکم دیا ہے (سورۃ الحج: 78)۔ یہ "کما حقہ" کا تقاضا ہے کہ جہاد کو اس کی تمام روحانی، فکری، سماجی اور دفاعی جہتوں کے ساتھ سمجھا جائے۔ ائمہ طاہرین علیہم السلام، بالخصوص حضرت امام شاہ حسن علی شاہ، حضرت امام شاہ علی شاہ، اور حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہم السلام کے فرامین اس قرآنی حکم کی باطنی تفسیر اور عملی تشریح پیش کرتے ہیں، جو ہمیں جہاد کے حقیقی فلسفے سے روشناس کراتی ہے۔

جہاد کی اقسام: ایک کثیر الجہتی تصور

اسماعیلی تعلیمات کی روشنی میں جہاد کو محدود نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کی مختلف اقسام ہیں جو مومن کی زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہیں۔

جہادِ اکبر (روحانی جہاد): یہ جہاد کی سب سے اعلیٰ اور مشکل ترین قسم ہے، جسے "جہاد بالنفس" یعنی اپنے نفس کے خلاف جدوجہد بھی کہا جاتا ہے۔

جہادِ اصغر (دفاعی جہاد): یہ دین، جان، مال اور وطن کے دفاع میں کی جانے والی وہ جدوجہد ہے جس کی اجازت مخصوص حالات میں دی گئی ہے۔

جہاد باللسان و القلم (فکری و علمی جہاد): یہ علم، دلیل اور حکمت کے ذریعے دین کی سچائی کو بیان کرنے اور باطل نظریات کا مقابلہ کرنے کی جدوجہد ہے۔

جہاد بالمال (مالی جہاد): یہ اپنی حلال کمائی کو دین اور جماعت کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کرنے کی جدوجہد ہے۔

روحانی جہاد (جہادِ اکبر):

نفس کے خلاف جنگ

تمام جہادوں میں سب سے افضل اور بنیادی جہاد اپنے نفسِ اَمّارہ کے خلاف ہے۔ یہ وہ اندرونی دشمن ہے جو انسان کو تکبر، حسد، بغض، لالچ، جھوٹ اور دیگر گناہوں کی طرف مائل کرتا ہے۔ اس نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسوں کے خلاف مسلسل جدوجہد کرنا ہی حقیقی مومن کی پہچان ہے۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس روحانی جہاد کی اہمیت پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حقیقی روحانیت کا راستہ اعمال کی پاکیزگی سے ہو کر گزرتا ہے۔

تمہارا دین روحانی ہے، جسمانی نہیں ہے تمہیں روح پرست ہی رہنا چاہیئے

(کلام امام مبین فرمان 219 جِلد 2)

(کلام امام مبین فرمان 157 جِلد 1)

اس روحانی جہاد میں مومن کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے، جو ہر لمحہ اسے راہِ راست سے بھٹکانے کی کوشش کرتا ہے۔ امامِ عالیمقام علیہ السلام نے خبردار کیا

شیطان کے ہزاروں روپ ہیں، اس سے شیطان تمہیں فریب دیتا ہے۔ اس لئے شیطان کو تم دُور کرو۔" (کلامِ امامِ مبین، فرمان نمبر ۶۸، صفحہ ۶۱)

یہ جہاد ایک دائمی عمل ہے۔ اس میں کامیابی کے لیے صبر، استقامت اور امامِ زماں علیہ السلام کی روحانی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو مومن اس جہاد میں کامیاب ہو جاتا ہے، اس کے لیے دیگر تمام جہاد آسان ہو جاتے ہیں۔

دفاع اور تحفظ (جہادِ اصغر)

اسلام امن کا دین ہے اور جارحیت کی اجازت نہیں دیتا۔ تاہم، جب دین، عزت، جان، مال یا وطن پر حملہ ہو تو اس کا دفاع کرنا ایک فرض بن جاتا ہے۔ قرآنِ کریم نے مظلوم کو ظالم کے خلاف لڑنے کی اجازت عطا فرمائی ہے (سورۃ الحج: 39)۔ کربلا کے میدان میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا قیام، جارحیت نہیں بلکہ حق و انصاف کے دفاع اور ظلم کے خلاف ایک عظیم جہاد کی لازوال مثال ہے۔

حقیقت میں بیعت کا انکار اس بنیاد پر تھا کہ اللہ کی طرف سے اُس کا جو حجت ہوتا ہے، وہ کبھی بھی کسی **غیر معصوم** کی بیعت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ **حجتِ خدا** وہی ہو سکتا ہے جو **معصوم ہو، علمِ الٰہی کا وارث ہو، اور اللہ کے حکم سے ہدایت کے لیے مقرر ہوا ہو۔**

اسی وجہ سے مذہبِ تشیع کے نزدیک **معصوم امام کی بیعت** ہی اصل بیعت ہے، اور کسی ظالم، فاسق یا غیر برحق حکمران کی بیعت سے انکار کرنا **ایمان کا تقاضا** ہے

دورِ حاضر میں جہاد کا یہ تصور اپنے وطن کی سالمیت اور اس کے قوانین کی پاسداری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔
حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے جنگِ عظیم کے دوران افریقہ میں اپنے مریدوں کو حکم دیا
جب تک جنگ میں فتح حاصل ہو، تب تک برٹش سرکار کی مکمل وفاداری سے مدد کریں، یہ ہمارا قومی فرض ہونا چاہیئے۔ **(کلام امام مبین فرمان 462 جِلد 2)**

یہ فرمان واضح کرتا ہے کہ جہاد کا مقصد فتنہ و فساد پھیلانا نہیں، بلکہ جس ملک میں مومن امن سے رہ رہا ہو، اس کے استحکام اور دفاع میں اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ یہ ایک ذمہ دارانہ اور پرامن شہری ہونے کا تقاضا ہے۔

شہادت اور اس کے مراتب:

شہادت کا مرتبہ اسلام میں انتہائی بلند ہے۔ یہ صرف میدانِ جنگ میں جان دینے کا نام نہیں، بلکہ حق کی راہ میں کسی بھی قسم کی قربانی پیش کرنے کا نام ہے۔ جو شخص امامِ وقت کی اطاعت، دین کی خدمت اور انسانیت کی فلاح کے لیے اپنی زندگی وقف کر دیتا ہے، وہ بھی شہید کے مرتبے پر فائز ہوتا ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے خدمت کے جذبے کو شہادت سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا

والینٹیئر کور تم نے ہماری بہت خدمت کی ہے پہلے کے دور میں لڑائیاں (جنگیں) بہت ہوتی تھیں، تب سر دینا پڑتا تھا۔

لیکن اب تم یہ خدمت انجام دیتے ہو تو سمجھو کہ جہاد کرتے ہو۔

(کلام امام مبین فرمان 211 جِلد 2)

اسی طرح، امامِ عالیمقام علیہ السلام نے ایک عملدار مرحوم محمد علی بھائی حکیم جی کو "شہیدوں میں شامل" فرما کر یہ واضح کر دیا کہ شہادت کا حتمی فیصلہ اور اس کے مراتب کا تعین زمانے کا امام کرتا ہے۔ یہ مرتبہ محض جسمانی موت سے نہیں، بلکہ روحانی کیفیت اور امام کی رضا سے حاصل ہوتا ہے۔

امن اور صلح کی اہمیت:

تمام تر جدوجہد اور جہاد کا آخری اور حتمی مقصد امن، صلح اور بھائی چارے کا قیام ہے۔ ایک حقیقی مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ فتنہ و فساد سے دور رہتا ہے اور ہمیشہ صلح کی راہ اختیار کرتا ہے۔ ائمہ طاہرین علیہم السلام نے ہمیشہ اپنے پیروکاروں کو آپس میں اور دیگر اقوام کے ساتھ محبت اور بھائی چارے سے رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ حضرت امام شاہ علی شاہ علیہ السلام کا فرمان ہے

تم سب ایک ہی ماں باپ کے فرزند ہو، اس طرح مل جل کر چلنا اگر کوئی تمہارے ساتھ دشمنی کرے، تو بھی تم دشمنی نہ کرنا۔

(کلام امام مبین فرمان 213 جِلد 2)

یہ تعلیمات جہاد کے اس تصور کی نفی کرتی ہیں جو نفرت اور تشدد پر مبنی ہو۔ حقیقی جہاد کا مقصد ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے جہاں ہر فرد امن، انصاف اور سکون کے ساتھ زندگی گزار سکے، جہاں روحانی اور مادی ترقی کے مواقع سب کو میسر ہوں، اور جہاں ہر روح اپنے خالق کی معرفت حاصل کر سکے۔

شراب

اسلام، دینِ فطرت ہے اور اس کی ہر تعلیم انسان کی روحانی، جسمانی، ذہنی اور سماجی فلاح و بہبود کی ضامن ہے۔ جن امور سے انسانیت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، اسلام نے انہیں سختی سے ممنوع قرار دیا ہے۔ ان ممنوعات میں سرفہرست شراب اور دیگر تمام نشہ آور اشیاء ہیں، جنہیں قرآنِ کریم نے "رجس" یعنی ناپاکی اور "عملِ شیطان" قرار دے کر انسانیت کے لیے ایک عظیم روحانی اور مادی خطرہ بتایا ہے۔

شیعہ امامی اسماعیلی طریقت میں، جو دین کی باطنی روح اور امامِ زماں علیہ السلام کی زندہ رہنمائی پر قائم ہے، اس حرمت کا تصور محض ایک قانونی ممانعت تک محدود نہیں، بلکہ یہ مومن کی روحانی پاکیزگی، عقل کی حفاظت اور جماعتی استحکام کے لیے ایک بنیادی اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ زمانے کے امام علیہ السلام، جو اپنی روحانی اولاد کے لیے ایک شفیق باپ کا درجہ رکھتے ہیں، نے ہر دور میں اپنے فرامین کے ذریعے اس شیطانی عمل کے مہلک نقصانات سے آگاہ فرمایا ہے اور اس سے مکمل پرہیز کی پُرزور اور سخت تاکید کی ہے۔ آیئے، قرآنِ کریم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام، بالخصوص حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کے فرامین کے انبار سے حکمت کے موتی چنتے ہوئے، اس اہم موضوع کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیں۔

شراب کی ممانعت:

اسلام میں شراب کی حرمت تدریجاً نازل ہوئی، لیکن اس کا آخری حکم قطعی اور واضح ہے۔ تاہم، امامِ زماں علیہ السلام کے فرامین اس حکم کو مزید شدت اور اہمیت عطا کرتے ہیں، کیونکہ امام علیہ السلام کا فرمان دراصل قرآنی حکم کی روح کی عصری تشریح ہوتا ہے۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے شراب نوشی کو بدترین گناہوں میں شمار کیا ہے، یہاں تک کہ اسے بت پرستی اور قتل سے بھی بڑا گناہ قرار دیا۔ **آپ کا یہ فرمان اس معاملے کی سنگینی کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے**

سب گناہوں سے یہ گناہ بڑا ہے۔ اگر چہ دیکھنے میں چھوٹا نظر آتا ہے، لیکن سب گناہوں سے یہ گناہ بڑا ہے، اسی طرح خراب ہے۔ یہ بت پرستی کرنے یا مومن کو مار ڈالنے سے بھی بڑا گناہ ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 9 جِلد 1)

یہ فرمان کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ امام نے واضح کر دیا کہ شراب کی حرمت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ محض ایک سماجی برائی نہیں، بلکہ ایک ایسا روحانی مرض ہے جو انسان کے ایمان کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ آپ نے اس کی حرمت کو اپنی ذات سے منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص اس فرمان کو سن کر بھی توبہ نہیں کرتا، اس سے پیغمبر، خدا اور خود امام بھی بیزار ہیں۔ یہ امام کی اپنی روحانی اولاد کے لیے گہری تشویش اور محبت کا اظہار ہے کہ وہ انہیں اس تباہی سے ہر قیمت پر بچانا چاہتے ہیں۔

شراب کے نقصانات :

دین و دنیا کی بربادی

امامِ عالیمقام علیہ السلام کے فرامین شراب کے روحانی، جسمانی، ذہنی، معاشی اور سماجی نقصانات کو پوری وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔

روحانی نقصانات: شراب کو "شیطانی شے" قرار دیا گیا ہے۔ یہ انسان کی عقل پر پردہ ڈال کر اسے شیطانی کاموں پر اکساتی ہے۔ نشے کی حالت میں انسان وہ تمام گناہ کر گزرتا ہے جن سے وہ ہوش کی حالت میں بچتا ہے۔ اس سے اس کا روحانی تعلق اپنے امام اور خدا سے ٹوٹ جاتا ہے، اس کی عبادات قبول نہیں ہوتیں اور اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

فرمانِ مبارک ہے

شراب پینے کے بعد، جو کام نہیں کرنے چاہیئں، ایسے کام کر کے، انسان، شیطان کا مرید بن جاتا ہے

(کلام امام مبین فرمان 9 جِلد 1)

جسمانی و ذہنی نقصانات: امام نے شراب کو ایک ایسے دھیمے زہر سے تشبیہ دی ہے جو انسان کو آہستہ آہستہ مارتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ انسان کی قوت، صحت اور عمر کو کھا جاتی ہے۔

شراب پینے سے دنیا میں عقل بھی جاتی ہے اور دین بھی جاتا ہے۔" (کلامِ امامِ مبین، فرمان نمبر ۲۱، صفحہ ۲۰)"

جدید سائنس بھی اس حقیقت کی تصدیق کرتی ہے کہ شراب جگر، دل، دماغ اور اعصابی نظام کو ناقابلِ تلافی نقصان

پہنچاتی ہے۔ امام علیہ السلام نے افریقہ میں اپنی جماعت کو یورپی اقوام سے مقابلہ کرنے کے لیے شراب چھوڑنے کا جو "ہتھیار" عطا فرمایا، اس کی بنیاد بھی یہی تھی کہ جو قوم جسمانی اور ذہنی طور پر صحت مند ہوگی، وہی ترقی کرے گی۔

معاشی و سماجی نقصانات: شراب نوشی نہ صرف صحت برباد کرتی ہے بلکہ پیسہ بھی ضائع کرتی ہے۔ ایک غریب آدمی جب اپنی محنت کی کمائی شراب پر لٹاتا ہے تو اس کا پورا خاندان فاقوں اور مصیبتوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ نشے کی حالت میں لڑائی جھگڑے، گھریلو ناچاقیاں اور سماجی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ امام علیہ السلام نے اسی لیے کفایت شعاری کی تلقین کے ساتھ ساتھ ان فضول خرچیوں کو بند کرنے کا حکم دیا جو خاندان اور جماعت کی معاشی بنیادوں کو کمزور کرتی ہیں۔

قرآن و احادیث میں شراب کی مذمت:

قرآنِ کریم نے شراب (خمر) اور جوئے کو شیطانی عمل قرار دیتے ہوئے ان سے بچنے کا واضح حکم دیا ہے۔ سورۃ المائدہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"

ترجمہ: "اے ایمان والو! بے شک شراب، جوا، بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک ہیں، شیطانی کام ہیں۔ پس ان سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔" (سورۃ المائدہ: 90)

اس آیت میں شراب کو بتوں کے ساتھ ذکر کر کے اس کی سنگینی کو واضح کیا گیا ہے۔ امامِ عالیمقام علیہ السلام نے اسی قرآنی روح کی پیروی کرتے ہوئے اسے "شیطانی شے" اور اس کے پینے کو "بت پرستی سے بڑا گناہ" قرار دیا۔ یہ فرامین دراصل قرآن کی باطنی تفسیر ہیں جو اس کے حکم کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق زندہ رکھتے ہیں۔

نشہ آور اشیاء کے احکام:

امام علیہ السلام کے فرامین میں حرمت کا اطلاق صرف شراب تک محدود نہیں، بلکہ ہر اس شے پر ہوتا ہے جو نشہ پیدا کرے اور عقل کو ماؤف کر دے۔ یہ اسلام کا ایک بنیادی اصول ہے کہ "ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔" حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس اصول کو کھول کر بیان فرمایا:

یہ شراب، جو انگور میں سے، گلاب میں سے، یا کسی بھی چیز میں سے بنی ہوئی ہو، جس سے نشہ چڑھتا ہو، ایسی چیز نہیں پینی چاہیئے۔ شراب پینے سے انسان کو مستی پیدا ہوتی ہے، اس لئے یہ خراب ہے۔ایسی چیز کھائی بھی نہیں چاہیئے کہ جس سے مستی پیدا ہوتی ہو۔

(کلام امام مبین فرمان 9 جِلد 1)

اسی طرح ایک اور فرمان میں آپ نے شراب کے ساتھ بھنگ اور افیون کو بھی حرام قرار دیا

دنیا میں شراب، بھنگ ، افیون ، یہ سب حرام ہیں۔ دنیا میں شراب، بھنگ ، افیون کھاؤ گے تو ، دوسری دنیا میں تمہیں سخت عذاب ملے گا۔

(کلام امام مبین فرمان 43 جِلد 1)

ان فرامین سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حرمت کا تعلق چیز کے نام سے نہیں بلکہ اس کی تاثیر سے ہے۔ ہر وہ چیز جو عقل پر پردہ ڈالے اور انسان کو روحانی و جسمانی طور پر نقصان پہنچائے، وہ اسماعیلی شیعیت میں ممنوع اور حرام ہے۔

شراب نوشی اور سزا:

امام علیہ السلام کے فرامین میں شراب نوشی کے دنیاوی اور اخروی، دونوں طرح کے عذابات کا ذکر ملتا ہے۔آخرت کی سزا انتہائی بھیانک بیان کی گئی ہے۔

شراب پینے والے کی جگہ جہنم میں ہے اور یہ جگہ خراب سے خراب ہے۔اگر کوئی شخص دنیا میں شراب پیتے اور توبہ نہ کرے اور مرجائے تو اسکو کافر کے ساتھ باندھا جائیگا۔

(کلام امام مبین فرمان 9 جِلد 1)

ایک اور مقام پر اس عذاب کی مزید تفصیل بیان کی گئی ہے کہ ایسے شخص کو سانپ اور بچھوؤں کا زہر پلایا جائے گا جس کی گرمی سے اس کا منہ اور آنتیں گل جائیں گی۔ دنیا میں اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی، اس کے دل سے ایمان کی روشنی ختم ہو جاتی ہے، اور وہ امام کی روحانی برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ امام نے یہ بھی فرمایا کہ پیغمبر کے زمانے میں ایسے گناہوں پر سخت جسمانی سزائیں دی جاتی تھیں، جس سے اس جرم کی سنگینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس کی طرف اشارہ ہمارے پیروں نے گنانوں میں بہترین انداز میں کیا ہے

اسے بھائی ! ایمان کی سلامتی کے ساتھ مولا کی اطاعت کرو ، حرام تمباکو کو دور کرو ۔ شراب جیسی شیطانی چیز سے دور رہو تو مولا کے دربار میں پہنچو گے۔

توبہ اور اصلاح: رحمت کا کھلا دروازہ۔

ان تمام سخت وعیدوں اور سزاؤں کے باوجود، امامِ زماں علیہ السلام کی رحمت کا دروازہ اپنی روحانی اولاد کے لیے ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ آپ نے گناہ گاروں کو مایوس نہیں کیا بلکہ انہیں توبہ اور اصلاح کی راہ دکھائی ہے۔

توبہ کا فوری حکم: امام نے فرمایا کہ جو لوگ اس برائی میں مبتلا ہیں، وہ یہ فرمان سن کر فوراً توبہ کریں اور اس عادت کو ترک کرنے کا پختہ عہد کریں۔ توبہ میں تاخیر کرنا بھی ایک طرح کی نافرمانی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

یہ فرمان سُن کر، اسی وقت توبہ کرو کہ ہم کبھی بھی شراب نہیں پیئں گے۔

(کلام امام مبین فرمان 9 جِلد 1)

طبی علاج کی رعایت: امام عالیمقام علیہ السلام، جو اپنی جماعت کے لیے ایک شفیق طبیب کی مانند ہیں، نے اس اصول میں بھی رعایت کا پہلو رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شدید بیماری (جیسے نمونیا یا پلیگ) لاحق ہو اور کوئی ماہر اور ہوشیار ڈاکٹر دوا کے طور پر تھوڑی مقدار میں شراب تجویز کرے تو اس کے استعمال میں گناہ نہیں۔

ہاں ، ایک بات ہے کہ آدمی بیمار ہو ، ڈاکٹر دوا کے طور پر دے تو پینے میں گناہ نہیں ہے

(کلام امام مبین فرمان 9 جِلد 1)

یہ رعایت دین کی حکمت اور انسانی جان کی قدر و قیمت کو ظاہر کرتی ہے، لیکن اس کی آڑ میں بہانہ بنا کر پینے کی سختی سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔

شراب کی طرح امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے سگریٹ نوشی اور تمباکو کے استعمال کو بھی سخت ناپسند فرمایا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ عادتیں نہ صرف فضول خرچی ہیں بلکہ صحت کے لیے بھی انتہائی نقصان دہ ہیں۔ ایک فرمان میں انہوں نے تمباکو اور شراب کو انسان کا چھپا ہوا دشمن قرار دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ان اشیاء کا استعمال کرنے والے اپنی جان اور روح کو جلاتے ہیں۔ انہوں نے تمباکو نوشی کے نقصانات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے گلے کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور پیسے کا بھی زیاں ہوتا ہے۔

امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا کہ پرانی عادتوں کو فوری طور پر ترک کرنا مشکل ہو سکتا ہے۔ لہذا، انہوں نے ان افراد کے لیے جو فوری طور پر شراب یا سگریٹ نوشی ترک نہیں کر سکتے، بتدریج نجات کا راستہ بھی بتایا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے افراد کو ہمت کر کے ان عادات کو کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ایک فرمان میں امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو لوگ شراب نوشی کی عادت میں مبتلا ہیں وہ اپنی اس عادت کو آہستہ آہستہ کم کریں۔ مثال کے طور پر، اگر وہ روزانہ شراب پیتے ہیں تو اسے ہفتے میں ایک یا دو بار تک محدود کریں اور پھر بتدریج اسے مکمل طور پر ترک کر دیں۔ اسی طرح سگریٹ نوشی کے عادی افراد کے لیے بھی انہوں نے یہی تجویز دی کہ وہ اپنی روزانہ کی تعداد میں کمی لائیں اور پھر آہستہ آہستہ اس عادت سے مکمل چھٹکارا حاصل کریں اس میں تدریجاً کمی لانے کی ضرور کوشش کریں، تاکہ ممکن ہو سکے کہ ان برائیوں سے مکمل نجات حاصل ہو جائے۔۔

(کلام امام مبین فرمان 547 جِلد 2)

امام نے شراب چھوڑنے والوں کے لیے متبادل بھی بتائے، جیسے پھلوں کے رس، لسی اور دہی کا استعمال، جو نہ صرف حلال ہیں بلکہ صحت کے لیے بھی انتہائی مفید ہیں۔ یہ دراصل ایک منفی عمل کو ترک کر کے اس کی جگہ ایک مثبت عمل کو اپنانے کی تلقین ہے، جو اصلاح کا بہترین طریقہ ہے۔

لباسِ ظاہر و باطن: امامی اسماعیلی تعلیمات کی روشنی میں

حصہ اول: تمہید اور بنیادی تصورات

فصل اول: تعارف

→ لباس صرف ایک ضرورت نہیں، ایک روحانی عمل ہے

→ اسلام میں لباس کا تصور: قرآن اور حدیث کی روشنی میں

→ اسماعیلی نقطہ نظر: ظاہر اور باطن کا فلسفہ

→ مکہ کی فضیلت کا اصل سبب

→ ظاہری حج کی قبولیت کی شرط

→ حقیقی حج: باطنی طہارت اور اعمالِ صالحہ

فصل دوم: قرآن و سنت میں لباس کے اصول

→ سورۃ الاعراف کی آیت "لباس التقویٰ" کی تفصیلی تشریح

→ ستر پوشی کا حکم اور اس کی روحانی حکمت

→ لباس میں سادگی اور صفائی پر نبوی ہدایات

→ مکہ کی فضیلت کا اصل سبب

→ ظاہری حج کی قبولیت کی شرط

→ حقیقی حج: باطنی طہارت اور اعمالِ صالحہ

حصہ دوم: امام علیہ السلام کے فرامین کی روشنی میں لباس کے اصول

فصل سوم: طہارتِ ظاہر و باطن

→ ظاہری صفائی: "اپنے کپڑوں کو پاک رکھو" کا مفہوم

→ فرمانِ امام: لباس کی صفائی اور دل کی صفائی کا تعلق

→ جسمانی پاکیزگی سے روحانی پاکیزگی کا سفر

→ عبادت گاہ (جماعت خانہ) کے لیے لباس کے آداب

فصل چہارم: سادگی، کفایت شعاری اور سماجی مساوات

→ سادگی کا فلسفہ: تکبر اور روحانی عاجزی کا حصول

→ فرامینِ امام: فضول خرچی اور قیمتی لباس کی ممانعت

→ امامت کے گھرانے سے عملی نمونہ

→ کفایت شعاری سے بچنے والی رقم کا بہترین مصرف: جماعتی فلاح و بہبود

فصل پنجم: وقار، حیا اور خودداری

→ لباس کا بنیادی مقصد: ستر پوشی اور انسانی وقار

→ فرمانِ امام: خواتین کے لباس میں حیا اور احتیاط

→ مردوں کے لباس میں وقار

→ دل کا پردہ: ظاہری پردے سے زیادہ باطنی حیا کی اہمیت

حصہ سوم: لباس کے سماجی اور معاشی پہلو

فصل ہفتم: لباس اور معاشی حکمت عملی

→ کفایت شعاری کے معاشی فوائد

→ شادی بیاہ اور دیگر رسومات میں لباس پر بے جا اخراجات کی ممانعت

→ دی ڈائمنڈ جوبلی انوسٹمنٹ ٹرسٹ" کا قیام اور معاشی خود مختاری کا تصور۔

فصل ہشتم: یونیفارم اور اجتماعی شناخت

→ والنٹیئر کور، اسکاؤٹس اور گرلز گائیڈ کا لباس: ڈسپلن اور اتحاد کی علامت

→ یونیفارم پہننے کے اصول و ضوابط

→ اجتماعی شناخت اور انفرادی روحانیت میں تعلق۔

حصہ چہارم: نتیجہ اور حاصلِ بحث

فصل نہم: لباس بحیثیت روحانی عمل

خلاصہ: امام کی تعلیمات کا نچوڑ۔

→ مومن کا حقیقی لباس: ایمان، عملِ صالح اور عشقِ حقیقی

→ فرمانِ امام: "ہم لباس نہیں دیکھتے بلکہ روح کو دیکھتے ہیں" کی حتمی تشریح

→ جدید دور کے چیلنجز (فیشن، برانڈز) اور امامی تعلیمات کا اطلاق۔۔

حصہ اول: تمہید اور بنیادی تصورات

فصل اول: تعارف

موضوع کا تعارف: لباس صرف ایک ضرورت نہیں، ایک روحانی عمل ہے

انسانی تاریخ کے ہر دور میں لباس کو محض تن ڈھانپنے کا ایک ذریعہ نہیں سمجھا گیا، بلکہ یہ تہذیب، شناخت، سماجی حیثیت اور انفرادی شخصیت کا عکاس رہا ہے۔ تاہم، الہامی مذاہب نے لباس کو ایک اور گہری جہت عطا کی ہے ایک ایسی جہت جو انسان کے ظاہر کو اس کے باطن سے، اس کے جسم کو اس کی روح سے، اور اس کے دنیاوی اعمال کو اس کی روحانی منزل سے جوڑتی ہے۔ اسلام، بحیثیتِ دینِ فطرت، اس تصور کو اپنی جامع ترین شکل میں پیش کرتا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں لباس صرف ایک سماجی ضرورت نہیں بلکہ ایک اخلاقی اور روحانی ذمہ داری ہے، ایک ایسا عمل ہے جو انسان کے تقویٰ، اس کی حیا، اور خالق کے ساتھ اس کے تعلق کی گہرائی کو ظاہر کرتا ہے۔

اسماعیلی عقیدے میں، جو اسلام کی باطنی اور حقیقی روح پر زور دیتا ہے، لباس کا فلسفہ اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ یہاں ہر ظاہری عمل، باطن کی ایک کھڑکی ہے۔ جس طرح صلوٰۃ صرف جسمانی حرکات کا نام نہیں بلکہ روح کا سفر ہے، اور روزہ صرف بھوکا پیاسا رہنا نہیں بلکہ نفس پر قابو پانے کی مشق ہے، اسی طرح لباس پہننا صرف جسم کو ڈھانپنا نہیں بلکہ اپنی روح کو نیکی اور پرہیزگاری سے آراستہ کرنے کا نام ہے۔ اسماعیلی تعلیمات کی روشنی میں، ایک مومن کا لباس اس کی روحانی حالت کا خاموش اعلان ہوتا ہے۔ وہ کیا پہنتا ہے، کیسے پہنتا ہے، اور کن اصولوں کو مدِنظر رکھتا ہے یہ سب اس کے ایمان کی پختگی، اس کے کردار کی بلندی، اور امامِ وقت کی تعلیمات سے اس کی وابستگی کا پیمانہ ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنے طویل دورِ امامت میں مومنین کی زندگی کے ہر شعبے میں، بشمول لباس، مکمل اور جامع رہنمائی فرمائی ہے۔ آپ کے فرامین،، اس موضوع کے ہر پہلو کا احاطہ کرتے ہیں۔ آپ نے لباس کے ظاہری اصولوں صفائی، سادگی، وقار کو اس کی باطنی حقیقت دل کی پاکیزگی، عاجزی، اور حیا سے اس طرح مربوط فرمایا ہے کہ لباس پہننے کا عمل خود ایک عبادت اور روحانی تربیت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

یہ کتاب اسی گہرے اور وسیع موضوع کا احاطہ کرنے کی ایک عاجزانہ کوشش ہے۔ اس کا مقصد حضرت امام سلطان علیہ السلام اور ان سے قبل ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین کی روشنی میں لباس کے اسماعیلی فلسفے کو سمجھنا اور اسے آج کے دور میں اپنی عملی زندگیوں میں نافذ کرنے کے طریقے تلاش کرنا ہے۔ ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ ایک مومن کے لیے لباس کا انتخاب کیوں محض ایک ذاتی پسند کا معاملہ نہیں، بلکہ ایک ایسی امانت ہے جس کا تعلق اس کی انفرادی روحانیت، اس کی اجتماعی ذمہ داری، اور بالآخر اس کی اخروی نجات سے ہے۔

فصل دوم: قرآن و سنت میں لباس کے اصول

اس سے پہلے کہ ہم ائمہ طاہرین علیہم السلام کے مخصوص فرامین کا گہرائی سے جائزہ لیں، یہ ضروری ہے کہ ہم لباس کے بارے میں ان اصولوں کو سمجھیں جو دینِ اسلام کے مآخذ قرآنِ مجید اور سنتِ رسول نے قائم کیے ہیں۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر امامت کی تعلیمات کی عالیشان عمارت قائم ہے۔

سورۃ الاعراف کی آیت "لباس التقویٰ" کی تفصیلی تشریح ۱.

قرآنِ مجید میں لباس کے فلسفے پر سب سے جامع اور بنیادی آیت سورۃ الاعراف میں نازل ہوئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ (القرآن، الاعراف ۷:۲۶)

ترجمہ: "اے بنی آدم! بے شک ہم نے تم پر لباس اتارا کہ تمہاری شرم کی چیزیں چھپائے اور تمہیں زینت بخشے، اور (یاد رکھو کہ) تقویٰ کا لباس ہی سب سے بہتر ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔"

یہ آیتِ کریمہ لباس کے تین بنیادی مقاصد اور ایک حتمی اصول بیان کرتی ہے:

ستر پوشی (يُوَارِي سَوْآتِكُمْ): لباس کا سب سے پہلا اور بنیادی مقصد انسانی جسم کے ان حصوں کو ڈھانپنا ہے جن کا ظاہر کرنا شرم اور بے حیائی کا باعث ہے۔ یہ انسان اور حیوان کے درمیان ایک بنیادی فرق قائم کرتا ہے۔ یہ حیا کا پہلا قدم ہے۔

زینت (وَرِيشًا): دوسرا مقصد زینت اور خوبصورتی ہے۔ اسلام رہبانیت کا دین نہیں ہے۔ وہ انسان کو صاف ستھرا، خوبصورت اور باوقار دیکھنا چاہتا ہے۔ "ریش" کا لفظ پرندوں کے خوبصورت پروں کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لباس انسان کی ظاہری شخصیت میں نکھار اور وقار پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

تقویٰ کا لباس (وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ): یہ لباس کا سب سے اعلیٰ اور حقیقی مقصد ہے۔ قرآن واضح کرتا ہے کہ ظاہری لباس اپنی جگہ اہم ہے، لیکن اصل اور بہترین لباس تقویٰ، پرہیزگاری اور خدا خوفی کا لباس ہے۔ یہ وہ باطنی لباس ہے جو انسان کی روح کو گناہوں کی آلائشوں سے بچاتا ہے اور اسے روحانی طور پر خوبصورت بناتا ہے۔ جس طرح ظاہری لباس جسمانی عیبوں کو چھپاتا ہے، اسی طرح تقویٰ کا لباس روحانی عیبوں جیسے تکبر، حسد، ریاکاری اور کینہ پر پردہ ڈالتا ہے اور انسان کو خدا کی نظر میں محبوب بناتا ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اسی قرآنی تصور کو اپنے فرامین میں بارہا بیان فرمایا ہے۔ آپ نے ہمیشہ ظاہری سادگی اور صفائی کو باطنی تقویٰ کے ساتھ منسلک کیا۔ آپ کا فرمان ہے:

پاکیزگی کا لباس پہننا یعنی تمام باتوں میں پاک رہنا ہی تمہارے لئے اچھا کپڑا اور اچھا لباس ہیں۔

(کلام امام مبین فرمان 207 جلد 2)

اس فرمان میں امام نے "اچھے لباس" کی تعریف ہی بدل دی ہے۔ اچھا لباس وہ نہیں جو مہنگا اور زرق برق ہو، بلکہ اچھا لباس "تمام باتوں میں پاک رہنے" کا نام ہے۔ یہی "لباس التقویٰ" کی حقیقی تشریح ہے۔

ستر پوشی کا حکم اور اس کی روحانی حکمت۔

ستر کا تصور اسلام میں حیا کے وسیع تر نظام کا ایک حصہ ہے۔ مرد اور عورت دونوں کے لیے ایک مخصوص حد مقرر کی گئی ہے جسے "ستر" کہا جاتا ہے اور اسے دوسروں کے سامنے، سوائے چند مستثنیات کے، چھپانا فرض ہے۔ اس کا مقصد معاشرے کو بے حیائی اور اخلاقی بے راہ روی سے بچانا ہے۔

روحانی طور پر، ستر پوشی کا عمل انسان کو اپنی جسمانی حقیقت اور اس کی حدود کا احساس دلاتا ہے۔ یہ اسے یاد دلاتا ہے کہ اس کا جسم ایک امانت ہے اور اسے نفسانی خواہشات کی بے لگام نمائش کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ضبطِ نفس اور خوداری کی ایک عملی مشق ہے۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے خواتین کو ایسے لباس پہننے کی جو تاکید فرمائی جس سے ان کا جسم نمایاں نہ ہو، وہ اسی اسلامی اور قرآنی اصول کی عملی تفسیر ہے۔

تم عورتیں جس طرح کے کپڑے پہنتی ہو اس سے جسم اور پیٹ نظر آتا ہے۔ اسلئے ایسا لباس پہنو، جن سے جسم نظر نہ آئے

(کلام امام مبین فرمان 181 جلد 2)

یہاں امام علیہ السلام ظاہری ستر کے ساتھ ساتھ اس وقار کی بات کر رہے ہیں جو ایک مومنہ کا خاصہ ہونا چاہیے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس اور اسوہ حسنہ۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہر مومن کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس مبارک ہمیشہ سادگی، صفائی اور وقار کا اعلیٰ ترین مظہر ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی تکلف اور دکھاوے کو پسند نہیں فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جو میسر ہوتا، اسے زیبِ تن فرما لیتے۔ اکثر سفید لباس پسند فرماتے کیونکہ وہ صفائی اور پاکیزگی کی علامت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس نہ تو اتنا قیمتی ہوتا کہ تکبر پیدا ہو، اور نہ ہی اتنا بوسیدہ کہ غربت اور بے چارگی کا تاثر دے۔

حضرت امام شاہ حسن علی شاہ علیہ السلام، جو خود نورِ نبوت و امامت کا مظہر تھے، اپنے فرامین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی سنت کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

اگر عربی لکھنا اچھا تھا تو حضرت محمد پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے ، تم لوگ ان سے اگر پوچھتے تو وہ بتاتے کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا پورے قرآن میں جو سچ تھا وہ نکال کر تمہارے سامنے رکھ دیا، اب اور کیا چاہیئے۔

آغا خان اوّل (سرمایۂ آخرت، فرمان نمبر ۲)

یہاں امام یہ نکتہ سمجھا رہے ہیں کہ اصل چیز دین کی روح اور حقیقت کو سمجھنا ہے، نہ کہ ظاہری رسومات کی اندھی تقلید۔ نبی اکرم کی زندگی کا ہر پہلو، بشمول آپ کا لباس، اسی حقیقی روح کا مظہر تھا۔ سادگی، صفائی اور اعتدال یہی وہ نبوی اصول ہیں جنہیں امامِ زماں علیہ السلام نے اپنے فرامین کے ذریعے زندہ رکھا ہے۔

حصہ دوم: امام علیہ السلام کے فرامین کی روشنی میں لباس کے اصول

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کے فرامین کا خزانہ اسماعیلی مومنین کے لیے ایک ایسا بحرِ بے کراں ہے جس میں دین اور دنیا کی ہر ہدایت کے موتی موجود ہیں۔ لباس کے موضوع پر آپ کے ارشادات نہ صرف عملی رہنمائی فراہم کرتے ہیں بلکہ اس کے پیچھے پوشیدہ گہرے روحانی فلسفے سے بھی روشناس کراتے ہیں۔ یہ حصہ امام علیہ السلام کے ان ہی فرامین کے تجزیے پر مشتمل ہے، جس میں ہم لباس سے متعلق بنیادی اصولوں طہارت، سادگی، وقار اور زمان و مکان کے تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

فصل سوم: طہارتِ ظاہر و باطن

ظاہری صفائی: اپنے کپڑوں کو پاک رکھو کا مفہوم

اسلام میں طہارت یا پاکیزگی کو عبادت کی کلید قرار دیا گیا ہے۔ کوئی بھی عبادت، خواہ وہ نماز ہو یا دعا، پاکیزگی کے بغیر قبول نہیں ہوتی۔ یہ پاکیزگی صرف جسم کی نہیں بلکہ لباس کی بھی ہے۔ ایک مومن کا لباس ہر قسم کی ظاہری نجاست اور گندگی سے پاک ہونا چاہیے۔ یہ اصول صرف حفظانِ صحت کے نقطہ نظر سے ہی اہم نہیں، بلکہ یہ ایک روحانی ڈسپلن کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ صاف ستھرا لباس انسان کی طبیعت میں تازگی، اس کے ذہن میں مثبت سوچ اور اس کی شخصیت میں ایک خاص وقار پیدا کرتا ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے جماعت خانے میں حاضری کے آداب بیان کرتے ہوئے اس نکتے پر خصوصی زور دیا ہے۔ جماعت خانہ خدا کا گھر ہے اور جب مومن وہاں حاضر ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے مولا کے حضور پیش ہوتا ہے۔ ایسے مقدس مقام پر میلے اور گندے لباس میں حاضری دینا بے ادبی کے مترادف ہے۔ امام فرماتے ہیں:

اب تم خیال کرو کہ جب تم دنیا کے بڑے لوگوں کے پاس جاتے ہو، تب کتنے اچھے کپڑے پہن کر جاتے ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے پاس کس طرح سے جانا چاہیئے اور کس طرح کے کپڑے پہن کر جانا چاہیئے... خدا کی بندگی کرتے وقت کپڑے سادہ، صاف اور پاک پہنے چاہیئیں۔" (کلامِ امامِ مبین، فرمان نمبر ۱۰، صفحہ ۱۱)

یہاں "اچھے کپڑے" سے مراد مہنگے کپڑے نہیں، بلکہ "سادہ، صاف اور پاک" کپڑے ہیں۔ امام نے واضح طور پر صفائی کو لباس کی بنیادی خوبی قرار دیا ہے۔ یہ طہارت صرف نظر آنے والی گندگی سے پاک ہونا نہیں، بلکہ ہر قسم کی ناپاکی، چاہے وہ پسینہ ہو، بدبو ہو یا کوئی اور نجاست، اس سے پاک ہونا ضروری ہے۔ صاف لباس پہن کر عبادت کرنے سے انسان کی توجہ بہتر طور پر اپنے خالق کی طرف مرکوز رہتی ہے اور وہ دنیاوی آلائشوں سے بلند ہو کر ایک روحانی تجربے سے گزرتا ہے۔

فرمانِ امام: لباس کی صفائی اور دل کی صفائی کا تعلق

اسماعیلی تعلیمات کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ کبھی ظاہر پر اکتفا نہیں کرتیں۔ ہر ظاہری عمل کا ایک گہرا باطنی مفہوم ہوتا ہے۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے لباس کی ظاہری طہارت کو دل کی باطنی طہارت کے ساتھ لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ آپ کے نزدیک صاف لباس پہننا اس وقت تک بے معنی ہے جب تک مومن کا دل بھی گناہوں، برے خیالات اور منفی جذبات کے میل سے پاک نہ ہو۔

اسی فرمان میں آگے ارشاد ہوتا ہے:

لیکن یہ نہیں کہ صرف کپڑے ہی پاک پہنے۔ یہ تو ظاہری پاکیزگی ہوئی لیکن باطن میں بھی پاکیزگی رکھنا اور بُرائی کو نکال دینا۔ ایک دوسرے کے دل سے کینہ نکال دو اور پاک ہو کر آؤ۔

(کلام امام مبین فرمان 10 جِلد 1)

یہاں امام علیہ السلام ہمیں ایک گہرے روحانی نکتے کی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔ جس طرح ہم اپنے لباس پر لگے ہوئے ایک چھوٹے سے داغ کو بھی فوراً صاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کیا ہم اپنے دل پر لگے ہوئے حسد،

کینہ، غیبت اور تکبر کے داغوں کو بھی اسی طرح صاف کرتے ہیں؟ امام فرما رہے ہیں کہ جماعت خانے میں آنے سے پہلے جس طرح تم اپنا لباس صاف کرتے ہو، اسی طرح اپنے دل کو بھی اپنے دینی بھائیوں کے لیے صاف کر کے آؤ۔ اگر دل میں کسی کے لیے بغض ہے، کسی سے ناراضی ہے، تو یہ روحانی ناپاکی ہے۔ اس روحانی ناپاکی کے ساتھ کی گئی عبادت کیسے قبول ہو سکتی ہے؟

ایک اور موقع پر امام نے باطنی پاکیزگی کی اہمیت کو مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا:
تم ہمارے جیسے بنو، جس طرح ہم صاف اور پاک ہیں۔ ہمارے دل میں کینہ، کپٹ (بغض) اور حسد نہیں ہے۔ اسی طرح تم بھی دل میں کینہ، بغض اور حسد نہیں رکھو۔ تم ہماری مثال لو، جس طرح ہم چلتے ہیں، اسی طرح تم بھی چلو۔
(کلام امام مبین فرمان 45 جِلد 1)

امامِ زماں علیہ السلام، جو خود پاکی و طہارت کا مجسم نمونہ ہیں، ہمیں اپنی مثال دے کر سمجھا رہے ہیں کہ حقیقی پاکیزگی دل کا ہر قسم کے منفی جذبات سے پاک ہونا ہے۔ لہٰذا، ایک مومن کا لباس اس کی روحانی حالت کا آئینہ ہونا چاہیے۔ جب وہ صاف ستھرا لباس زیبِ تن کرے تو اس کا باطن بھی اتنا ہی صاف اور شفاف ہو۔

جسمانی پاکیزگی سے روحانی پاکیزگی کا سفر

طہارت کا یہ تصور ایک تدریجی عمل ہے۔ یہ جسم اور لباس کی ظاہری صفائی سے شروع ہوتا ہے اور روح کی گہرائیوں تک پہنچتا ہے۔ جب ایک مومن روزانہ اپنی عبادت کے لیے خود کو جسمانی طور پر پاک کرتا ہے، اپنا لباس صاف کرتا ہے، تو یہ عمل اسے لاشعوری طور پر اپنے باطن کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ وہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ کیا میرا دل بھی اتنا ہی پاک ہے؟

وضو کا فلسفہ: وضو، جو دعا کے لیے لازمی ہے، صرف چند اعضاء کو دھونے کا نام نہیں۔ ہر عضو کو دھوتے وقت اس سے سرزد ہونے والے گناہوں سے توبہ کا تصور بھی شامل ہے۔ ہاتھ دھوتے ہوئے برے کاموں سے، منہ دھوتے ہوئے بری باتوں سے، اور پاؤں دھوتے ہوئے برے راستوں پر چلنے سے توبہ کی جاتی ہے۔ یہ جسمانی طہارت سے روحانی طہارت کی طرف ایک بہترین سفر ہے۔

غسل کا تصور: غسل (مکمل طہارت) انسان کو روحانی طور پر ایک نئی زندگی بخشتا ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ مومن اپنے ماضی کے تمام گناہوں کو دھو کر ایک نئی، پاکیزہ زندگی کا آغاز کر رہا ہے۔

لباس کی تبدیلی: صاف لباس پہننا بھی اسی روحانی تبدیلی کی ایک علامت ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ مومن نے گناہوں اور غفلت کا پرانا لباس اتار کر نیکی اور فرمانبرداری کا نیا لباس پہن لیا ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بارہا اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ حقیقی تبدیلی اندر سے آتی ہے۔ ظاہری اعمال اس اندرونی تبدیلی کا ذریعہ اور مظہر ہیں۔ جب ایک مومن لباس کی طہارت کے ظاہری اصول پر سختی سے کاربند ہوتا ہے، تو یہ ڈسپلن اسے اپنے باطن کی طہارت پر بھی مجبور کرتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ جس طرح میں میلے لباس میں اپنے مولا کے حضور پیش نہیں ہو سکتا، اسی طرح میں میلے دل کے ساتھ بھی ان کے حضور پیش نہیں ہو سکتا۔

فصل چہارم: سادگی، کفایت شعاری اور سماجی مساوات

اسلام کی تعلیمات میں سادگی اور اعتدال کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ قرآنِ مجید نے فضول خرچی کرنے والوں کو "شیطان کے بھائی" قرار دیا ہے حضرت نبی اکرم کی پوری زندگی سادگی کا اعلیٰ ترین نمونہ تھی۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اسی نبوی سنت کو زندہ کرتے ہوئے اپنے فرامین میں لباس کے معاملے میں سادگی، کفایت شعاری اور سماجی مساوات پر غیر معمولی زور دیا ہے۔

سادگی کا فلسفہ: تکبر اور روحانی عاجزی کا حصول

مہنگا، زرق برق اور قیمتی لباس پہننے کا ایک بڑا روحانی خطرہ یہ ہے کہ اس سے انسان کے دل میں تکبر اور غرور پیدا ہوتا ہے۔ وہ خود کو دوسروں سے برتر سمجھنے لگتا ہے اور اس کی توجہ خدا سے ہٹ کر اپنی ذات اور اپنی ظاہری شان و شوکت پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ تکبر وہ گناہ ہے جس نے عزازیل کو فرشتوں کی صف سے نکال کر شیطان بنا دیا تھا۔ امام علیہ السلام نے اس خطرے سے مومنین کو بار بار آگاہ فرمایا ہے۔

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں

اچھے کپڑے یہ نہیں کہ زری یعنی سونے چاندی کا بناؤ سنگار ہو۔ یہ بناؤ سنگار تو عورتوں کا ہے۔ یہ دُعا کے وقت پہننا ٹھیک نہیں۔ دُعا کے وقت سونے چاندی کی انگوٹھی پہن کر نہیں جانا چاہیئے، کیونکہ اس میں خدا خوش نہیں ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 10 جلِد 1)

یہاں امام علیہ السلام واضح طور پر قیمتی دھاتوں اور آرائش والے لباس کو عبادت کے وقت ناپسند فرما رہے ہیں، کیونکہ ایسی چیزیں انسان کی توجہ بھٹکاتی ہیں اور اس کے دل میں دنیاوی شان و شوکت کا خیال پیدا کرتی ہیں۔ سادگی اپنانے سے دل میں عاجزی اور انکساری پیدا ہوتی ہے، جو کہ روحانی ترقی کی پہلی سیڑھی ہے۔ جب انسان سادہ لباس میں ہوتا ہے تو اس کی توجہ اپنی ظاہری شخصیت کے بجائے اپنے باطن اور اپنے مولا کی طرف رہتی ہے۔

حضرت امام شاہ حسن علی شاہ علیہ السلام کے فرامین میں بھی درویشی اور سادگی کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

دنیا ایک مردار ہے اور اس کے طلبگار کتے ہیں، مومن کبھی بھی دنیا کے ساتھ دل نہیں لگاتے۔

آغا خان دوم حضرت مولانا امام آقا علی شاہ علیہ السلام

سرمایۂ آخرت، فرمان نمبر ۵

یہاں "دنیا" سے مراد دنیاوی کام کاج ترک کرنا نہیں، بلکہ دنیا کی محبت، اس کی شان و شوکت اور اس کی ظاہری چمک دمک میں کھو جانا ہے۔ قیمتی لباس اسی دنیاوی محبت کا ایک مظہر ہے، جس سے مومن کو بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

فرامینِ امام: فضول خرچی اور قیمتی لباس کی ممانعت

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنی جماعت کو، خصوصاً خواتین کو، لباس پر بے جا اخراجات سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے بار بار اس بات کی نشاندہی کی کہ قیمتی لباس نہ صرف ایک فضول خرچی ہے بلکہ اس کے سماجی نقصانات بھی بہت گہرے ہیں۔

افریقہ کی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا

تمہارے کپڑوں کا رنگ بھی سادہ ہونا چاہیئے ڈیلیوری گھر میں نہیں کرائیں بلکہ پبلک اسپتال میں جائیں کیونکہ وہاں کی نگہداشت سے تمہارے بچے سکھی اور تندرست پیدا ہونگے۔ ہم رنگون جماعت کو ہمیشہ اپنے نزدیک سمجھتے ہیں۔ تم سب ہمیں بہت پیارے ہو۔ ہم تمہیں بہت بہت دُعا فرماتے ہیں۔ خانہ وادان۔

(کلام امام مبین فرمان 327 جلد 2)

یہاں امام علیہ السلام لباس کی سادگی کو براہِ راست بچوں کی صحت اور بہتر نگہداشت جیسے اہم معاملے سے جوڑ رہے ہیں۔ یعنی جو پیسہ فضول لباس پر خرچ ہونا ہے، اسے خاندان کی صحت اور فلاح و بہبود پر خرچ کرنا چاہیے۔

:ایک اور موقع پر آپ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا

قیمتی زری کے کپڑے پہننے کے لئے ہم ہمیشہ منع فرماتے ہیں اور اس وقت بھی تمہارے روحانی باپ کے طور پر تم پر تمہیں منع فرماتے ہیں امیر عورتوں کو اچھے کپڑے پہنے دیکھ کر غریب عورتوں میں بھی قیمتی اور زری والے کپڑے پہننے کا حسد پیدا ہو گا۔ جسکی وجہ سے انکے شوہر یا والدین قرض لے کر قیمتی کپڑے خریدیں گے، اس سے ہم بہت ناراض ہیں۔

(کلام امام مبین فرمان 222 جِلد 2)

ایک اور موقع پر آپ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا

تم کپڑوں پر زیادہ خرچ مت کرو تم اچھے کپڑے پہن کر جماعت خانے اتے ہو وہاں تمھیں کون دیکھتا ہے ؟ جماعت خانے میں ہم بیٹھے ہوتے ہیں ہم تمہارے والدین یعنی ماہ اور باپ ہیں تو تم ہمیں دکھاتے ہو ؟
اس میں کوئی فائدہ نہیں پاک نظر رہنا بد نظری مت کرنا پاکیزگی کا لباس پہننا
کپڑوں کے متعلق ہم سختی سے فرماتے ہیں کہ سادہ لباس پہنو
قیمتی کپڑوں میں تمھارا دھیان عبادت میں نہیں لگے گا کپڑوں میں لگا رہے گا

(کلام امام مبین فرمان 207 جِلد 2)

یہ فرمان امام کی گہری سماجی بصیرت کا عکاس ہے۔ آپ صرف انفرادی روحانیت کی بات نہیں کر رہے، بلکہ پوری جماعت کی سماجی اور معاشی صحت کی فکر فرما رہے ہیں۔ آپ کے نزدیک امیروں کا فضول خرچ کرنا صرف ان کا ذاتی

معاملہ نہیں، بلکہ یہ غریبوں کے لیے حسد، مقابلے اور معاشی دباؤ کا باعث بنتا ہے، جس سے جماعتی اتحاد اور بھائی چارے کو نقصان پہنچتا ہے۔

اس اصول کا خلاصہ یہ ہے

کفایت شعاری: اپنی آمدنی کے مطابق خرچ کیا جائے اور لباس پر بے جا رقم ضائع نہ کی جائے۔

سماجی ذمہ داری: امیر افراد سادگی اختیار کرکے غریبوں کے لیے مثال قائم کریں۔

مقابلے کی دوڑ سے پرہیز: لباس کو سماجی حیثیت کی نمائش کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

امامت کے گھرانے سے عملی نمونہ .

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنی تعلیمات کو صرف الفاظ تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اپنے گھرانے کے عمل سے اس کی بہترین مثال قائم فرمائی۔ آپ نے متعدد مواقع پر اپنی بیگم، ماتا سلامت، کے سادہ لباس کی مثال پیش کی تاکہ جماعت، خصوصاً خواتین، اس سے سبق حاصل کریں۔

:رنگون کی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا

دیکھو، یہ بیگم صاحبہ ہیں، ان کے پاس کیا کچھ نہیں ہے؟ یہ اگر خرچ کرنا چاہیں تو خرچ کر سکتی ہیں، سب کچھ پہن سکتی ہیں۔ لیکن دیکھو، ان کا لباس کتنا سادہ ہے؟ عورتوں کے لئے یہ ایک مثال ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 327 جِلد 2)

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا

ہماری بیگم بھی گھر کا سارا کام اپنے ہاتھوں سے کرتی ہیں۔ جیسا کہ کھانا پکانا، کپڑے دھونا،... گھر میں صفائی ستھرائی رکھنا وغیرہ ، بیگم اپنے ہاتھ سے کرتی ہیں

(کلام امام مبین فرمان 476 جِلد 2)

یہ مثالیں انتہائی طاقتور ہیں۔ امام فرما رہے ہیں کہ امامت کے گھرانے کی خاتون، جن کے پاس دنیا کی ہر نعمت موجود ہے، وہ بھی سادگی، محنت اور کفایت شعاری کی زندگی گزارتی ہیں۔ تو پھر ایک عام مومن کو قیمتی لباس اور فضول خرچی میں پڑنے کا کیا جواز ہے؟ یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ سادگی ہی حقیقی شرافت اور وقار کی علامت ہے، نہ کہ ظاہری شان و شوکت۔

کفایت شعاری سے بچنے والی رقم کا بہترین مصرف ۔

امام علیہ السلام نے صرف فضول خرچی سے منع ہی نہیں فرمایا، بلکہ یہ بھی بتایا کہ اس بچائی ہوئی رقم کو کہاں استعمال کرنا چاہیے۔ آپ نے ہمیشہ اس بات کی ترغیب دی کہ جو پیسہ لباس اور دیگر غیر ضروری رسومات پر ضائع کیا جاتا ہے، اسے جماعتی فلاح و بہبود، تعلیم، صحت اور معاشی ترقی کے منصوبوں میں لگایا جائے۔

شادی کے موقع پر فضول خرچی سے منع کرتے ہوئے فرمایا

شادی کے وقت جہیز میں زیادہ کپڑے ، زیورات پر فضول خرچی کرنے کی بجائے، اُن پیسوں سے دی ڈائمنڈ جوبلی انوسٹمنٹ ٹرسٹ لمیٹڈ یا کوآپریٹو یا کارپوریشن کے شیئرز خرید نا زیادہ اچھا ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 516 جلد 2)

یہ ایک انقلابی تصور ہے۔ امام انفرادی بچت کو اجتماعی ترقی کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔ آپ فرما رہے ہیں کہ اپنی بیٹی کو چند جوڑے قیمتی لباس دینے کے بجائے، اس کے نام پر ٹرسٹ کے شیئرز خرید دو، تاکہ اس کا مستقبل معاشی طور پر محفوظ ہو سکے۔ یہ تعلیم ہمیں بتاتی ہے کہ کفایت شعاری کا مقصد صرف پیسہ بچانا نہیں، بلکہ اس پیسے کو ایک مثبت اور تعمیری مقصد کے لیے استعمال کرنا ہے، جس سے فرد اور جماعت دونوں کو فائدہ پہنچے۔

اس طرح، لباس میں سادگی کا اصول صرف ایک انفرادی روحانی مشق نہیں رہتا، بلکہ یہ ایک طاقتور سماجی اور معاشی حکمت عملی بن جاتا ہے جو پوری جماعت کی ترقی اور خوشحالی کی بنیاد رکھتی ہے۔

فصل پنجم: وقار، حیا اور خودداری

اسلام میں لباس کا ایک بنیادی مقصد انسانی وقار اور حیا کا تحفظ ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جو انسان کو حیوانی سطح سے بلند کرکے اسے "اشرف المخلوقات" کے مرتبے پر فائز کرتی ہیں۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کے فرامین میں لباس کے اس پہلو پر بھی گہری روشنی ڈالی گئی ہے، جس میں ظاہری ستر پوشی کو باطنی خودداری اور روحانی پاکیزگی سے جوڑا گیا ہے۔

لباس کا بنیادی مقصد: ستر پوشی اور انسانی وقار۔

جیسا کہ قرآنِ مجید نے واضح فرمایا، لباس کا اولین مقصد "يُوَارِي سَوْآتِكُمْ" (تمھاری شرم کی چیزیں چھپائے) ہے۔ یہ مقصد صرف جسمانی عریانیت کو ڈھانپنا نہیں ہے، بلکہ یہ انسان کو اس کی روحانی اور اخلاقی ذمہ داریوں کا احساس دلاتا ہے۔ ایک باوقار لباس انسان کی شخصیت میں سنجیدگی، متانت اور خود اعتمادی پیدا کرتا ہے۔ یہ اسے یاد دلاتا ہے کہ وہ ایک معزز مخلوق ہے اور اسے اپنے اعمال و افکار میں بھی اسی وقار کو برقرار رکھنا چاہیے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے خصوصاً خواتین کو ایسے لباس پہننے کی ہدایت فرمائی جو نہ صرف ستر پوشی کے تقاضے پورے کرے بلکہ ان کی شخصیت کو پروقار بنائے۔

تم عورتیں جس طرح کے کپڑے پہنتی ہو اس سے جسم اورپیٹ نظر آتا ہے۔ اسلئے ایسا لباس پہنو، جن سے جسم نظر نہ آئے یا گنجی فراک پہنو۔ گنجی فراک پہنا زیادہ مناسب ہے یا پھر پراؤں پہنا کرو تاکہ اس سے جسم اورپیٹ نظر نہ آئے۔"

(کلام امام مبین فرمان 181 جلد 2)

اس فرمان میں صرف جسم کو چھپانے کا حکم نہیں ہے، بلکہ اس کے پیچھے ایک گہری حکمت پوشیدہ ہے۔ ایسا لباس جو جسم کے نشیب و فراز کو نمایاں کرے، وہ نہ صرف دیکھنے والے کے ذہن میں برے خیالات پیدا کر سکتا ہے بلکہ پہننے والے کی اپنی توجہ بھی جسمانیت کی طرف مبذول کراتا ہے، جس سے روحانی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ ایک ڈھیلا ڈھالا اور باوقار لباس انسان کو جسمانی احساسات سے بلند کرکے روحانی افکار کی طرف راغب کرتا ہے۔

گھونگھٹ کی رسم کی مخالفت اور اس کی حکمت

امامِ عالی مقام علیہ السلام نے جہاں ایک طرف حیا اور وقار پر مبنی لباس کی تاکید فرمائی، وہیں دوسری طرف ان رسومات کی سختی سے مخالفت کی جو دین کا حصہ نہیں ہیں اور عورت کی ترقی اور آزادی میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ ان میں سے ایک گھونگھٹ نکالنے کی رسم تھی۔ امام علیہ السلام نے اس رسم کو متعدد وجوہات کی بنا پر ناپسند فرمایا

غیر اسلامی رسم: یہ رسم اسلام کی تعلیمات کا حصہ نہیں، بلکہ مقامی ثقافتوں سے جماعت میں داخل ہوئی تھی۔

عملی مشکلات: گھونگھٹ نکالنے سے عورت کو دیکھنے، چلنے پھرنے اور کام کاج کرنے میں شدید دشواری ہوتی ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: "گھونگھٹ نکال کر سڑک پر چلو گے تو گاڑی سے ٹکرا جاؤ گی۔ گھونگھٹ نکالنے سے گر پڑو گی اس

سے کیا فائدہ؟

(کلام امام مبین فرمان 274 جِلد 2)

صحت کے لیے مضر: چہرے کو ہر وقت ڈھانپے رکھنے سے عورت تازہ ہوا اور دھوپ جیسی قدرتی نعمتوں سے محروم رہ جاتی ہے، جو اس کی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔

باطنی حیا کی اہمیت: امام نے یہ نکتہ واضح کیا کہ اصل پردہ ظاہری کپڑے کا نہیں، بلکہ دل اور آنکھوں کا ہے۔ اگر دل میں حیا اور آنکھوں میں شرم ہو تو ظاہری گھونگھٹ کی ضرورت نہیں۔

اس حوالے سے آپ کا یہ فرمان انتہائی اہم ہے

تمہارے لئے ظاہری برقعہ نہیں ہے۔ تمہارے لئے دل کا برقعہ ہے۔ تم اپنے دل میں شرم رکھو۔ ہمیشہ تمہارا دل شرم سے بھرا رہے۔ عورتیں، اپنے خاوند کے سوا کہیں بھی خراب خیال نہیں دوڑانا۔

(کلام امام مبین فرمان 109 جِلد 1)

یہاں امام حیا کے حقیقی تصور کو واضح کر رہے ہیں۔ حقیقی حیا دل کی پاکیزگی اور خیالات کی پاکیزگی کا نام ہے۔ اگر دل پاک ہے تو انسان ظاہری طور پر بھی باوقار رہے گا۔ اس تعلیم نے اسماعیلی خواتین کو غیر ضروری رسومات کی قید سے آزاد کرکے انہیں عملی زندگی میں مردوں کے شانہ بشانہ اپنا کردار ادا کرنے کا موقع فراہم کیا، جبکہ ان کے وقار اور حیا کے تحفظ کو بھی یقینی بنایا۔

یہ بھی یاد رکھا جائے کہ برقعہ جس سے انسان عورت کو ایک عام روایت کے مطابق "نینجا ٹرٹل" کی مانند بنا دیتا ہے، اس کی **امام علیہ السلام نے تردید فرمائی ہے۔**

یہ طرزِ عمل عورت کو ایک ایسی مخلوق بنا دیتا ہے جس کی انفرادی شناخت اور نسوانی شناخت کو مکمل طور پر چھپا دیا جاتا ہے، جیسے کہ وہ صرف ایک ڈھکی چھپی شے ہو یعنی عورت کو اس طرح چھپایا جائے کہ وہ ایک انسان کے بجائے گویا **کوئی نینجا ٹرٹل** دکھائی دے ۔

البتہ **جسم کے مخصوص حصوں کو ڈھانپنے کے احکام** پر واضح اور تفصیلی روایات وارد ہوئی ہیں، جن پر اہلِ علم کی تفصیلی بحث موجود ہے۔

مردوں کے لباس میں وقار

اگرچہ امام علیہ السلام کے اکثر فرامین خواتین کے لباس سے متعلق ہیں، لیکن وقار کا اصول مردوں پر بھی اسی طرح لاگو ہوتا ہے۔ مردوں کو بھی ایسا لباس پہننے سے گریز کرنا چاہیے جو غیر سنجیدہ، بے ہودہ یا تکبر کی علامت ہو۔ ایک مومن مرد کا لباس بھی اس کی شخصیت کی متانت، اس کے کردار کی مضبوطی اور اس کی روحانی سنجیدگی کا عکاس ہونا چاہیے۔ سادہ، صاف اور موقع محل کی مناسبت سے پہنا گیا لباس مرد کے وقار میں اضافہ کرتا ہے۔

امام علیہ السلام نے خوجہ لباس کی حوصلہ افزائی کی اور نئے آنے والے مومنین کو بھی اسے اپنانے کا مشورہ دیا تاکہ جماعتی اتحاد اور یکجہتی کا تاثر قائم ہو۔

(کلام امام مبین فرمان 387 جِلد 2)

اسی طرح عملداروں کے لیے ایک مخصوص لباس (جُبہ اور پگڑی) مقرر فرمایا تاکہ ان کے عہدے کا وقار قائم رہے۔

(کلام امام مبین فرمان 547 جِلد 2)

یہ تمام ہدایات اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ مردوں کے لباس میں بھی وقار اور ایک اجتماعی شناخت کو اہمیت دی گئی ہے۔

دل کا پردہ: ظاہری پردے سے زیادہ باطنی حیا کی اہمیت

امام علیہ السلام کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ لباس کے تمام ظاہری اصولوں کا حتمی مقصد باطنی پاکیزگی اور روحانی ترقی ہے۔ اصل پردہ، اصل حیا اور اصل وقار دل کا ہے۔ اگر دل پاک نہیں تو بہترین لباس بھی بے معنی ہے۔ اور اگر دل پاک ہے تو سادہ ترین لباس بھی انسان کو پروقار بنا دیتا ہے۔

امام نے "دل کے پردے" کا جو تصور دیا ہے، وہ انتہائی گہرا ہے۔ اس کا مطلب ہے.

آنکھوں کی حیا: پرائی عورت یا مرد کو بری نظر سے نہ دیکھنا۔.

خیالات کی پاکیزگی: اپنے ذہن میں کسی کے لیے برے یا شہوانی خیالات نہ آنے دینا۔.

زبان کی پاکیزگی: غیبت، چغلی، اور بے ہودہ باتوں سے پرہیز کرنا۔

دل کی پاکیزگی: کینہ، حسد، بغض اور تکبر جیسے جذبات سے دل کو پاک رکھنا۔

جب ایک مومن اس "دل کے پردے" کو اپنا لیتا ہے تو اس کا ہر عمل، بشمول اس کا لباس، خود بخود وقار اور حیا کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ اس کا ظاہری لباس اس کے پاکیزہ باطن کا ترجمان بن جاتا ہے۔ جیسا کہ امام علیہ السلام نے فرمایا

جو مومن ہے، انکو اپنے دل کی آنکھیں صاف اور پاک رکھنی چاہئیں۔ دیدار کر کے جو بد نظر کرتا ہے، اسکو آگ کا بدلہ ملتا ہے۔ تمہارے کام اور دل ہمیشہ صاف ہوں

(کلام امام مبین فرمان 107 جِلد 1)

لہذا، لباس کا وقار صرف کپڑوں کی وضع قطع پر منحصر نہیں، بلکہ اس روح پر منحصر ہے جس کے ساتھ وہ لباس پہنا گیا ہے۔ یہ روح ایمان، حیا اور خودداری کی روح ہے۔

حکمتِ امامت: دنیاوی ترقی اور روحانی شناخت میں توازن .

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس بات کو بھی یقینی بنایا کہ جماعت اپنی حقیقی روحانی شناخت کو نہ کھوئے۔ آپ نے بار بار یہ واضح کیا کہ اصل چیز باطن ہے، ایمان ہے، اور امام علیہ السلام سے محبت ہے۔ ظاہری لباس صرف ایک خول ہے، اصل جوہر روح کی پاکیزگی ہے۔

آپ نے فرمایا:

بدن کو نہیں بلکہ نور کو دیکھو۔ ہمارے خیالات بھی تمہارے لئے روحانی ہیں۔" (کلامِ امامِ مبین، فرمان نمبر ۲۶۲، صفحہ "
(۹۴

اور ایک دوسرے انتہائی اہم فرمان میں ارشاد فرمایا

ہم لباس نہیں دیکھتے بلکہ روح کو دیکھتے ہیں۔

(کلام امام مبین فرمان 354 جِلد 2)

ان فرامین نے ایک بہترین توازن قائم کیا۔ ایک طرف مومنین کو دنیاوی ترقی کے لیے ہر ممکن وسیلہ اختیار کرنے کی اجازت دی گئی، اور دوسری طرف انہیں یاد دلایا گیا کہ ان کی اصل شناخت ان کا اسماعیلی عقیدہ، ان کا امام پر ایمان،

اور ان کے نیک اعمال ہیں۔ یہ تعلیم اس تنگ نظری کی نفی کرتی ہے جو مذہب کو چند ظاہری رسومات اور مخصوص لباس تک محدود کر دیتی ہے۔

یہ حکمت عملی آج کے گلوبلائزڈ دور میں اور بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ آج جب دنیا ایک عالمی گاؤں بن چکی ہے، اور مختلف ثقافتیں ایک دوسرے سے قریب آ رہی ہیں، امام علیہ السلام کی یہ تعلیم ہمیں سکھاتی ہے کہ کس طرح اپنی جڑوں سے جڑے رہتے ہوئے دنیا کے ساتھ ہم آہنگ ہوا جا سکتا ہے۔

لباس اور جماعتی اتحاد

امام علیہ السلام نے لباس کو جماعتی اتحاد اور یکجہتی کے فروغ کا ذریعہ بھی بنایا۔ آپ نے مختلف علاقوں (مثلاً کچھی، کاٹھیاواڑی، سندھی) سے تعلق رکھنے والے مومنین کو آپس میں فرق مٹانے اور ایک متحدہ اسماعیلی شناخت اپنانے کی تاکید کی۔ لباس اس اتحاد کا ایک ظاہری مظہر بن سکتا ہے۔ جب مختلف پس منظر سے تعلق رکھنے والے لوگ ایک جیسا (مقامی) لباس پہنتے ہیں تو ان کے درمیان ظاہری فرق مٹ جاتے ہیں اور بھائی چارے کا احساس مضبوط ہوتا ہے۔

آپ نے کراچی میں فرمایا

کچھی، کاٹھیاواری، سندھی سب کے ساتھ ایک ہو جاؤ... ایک دوسرے کو اپنی بیٹیاں دو یعنی ایک دوسرے کے ساتھ "شادی کے ذریعے تعلق رکھو۔

(کلام امام مبین فرمان 274 جِلد 2)

اس فرمان کا تعلق اگرچہ بنیادی طور پر شادی بیاہ سے ہے، لیکن اس کی روح لباس اور دیگر ثقافتی معاملات پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ جب تمام مومنین خود کو صرف "اسماعیلی" سمجھیں گے، نہ کہ کچھی یا کاٹھیاواڑی، تو وہ لباس اور رہن سہن میں بھی یکسانیت اور ہم آہنگی کو فروغ دیں گے، جس سے جماعتی اتحاد کو مزید تقویت ملے گی۔

حصہ سوم: لباس کے سماجی اور معاشی پہلو

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کی تعلیمات کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ روحانیت کو روزمرہ کی عملی زندگی سے الگ نہیں کرتیں۔ آپ نے لباس جیسے بظاہر ذاتی معاملے کو بھی جماعت کی وسیع تر سماجی اور معاشی حکمت عملی

سے جوڑا ہے۔ آپ کے فرامین ہمیں بتاتے ہیں کہ ہمارا لباس نہ صرف ہماری انفرادی روحانیت پر اثر انداز ہوتا ہے بلکہ اس کے گہرے سماجی اور معاشی مضمرات بھی ہیں۔

فصل ہفتم: لباس اور معاشی حکمت عملی

کفایت شعاری کے معاشی فوائد

جیسا کہ ہم پچھلی فصل میں بحث کر چکے ہیں، امام علیہ السلام نے لباس پر بے جا اور فضول اخراجات سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اس کی ایک وجہ روحانی تھی (تکبر سے بچاؤ)، لیکن دوسری، اور شاید اتنی ہی اہم وجہ، معاشی تھی۔ امام علیہ السلام اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ ایک ترقی پذیر جماعت کے لیے مالی وسائل کی کتنی اہمیت ہے۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ جماعت اپنی محنت کی کمائی کو کپڑوں اور زیورات جیسی غیر پیداواری اشیاء پر ضائع کر دے۔

آپ علیہ السلام نے بار بار تاکید فرمائی کہ سادگی اور کفایت شعاری سے بچائی گئی رقم کو تعلیم، صحت، کاروبار اور دیگر تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔
شادی بیاہ اور ایسے موقعوں پر کہیں بھی خرچ نہیں کرنا۔ دنیادی ضیافتیں بند کرو اور ہر مہینے بچت کر کے اس رقم کو بیمہ پالیسی، زمین اور ضمانت شدہ سرکاری ملکیت میں روکو۔
(کلام امام مبین فرمان 461 جِلد 2)

یہ فرمان ایک مکمل معاشی منصوبہ پیش کرتا ہے۔ امام علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ شادی بیاہ کی فضول رسومات پر پیسہ ضائع کرنے کے بجائے، اس رقم کی بچت کرکے اسے انوسٹمنٹ میں لگایا جائے، جیسے کہ انشورنس پالیسی خریدنا یا جائیداد میں سرمایہ کاری کرنا۔ یہ ایک فرد کے ذاتی مالی استحکام کے لیے بھی ضروری ہے اور اجتماعی طور پر جماعت کی معاشی قوت میں بھی اضافے کا باعث بنتا ہے۔

جب جماعت کے افراد معاشی طور پر مستحکم ہوں گے، تو وہ نہ صرف اپنے خاندان کی بہتر پرورش کر سکیں گے بلکہ جماعتی اداروں، جیسے کہ اسکول، اسپتال اور کو-آپریٹو سوسائٹیوں، کی مدد کرنے کے بھی قابل ہوں گے۔ اس طرح، لباس میں کفایت شعاری کا ایک چھوٹا سا عمل پوری جماعت کی معاشی ترقی کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

مقامی صنعتوں کی حوصلہ افزائی

امام علیہ السلام کی تعلیمات میں معاشی خود انحصاری پر بہت زور دیا گیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے ہمیشہ مومنین کو محنت کرنے، کاروبار کرنے اور اپنی معاشی حالت کو بہتر بنانے کی ترغیب دی۔ اسی سلسلے میں، آپ نے مقامی صنعتوں، خصوصاً ہاتھ سے بنے ہوئے کپڑوں (کھادی) کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

راجکوٹ میں ایک موقع پر آپ نے فرمایا

ہم نے بھی کاٹن ہی پہنی ہے... سیاست کے لئے نہیں لیکن اپنے بھائیوں کو کام دینے کی غرض سے انہیں کے ہاتھ کے بنے ہوئے کپڑے پہنو اور ان کی حوصلہ افزائی کرو۔

(کلام امام مبین فرمان 226 جِلد 2)

(کلام امام مبین فرمان 227 جِلد 2)

یہ فرمان امام کی گہری معاشی بصیرت اور اپنی جماعت کے لیے محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ فرما رہے ہیں کہ مقامی طور پر تیار کردہ کپڑا پہننے کا مقصد صرف سادگی یا سیاسی بیان بازی نہیں، بلکہ اس کا اصل مقصد اپنے ہی غریب بھائیوں کے کاروبار کو سہارا دینا ہے۔ جب جماعت کے امیر افراد مقامی طور پر تیار کردہ اشیاء خریدیں گے تو اس سے غریب کاریگروں اور چھوٹے بیوپاریوں کی آمدنی میں اضافہ ہوگا، پیسہ جماعت کے اندر ہی گردش کرے گا، اور پوری جماعت معاشی طور پر مضبوط ہوگی۔

یہ اصول آج بھی اتنا ہی اہم ہے۔ جب ہم مقامی طور پر تیار کردہ لباس یا دیگر اشیاء کو غیر ملکی برانڈز پر ترجیح دیتے ہیں، تو ہم نہ صرف کفایت شعاری کرتے ہیں بلکہ اپنے ملک اور اپنی جماعت کی معاشی ترقی میں بھی حصہ ڈالتے ہیں۔

شادی بیاہ اور دیگر رسومات میں لباس پر بے جا اخراجات کی ممانعت

شادی بیاہ اور دیگر سماجی تقریبات ایسے مواقع ہوتے ہیں جہاں لوگ اکثر دکھاوے اور سماجی دباؤ کے تحت اپنی حیثیت سے بڑھ کر لباس اور دیگر چیزوں پر خرچ کرتے ہیں۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس رسم کو جماعت کے لیے انتہائی نقصان دہ قرار دیا اور اس کی سختی سے ممانعت فرمائی۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

شادی کا کام گھنٹوں میں ختم کر دینا چاہیئے چار چار دن کی شادی کی رسمیں اپنے اسماعیلی دین میں بالکل نہیں

ہیں۔

(کلام امام مبین فرمان 213 جِلد 2)

ایک اور موقع پر آپ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مالدار لوگ کم خرچ کریں، تاکہ غریب لوگ بھی کم خرچ کریں۔

(کلام امام مبین فرمان 229 جِلد 2)

امام علیہ السلام کی نظر میں، شادی کی لمبی اور پر خرچ رسومات نہ صرف وقت اور پیسے کا ضیاع ہیں بلکہ یہ غریب خاندانوں پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ بھی ہیں۔ جب امیر لوگ سادگی سے شادیاں کریں گے تو غریبوں کو بھی ہمت ملے گی اور وہ قرض کے بوجھ تلے دبے بغیر اپنے بچوں کی شادیاں کر سکیں گے۔

آپ نے جہیز کے تصور کی بھی حوصلہ شکنی کی اور اس کی جگہ "حق مہر" کو اہمیت دی، جو کہ عورت کا شرعی حق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حق مہر کی رقم معقول ہونی چاہیے تاکہ خدانخواستہ طلاق کی صورت میں عورت معاشی طور پر لاچار نہ ہو جائے۔

(کلام امام مبین فرمان 570 جِلد 2)

۔ یہ تمام ہدایات اس بات کو یقینی بناتی ہیں کہ شادی ایک مقدس اور خوشگوار فریضہ رہے، نہ کہ ایک معاشی بوجھ اور سماجی نمائش کا ذریعہ۔

دی ڈائمنڈ جوبلی انوسٹمنٹ ٹرسٹ کا قیام اور معاشی خود مختاری

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کی معاشی حکمت عملی کا سب سے بڑا اور تاریخ ساز قدم "دی ڈائمنڈ جوبلی انوسٹمنٹ ٹرسٹ" اور اس سے منسلک کو-آپریٹو سوسائٹیوں اور کارپوریشنوں کا قیام تھا۔ یہ ادارے جماعت کو معاشی غلامی سے نکال کر خود انحصاری کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے بنائے گئے تھے۔

دارالسلام میں اپنی تاریخی تقریر میں امام نے فرمایا

مستقبل دھندلا اور ڈراؤنا معلوم ہوتا تھا... اس کے لئے، جس وقت ہم کچھ عرصہ سوئیٹزرلینڈ میں رہتے تھے، تب ہم نے سب سے پہلا قدم اٹھانے کے لئے ایک بینک قائم کرنے کی تاکید فرمائی تھی۔

(کلام امام مبین فرمان 553 جلد 2)

یہ ادارے جماعت کو قرضے فراہم کرتے ہیں تاکہ وہ اپنا کاروبار شروع کر سکیں، مکانات تعمیر کر سکیں اور اپنی معاشی حالت کو بہتر بنا سکیں۔ لباس میں کفایت شعاری کا اصول اس وسیع تر معاشی منصوبے کا ایک اہم حصہ ہے۔ جب مومنین لباس پر فضول خرچی کرنے کے بجائے اپنی بچت کو ان اداروں میں انوسٹ کریں گے، تو اس سے نہ صرف ان کو ذاتی طور پر منافع ملے گا، بلکہ اجتماعی سرمائے میں بھی اضافہ ہوگا، جس سے پوری جماعت مستفید ہوگی۔

اس طرح، حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کی تعلیمات میں، لباس کا ایک سادہ سا انتخاب بھی جماعت کی معاشی تقدیر سے جڑا ہوا ہے۔ یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ایک مومن کا ہر عمل، خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، اگر امام علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق کیا جائے تو وہ پوری جماعت کے لیے خیر و برکت کا باعث بن سکتا ہے۔

فصل ہشتم: یونیفارم اور اجتماعی شناخت

جماعتی زندگی میں جہاں انفرادی روحانیت کو اہمیت حاصل ہے، وہیں اجتماعی شناخت، نظم و ضبط اور اتحاد بھی انتہائی ضروری ہیں۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے شیعہ اسماعیلی جماعت کو ایک منظم اور قوم بنانے کے لیے متعدد اداروں کا قیام فرمایا، جن میں والنٹیئر کور، بوائے اسکاؤٹس اور گرلز گائیڈز کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان اداروں کی پہچان اور ان کے نظم و ضبط کی علامت ان کا مخصوص لباس یعنی "یونیفارم" ہے۔ یونیفارم صرف کپڑوں کا ایک سیٹ نہیں، بلکہ یہ خدمت، اتحاد، مساوات اور ایک اعلیٰ مقصد سے وابستگی کا نشان ہے۔

والنٹیئر کور، اسکاؤٹس اور گرلز گائیڈ کا لباس: ڈسپلن اور اتحاد کی علامت

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے والنٹیئرز کو "مولا کا لشکر" قرار دیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا شرف اور ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ لشکر کی سب سے پہلی پہچان اس کا نظم و ضبط (ڈسپلن) اور اس کے سپاہیوں کا اتحاد ہوتا ہے۔ یونیفارم اسی ڈسپلن اور اتحاد کا سب سے نمایاں ظاہری مظہر ہے۔

جب تمام والنٹیئرز، خواہ وہ امیر ہوں یا غریب، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں یا کم پڑھے لکھے، ایک جیسا یونیفارم پہن کر خدمت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، تو ان کے درمیان تمام دنیاوی فرق مٹ جاتے ہیں۔ وہ صرف اور صرف "مولا کے سپاہی" ہوتے ہیں۔ یہ یونیفارم ان کے دلوں میں مساوات کا احساس پیدا کرتا ہے اور انہیں یاد دلاتا ہے کہ وہ ایک ہی مقصد کے لیے، ایک ہی امام کی خدمت کے لیے، اور ایک ہی جماعت کی بھلائی کے لیے کام کر رہے ہیں۔

امام علیہ السلام نے اس نکتے کو ایک خوبصورت مثال سے واضح فرمایا
ہندوؤں کے دیوتاؤں کی مورتی کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے ایک دیو کے دس ہاتھ ہوتے ہیں، اسے دیکھ کر نادان لوگ ہنستے ہیں۔ لیکن اس میں بھی فلسفہ ہے۔ ان کے دس ہاتھ ہوتے ہیں لیکن جسم ایک ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح تم پچپن (۵۵) والنٹیئر کے ایک سو دس (۱۱۰) ہاتھ ہیں، لیکن دل ایک ہی ہونا چاہیئے ۔ جب تم سب کا دل ایک ہوگا، تب ہمارا دل بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔
(کلام امام مبین فرمان 211 جِلد 2)

یہاں امام علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ جس طرح ایک جسم کے کئی ہاتھ ہوتے ہیں مگر وہ سب ایک ہی دماغ کے تابع ہوتے ہیں، اسی طرح والنٹیئر کور کے تمام اراکین الگ الگ فرد ہونے کے باوجود ایک دل اور ایک جان ہو کر کام کریں۔ یونیفارم اسی "ایک جسم" ہونے کی علامت ہے۔ یہ انہیں انفرادیت سے نکال کر اجتماعیت کا درس دیتا ہے۔

یونیفارم پہننے کے اصول و ضوابط

چونکہ یونیفارم ایک مقدس خدمت کی علامت ہے، اس لیے اسے پہننے کے بھی کچھ آداب اور اصول ہیں۔ امام علیہ السلام نے اس بات کی تاکید فرمائی کہ یونیفارم کو اس کے شایانِ شان عزت اور وقار دیا جائے۔

مخصوص مواقع پر استعمال: امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یونیفارم کو ہر وقت نہیں پہننا چاہیے، بلکہ صرف مخصوص مواقع جیسے کہ امام کی سالگرہ، حکومتی تہوار، یا جب وہ ڈیوٹی پر ہوں، تب ہی پہننا چاہیے۔ اس سے یونیفارم کی اہمیت اور وقار قائم رہتا ہے۔ "والینٹروں کو صرف حاضر امام علیہ السلام کے یوم پیدائش کی خوشحالی کے موقع پر اور اسی طرح کے تہواروں کے موقع پر یونیفارم پہننا چاہیئے۔ ہمیشہ پہننے سے اسکی اہمیت نہیں رہتی۔

(کلام امام مبین فرمان 280 جِلد 2)

خدمت کا جذبہ: یونیفارم پہننے کا مقصد صرف ظاہری نمائش نہیں، بلکہ خدمت کا جذبہ ہونا چاہیے۔ جو والنٹیئر ٹھیک طرح سے کام نہ کرتا ہو، اس کا یونیفارم پہننا بے معنی ہے۔ "جو وائینٹیر ڈیوٹی پر ریگولر نہ ہو اور ٹھیک طرح کام نہ کرتا ہو تو اسکا لباس (یونیفارم) پہننا بھی قابل توہین ہے

(کلام امام مبین فرمان 242 جِلد 2)

اطاعت اور ڈسپلن: یونیفارم پہننے والے پر لازم ہے کہ وہ اپنے لیڈران کی مکمل اطاعت کرے۔ لشکر میں انفرادی رائے کی نہیں، بلکہ سردار کے حکم کی اہمیت ہوتی ہے۔ "لشکر اور عملداروں میں ایک دلی نہ ہو تو جنگ فتح نہیں ہو سکتی اسلئے ایک دلی کی خاص ضرورت ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 219 جِلد 2)

یہ اصول اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ یونیفارم صرف ایک لباس نہ رہے، بلکہ یہ خدمت، ڈسپلن اور اطاعت کے روحانی اوصاف پیدا کرنے کا ایک ذریعہ بن جائے۔

اجتماعی شناخت اور انفرادی روحانیت میں تعلق

ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اجتماعی شناخت اور یونیفارم کا انفرادی روحانیت سے کیا تعلق ہے؟ شیعہ اسماعیلی تعلیمات کے مطابق، یہ دونوں ایک دوسرے سے گہرائی سے جڑے ہوئے ہیں۔ جب ایک مومن اپنی انفرادی انا کو جماعت کی اجتماعی بھلائی کے لیے قربان کرتا ہے، تو یہ اس کی روحانی ترقی کا ایک اہم قدم ہوتا ہے۔

یونیفارم پہن کر، ایک والنٹیئر اپنی ذاتی پہچان کو پسِ پشت ڈال کر خود کو ایک بڑے مقصدِ امام اور جماعت کی خدمت کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ یہ عمل اس کے اندر عاجزی، بے غرضی اور بھائی چارے کے جذبات کو فروغ دیتا ہے۔ وہ یہ سیکھتا ہے کہ اس کی انفرادی خوشی جماعت کی خوشی میں ہے، اور اس کی انفرادی ترقی جماعت کی ترقی سے وابستہ ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے ہمیشہ جماعت کو ایک "جسم" سے تشبیہ دی ہے۔
جماعت ہمارا بدن ہے، اگر اس میں کوئی تکلیف ہو تو ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ اگر تم میں آپس میں عداوت ہو تو ہمیں تکلیف پہنچتی ہے۔ تم ہمارا جسم ہو، تم میں عداوت ہوگی تو ہمارے جسم کو ایذا (تکلیف) پہنچتی ہے
(کلام امام مبین فرمان 47 جِلد 1)

یونیفارم پہننا اسی "ایک جسم" کا حصہ ہونے کا عملی اقرار ہے۔ یہ انفرادی روح کو اجتماعی روح سے جوڑتا ہے۔ جب ایک والنٹئیر جماعت کی خدمت کرتا ہے، تو وہ درحقیقت اپنے ہی روحانی جسم کی خدمت کر رہا ہوتا ہے، اور جب وہ امام علیہ السلام کی خوشنودی حاصل کرتا ہے، تو وہ اپنی ہی روحانی نجات کا سامان کرتا ہے۔ اس طرح، یونیفارم کے ذریعے قائم ہونے والی اجتماعی شناخت، انفرادی روحانیت کی تکمیل کا ایک لازمی جزو بن جاتی ہے۔

حصہ چہارم: نتیجہ اور حاصلِ بحث

اس طویل اور گہری بحث کے بعد، اب ہم اس مقام پر ہیں کہ حضرت امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ کی لباس سے متعلق تعلیمات کا خلاصہ پیش کریں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ ان ہدایات کا حتمی مقصد کیا ہے اور آج کے جدید دور میں ہم ان پر کس طرح عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

فصل نہم: لباس بحیثیت روحانی عمل

خلاصہ: امام کی تعلیمات کا نچوڑ
حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کی لباس سے متعلق تعلیمات کو چند بنیادی نکات میں سمیٹا جا سکتا ہے

باطن کی اولیت: لباس کا اصل مقصد روح کی پاکیزگی اور تقویٰ کا حصول ہے۔ ظاہری لباس اسی باطنی حالت کا عکاس ہونا چاہیے۔

سادگی اور کفایت شعاری: لباس سادہ، صاف اور آرام دہ ہو، فضول خرچی اور دکھاوے سے پاک ہو۔ بچائی گئی رقم کو تعمیری اور فلاحی مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔

وقار اور حیا: لباس ایسا ہو جو انسانی وقار کو بلند کرے اور حیا کے تقاضوں کو پورا کرے۔ اصل پردہ آنکھوں اور دل کا ہے۔

اجتماعی اتحاد: لباس کو جماعتی اتحاد، مساوات اور بھائی چارے کو فروغ دینے کا ذریعہ بنایا جائے۔

یہ اصول مل کر ایک ایسا جامع ضابطہ تشکیل دیتے ہیں جو نہ صرف مومن کی انفرادی روحانی زندگی کی رہنمائی کرتا ہے بلکہ پوری جماعت کی سماجی اور معاشی فلاح و بہبود کا بھی ضامن ہے۔

مومن کا حقیقی لباس: ایمان، عملِ صالح اور عشقِ حقیقی

امام علیہ السلام کی تمام تعلیمات کا حتمی نکتہ یہ ہے کہ مومن کا حقیقی لباس کوئی کپڑا نہیں، بلکہ اس کا ایمان، اس کے نیک اعمال اور زمانے کے امام علیہ السلام کے لیے اس کا سچا عشق ہے۔ یہ وہ روحانی لباس ہے جو اسے دنیا اور آخرت، دونوں میں سرخرو کرتا ہے۔

ایمان کا لباس: ایمان وہ بنیاد ہے جس پر تمام اعمال کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اگر ایمان مضبوط ہے، جیسا کہ امام علیہ السلام نے فرمایا "پہاڑ جیسا"، تو کوئی بھی طوفان اسے متزلزل نہیں کر سکتا۔ یہ ایمان ہی ہے جو مومن کو شیطان کے وسوسوں اور دنیا کی چکاچوند سے بچاتا ہے۔

عملِ صالح کا لباس: نیک اعمال وہ زیور ہیں جن سے مومن اپنی روح کو سجاتا ہے۔ سچ بولنا، امانت داری، دوسروں کی مدد کرنا، غیبت اور حسد سے بچنا یہ سب وہ پھول ہیں جو تقویٰ کے لباس کو مہکاتے ہیں۔

عشقِ حقیقی کا لباس: سب سے اعلیٰ اور قیمتی لباس امامِ زماں علیہ السلام کے لیے سچا، بے لوث اور غیر مشروط عشق ہے۔ یہ عشق ہی ہے جو مومن کے دل کو تمام برائیوں سے پاک کرتا ہے اور اسے ہر لمحہ اپنے مولا کی یاد میں مشغول رکھتا ہے۔ یہی وہ عشق ہے جو "مومن کے دل کو امام علیہ السلام کے رہنے کا بنگلہ" بنا دیتا ہے۔

جیسا کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:

اپنے دین کی بنیاد محبت اور اتحاد پر ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 198 جِلد 2)

اور

دین کا پایہ عشق ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 110 جِلد 1)

جب مومن ان تینوں ایمان، عمل اور عشق کے لباس زیبِ تن کر لیتا ہے، تو اس کا ظاہری لباس خود بخود ان ہی صفات کا آئینہ دار بن جاتا ہے۔ پھر اسے کسی ظاہری اصول کی زیادہ ضرورت نہیں رہتی، کیونکہ اس کا باطن خود اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

فرمانِ امام: "ہم لباس نہیں دیکھتے بلکہ روح کو دیکھتے ہیں" کی حتمی تشریح

یہ فرمان حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کی لباس سے متعلق تمام تعلیمات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ظاہری لباس کی کوئی اہمیت نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری لباس کی اہمیت اس کی باطنی حقیقت کی وجہ سے ہے۔ امام روح کو دیکھتے ہیں، اور روح کی حالت کا اندازہ اس کے اعمال، اس کے اخلاق اور اس کی نیت سے ہوتا ہے۔

اگر ایک شخص نے انتہائی سادہ لباس پہنا ہے لیکن اس کا دل تکبر سے بھرا ہے، تو امام علیہ السلام کی نظر میں وہ روحانی طور پر برہنہ ہے۔ اس کے برعکس، اگر کسی نے حالات کے مطابق مناسب اور اچھا لباس پہنا ہے، لیکن اس کا دل عاجزی، محبت اور خدمت کے جذبے سے لبریز ہے، تو امام علیہ السلام کی نظر میں اس نے "لباس التقویٰ" پہن رکھا ہے۔

یہ فرمان ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہماری تمام تر توجہ کا مرکز ہمارا باطن ہونا چاہیے۔ ہمیں ہر لمحہ اپنے دل کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے:

کیا میرا دل کینہ اور حسد سے پاک ہے؟

کیا میری نیت خالصتاً مولا کی خوشنودی کے لیے ہے؟

کیا میں اپنے دینی بھائیوں سے سچی محبت کرتا ہوں؟

کیا میں نے اپنے لباس کے ذریعے سادگی اور وقار کے اصولوں کو اپنایا ہے؟

جب ہم ان سوالات کا جواب اثبات میں دے سکیں گے، تب ہی ہم یہ امید کر سکتے ہیں کہ ہماری روح امام علیہ السلام کی نظر میں خوبصورت اور قابلِ قبول ہے۔

جدید دور کے چیلنجز (فیشن، برانڈز) اور امامی تعلیمات کا اطلاق

آج ہم ایک ایسے دور میں جی رہے ہیں جہاں فیشن، برانڈز اور صارفینیت کا غلبہ ہے۔ میڈیا اور اشتہارات ہمیں ہر لمحہ نئے سے نئے لباس خریدنے اور دوسروں سے مقابلہ کرنے پر اکساتے ہیں۔ ایسے میں حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کی تعلیمات کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

فیشن کی غلامی سے آزادی: امام علیہ السلام کی تعلیمات ہمیں فیشن کے بدلتے ہوئے رجحانات کی غلامی سے آزاد کرتی ہیں۔ وہ ہمیں سکھاتی ہیں کہ لباس کا مقصد فیشن کی پیروی نہیں، بلکہ آرام، وقار اور سادگی ہے۔ ہمیں ایسے لباس کا انتخاب کرنا چاہیے جو پائیدار ہو اور جسے طویل عرصے تک استعمال کیا جا سکے، نہ کہ ایسا جو ایک سیزن کے بعد بیکار ہو جائے۔

برانڈز کے بجائے کردار پر توجہ: آج لوگ کپڑوں کی کوالٹی سے زیادہ اس پر لگے ہوئے "برانڈ" کو اہمیت دیتے ہیں۔ امام علیہ السلام کی تعلیمات ہمیں بتاتی ہیں کہ اصل "برانڈ" مومن کا اپنا کردار اور اس کا اخلاق ہے۔ ہمیں اپنی شخصیت کو نیک اعمال سے برانڈڈ کرنا چاہیے، نہ کہ مہنگے لوگوز سے۔

صارفینیت کا مقابلہ: کفایت شعاری اور سادگی کا اصول صارفینیت کے سیلاب کے آگے ایک مضبوط بند ہے۔ یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ اپنی ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کریں اور اپنی خواہشات کو قابو میں رکھیں۔ جو پیسہ ہم غیر ضروری لباس پر خرچ کر سکتے ہیں، اسے تعلیم، صحت یا کسی کی مدد کے لیے استعمال کرنا کہیں زیادہ بہتر ہے۔

آج کے دور میں امام علیہ السلام کے فرامین پر عمل کرنا شاید پہلے سے زیادہ مشکل نظر آئے، لیکن یہ ناممکن نہیں۔ اگر ہم ان تعلیمات کی روح کو سمجھ لیں اور انہیں اپنی زندگی کا حصہ بنانے کا پختہ ارادہ کر لیں، تو ہم نہ صرف ان چیلنجز کا مقابلہ کر سکتے ہیں بلکہ دنیا کے سامنے اسلام کی حقیقی، سادہ اور پُر وقار تصویر بھی پیش کر سکتے ہیں۔

کونسل کے اختیارات، ذمہ داریاں اور روحانی جوابدہی

فہرستِ مضامین

→ اسلام میں اطاعت کا تصور اور اولی الامر کی اہمیت

→ کونسل کا روحانی پس منظر اور اس کی اہمیت

→ عدل و انصاف - کونسل کی اولین ذمہ داری

→ جماعت کی معاشی اور سماجی فلاح و بہبود

→ تعلیم و تربیت - مستقبل کی تعمیر

→ کونسل کے اراکین کی صفات و کردار

→ آزمائش اور چیلنجز

→ کونسل، امامِ زماں علیہ السلام کے وژن کا عملی مظہر

پیش لفظ

اسماعیلی شیعہ جماعت کے آئینی ادارے "کونسل" کے کردار، اس کی ذمہ داریوں اور اس کے اراکین پر عائد ہونے، والی روحانی جوابدہی پر ایک تفصیلی اور تحقیقی جائزہ ہے۔ اس کی بنیاد حضرت امام علیہ السلام کے ان پاک اور مبارک فرامین پر رکھی گئی ہے جو "کلام امام مبین" اور "سرمایہ آخرت" جیسی مستند کتب میں محفوظ ہیں۔

ہمارا مقصد اس ادارے کی روحانی اور عملی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے تاکہ جماعت کے اراکین، بالخصوص کونسل کے عہدیداران، اپنے منصب کی نزاکت کو سمجھیں اور امامِ زماں علیہ السلام کی ہدایت کی روشنی میں جماعت کی بہترین خدمت انجام دے سکیں۔ یہ کتاب محض ایک انتظامی ہدایت نامہ نہیں، بلکہ ایک روحانی دستاویز ہے جو ہر قدم پر ہمیں

یاد دلاتی ہے کہ جماعتی خدمت کا راستہ درحقیقت روحانی ترقی اور امام علیہ السلام کی خوشنودی حاصل کرنے کا راستہ ہے۔

ہم دعا گو ہیں کہ یہ کاوشے علم و حکمت کا ذریعہ بنے اور ہمیں دین کی صحیح روح کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مقدمہ: اسلام میں اطاعت کا تصور اور اولی الامر کی اہمیت

دینِ اسلام کی بنیاد توحید، رسالت اور آخرت پر ہے۔ اللہ کی وحدانیت اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کے بعد، ایک مسلمان کی زندگی کا محور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بن جاتا ہے۔ قرآنِ کریم نے اس اطاعت کے دائرے کو مزید وسعت دیتے ہوئے "اولی الامر" یعنی "صاحبانِ امر" کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ"

۔(ترجمہ: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو رسول کی، اور ان کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہیں)

(سورۃ النساء، آیت: 59)

شیعہ امامی اسماعیلی عقیدے کے مطابق، "اولی الامر" سے مراد ہر دور میں موجود امامِ وقت ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین اور ان کے روحانی وارث ہیں۔ امامت کا یہ سلسلہ حضرت علی علیہ السلام سے شروع ہو کر آج تک، نسل در نسل، قائم و دائم ہے اور قیامت تک رہے گا۔ امامِ زماں علیہ السلام کی حیثیت صرف ایک روحانی پیشوا کی نہیں، بلکہ وہ جماعت کے دنیاوی اور روحانی امور کے حتمی رہنما اور مختارِ کل ہیں۔ ان کی اطاعت، رسول کی اطاعت ہے، اور رسول کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنے طویل اور تاریخ ساز دورِ امامت میں، بدلتے ہوئے زمانے کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے، جماعت کو منظم کرنے کے لئے ایک جامع آئینی ڈھانچہ عطا فرمایا۔ اس آئین کی روح، امامِ وقت علیہ السلام کی حاکمیتِ اعلیٰ ہے، اور اس کا عملی نفاذ مختلف اداروں کے ذریعے ہوتا ہے،شیعہ امامیہ اسماعیلیہ عقیدے کے مطابق، امامت محض ایک موروثی یا سماجی ادارہ نہیں بلکہ ایک الٰہی منصب ہے، مکمل نظامِ امامت جس کی تشکیل، تنظیم، اور ترتیب خود امام العص علیہ السلام کی نگرانی اور ہدایت کے مطابق ہوتی ہے جن میں "کونسل"

کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ کونسل کا نظام، امامِ زماں علیہ السلام کی ہدایت کو جماعت کے ہر فرد تک پہنچانے، جماعتی زندگی کو منظم کرنے، تنازعات کو حل کرنے اور جماعت کی مجموعی فلاح و بہبود کو یقینی بنانے کا ایک ذریعہ ہے۔

یہ کتاب ان ہی آئینی اداروں، بالخصوص کونسل، کے کردار کو امام علیہ السلام کے فرامین کی روشنی میں سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ کس طرح امامِ علیہ السلام نے ان اداروں کو اختیارات تفویض کیے، ان کی ذمہ داریاں متعین کیں، اور ان کے اراکین پر روحانی جوابدہی کا ایک مقدس بوجھ ڈالا۔ یہ سمجھنا ہر شیعہ امامی اسماعیلی کے لئے ضروری ہے کہ یہ ادارے محض دنیاوی کمیٹیاں نہیں، بلکہ یہ امام علیہ السلام کے روحانی اختیار کا مظہر ہیں اور ان کا احترام اور ان کے فیصلوں کی پاسداری، درحقیقت امام علیہ السلام کی اطاعت کا ہی ایک حصہ ہے۔

باب اول: کونسل کا روحانی پس منظر اور اس کی اہمیت

کونسل کا ادارہ شیعہ امامی اسماعیلی جماعتی ڈھانچے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے اس کے روحانی پس منظر کو جاننا ناگزیر ہے۔ یہ ادارہ کسی انسانی قانون ساز اسمبلی کا مرہونِ منت نہیں، بلکہ اس کا قیام براہِ راست امامِ زماں علیہ السلام کی ہدایت اور اجازت سے عمل میں آیا ہے۔ لہٰذا اس کی بنیادیں دنیاوی نہیں، بلکہ روحانی ہیں۔

کونسل، دین کا ستون اور امام کے نمائندے

کونسل کے اراکین کی حیثیت محض سماجی کارکنوں یا منتظمین کی نہیں، بلکہ وہ امامِ وقت علیہ السلام کے مقرر کردہ نمائندے ہیں۔ ان کا منصب ایک امانت ہے جو امام علیہ السلام کی طرف سے انہیں سونپی گئی ہے۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس ادارے کی اہمیت کو ایک نہایت بلیغ تمثیل سے واضح فرمایا

عملدار ہوئے تو سمجھو کہ وہ اس دین کے ستون ہوئے۔ جس طرح ایک بادشاہ کا وزیر ہو، اس طرح عملدار دین کا کام چلانے والے مددگار وزیر ہوئے۔ ایک گھر یا خیمے کو ٹکانے والا ستون اگر کمزور ہوگا، تو وہ گھر یا خیمہ فوراً گر جائیگا۔

عملداروں پر لازم ہے کہ، وہ دین کے کام میں سُست نہ ہوں ۔ ہمت والے بن کر مضبوط رہیں۔ تم خیال کرو کہ تم کس کی طرف سے عملدار کی حیثیت سے مقرر کئے گئے ہو؟ تم ہمارے وکیل ہو۔ تم ہماری اور ہماری جماعت کی برابر

خدمت کرو۔

(کلام امام مبین فرمان 95 جِلد 1)

:اس فرمان سے چند اہم نکات سامنے آتے ہیں

دین کا ستون: کونسل کے اراکین دین کی عمارت کے ستون ہیں۔ اگر یہ ستون کمزور پڑ جائیں تو پوری عمارت کے گرنے کا خطرہ ہے۔

امام کے وکیل: وہ ذاتی حیثیت میں نہیں، بلکہ امام کے نمائندے کے طور پر کام کرتے ہیں۔ ان کا ہر فیصلہ اور عمل امام کے نام سے منسوب ہوتا ہے۔

مضبوطی اور ہمت: اس منصب پر فائز ہونے والوں کے لئے لازم ہے کہ وہ ہمت والے اور اپنے عقیدے میں مضبوط ہوں، کیونکہ انہیں جماعت کو سہارا دینا ہوتا ہے۔

خدمت کا جذبہ بطور عبادت

اسلام میں خدمتِ خلق کو ایک عظیم عبادت قرار دیا گیا ہے۔ اسماعیلی تشیع میں یہ تصور مزید گہرا ہو جاتا ہے، جہاں جماعت کی خدمت کو براہِ راست امامِ زماں علیہ السلام کی خدمت سمجھا جاتا ہے۔ جب کونسل کے اراکین خلوصِ نیت اور بے غرضی سے جماعت کے مسائل حل کرتے ہیں، ان کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہتے ہیں، تو ان کا یہ عمل بارگاہِ امامت میں ایک عظیم عبادت کے طور پر قبول ہوتا ہے۔ امام علیہ السلام نے متعدد بار اس نکتے پر زور دیا ہے

تم ہمیشہ اپنے دین بھائیوں کی خدمت کرنا۔ جو اپنے دین بھائیوں کی خدمت کرتا ہے ، وہ در حقیقت ہماری خدمت کرتے ہیں۔

(کلام امام مبین فرمان 132 جِلد 1)

ایک اور مقام پر اس تعلق کو مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا

جماعت کی خدمت سے، حاضر امام کی خدمت کم فائدے والی نہیں ہے۔ تم ہماری روحانی اولاد ہو اور روح ایک ہی ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 150 جِلد 1)

یہ فرمان اس گہرے روحانی تعلق کی نشاندہی کرتا ہے جو امام، جماعت اور جماعت کے خدمتگاروں کے درمیان قائم ہے۔ جماعت، امام کا روحانی جسم ہے۔ اس جسم کی خدمت، امام کی خدمت ہے۔ لہذا، کونسل کا ہر رکن یہ سمجھے کہ وہ ایک مقدس فریضہ انجام دے رہا ہے، جس کا اجر دنیا اور آخرت دونوں میں عظیم ہے۔

آئین کی ضرورت اور اس کا احترام

کسی بھی ادارے یا معاشرے کو منظم طریقے سے چلانے کے لئے قوانین اور ضوابط ناگزیر ہیں۔ امام علیہ السلام نے جماعت کے لئے ایک مکمل آئین عطا فرمایا تاکہ جماعتی زندگی میں نظم و ضبط قائم ہو اور ہر فرد کو اپنے حقوق و فرائض کا علم ہو۔ کونسل کا کام اسی آئین کے دائرے میں رہ کر امور کو انجام دینا ہے۔

قاعدے قانون نہ ہو تو گوشت اور ہڈی کی طرح الگ الگ ہو جاؤ گے۔ تم ہمارے روحانی بچے ہو، عزیز ہو۔ کام ایسا کرو کہ جس طرح بیج میں سے درخت پیدا ہوتا ہے، تو تم ایسا کام کرو۔ قاعدے تحریری طور پر نہ ہوں تو ایک، دو، چار دن تک چلیں گے، پھر ختم ہو جائیں گے۔ تحریر شدہ چیز ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 333 جِلد 2)

آئین کا احترام ہر شیعہ امامی اسماعیلی پر لازم ہے، لیکن کونسل کے اراکین پر اس کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے۔ وہ خود آئین کی پاسداری کریں گے تو جماعت بھی ان کی پیروی کرے گی۔ آئین کو توڑنا، امام علیہ السلام کے فرمان کو توڑنے کے مترادف ہے

جو کوئی ان قواعد کو توڑے گا، وہ دین کا دشمن ہے، جو کوئی ان قاعدے قانون کے مطابق نہیں چلے گا، وہ خدا پرست نہیں بلکہ خود پرست یعنی ناستک ہے۔ جو کوئی قاعدے قانون توڑے گا، وہ شیطان ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 132 جِلد 1)

یہ فرامین کونسل کے ادارے کی روحانی بنیادوں اور اس کی غیر معمولی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ یہ محض ایک انتظامی کمیٹی نہیں، بلکہ امامِ زماں علیہ السلام کے وژن کو عملی جامہ پہنانے والا، دین کی عمارت کو سہارا دینے والا اور جماعت کی خدمت کے ذریعے روحانی درجات حاصل کرنے کا ایک مقدس ادارہ ہے۔

باب دوم: عدل و انصاف - کونسل کی اولین ذمہ داری

کائنات کا تمام نظام عدل پر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے، جو خود "عادل" ہے، اپنی کتابِ میں بارہا انصاف قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ"

۔(ترجمہ: بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے)

(سورۃ النحل، آیت: 90)

اسلامی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ ایک صحت مند اور پُر امن معاشرے کی بنیاد عدل و انصاف پر ہی رکھی جا سکتی ہے۔ جہاں انصاف کمزور ہو، وہاں معاشرہ اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے، بے چینی پھیلتی ہے اور روحانی ترقی کا سفر رک جاتا ہے۔ اسی لئے، جب امامِ زماں علیہ السلام نے جماعت کی تنظیم کے لئے کونسل کا ادارہ قائم فرمایا تو اس کے فرائض میں "انصاف کی فراہمی" کو اولین اور بنیادی حیثیت دی۔

جماعتی تنازعات اور دنیاوی عدالتوں سے اجتناب کی حکمت

دنیاوی عدالتوں کا نظام اپنی جگہ اہم ہے، لیکن جماعتی اور خاندانی تنازعات جب ان عدالتوں میں پہنچتے ہیں تو اکثر اوقات ان کے نتائج مثبت نہیں نکلتے۔ ان میں نہ صرف بے پناہ وقت اور پیسہ ضائع ہوتا ہے، بلکہ خاندانوں اور جماعت میں دائمی دشمنیاں اور رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وکیلوں کی جرح اور عوامی سماعت کے دوران ذاتی اور خاندانی راز افشا ہوتے ہیں، جس سے عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے اور جماعت کا وقار متاثر ہوتا ہے۔

اسی حکمت کے پیشِ نظر، حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے جماعت کو سختی سے ہدایت فرمائی کہ اپنے معاملات آپس میں اور کونسل کے ذریعے حل کریں۔

پوری جماعت کو یہ تمہید کرنا ہے کہ ہمیشہ اتحاد و اتفاق سے چلیں گے اور اسطرح کریں گے کہ پولیس یا عدالت میں جانا نہ پڑے اور اگر کبھی ضرورت پڑے تو کونسل میں آئیں گے تو فائدہ ہوگا۔ اس طرح عمل کرنے سے دنیا میں تمھاری "تعریف ہوگی اور یہ کہا جائیگا کہ اسماعیلیوں میں ایسا اتحاد ہے کہ ان کا کوئی کیس کبھی عدالت میں نہیں آتا ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 180 جلد 2)

امام علیہ السلام نے واضح فرمایا کہ کونسل میں آنے سے نہ صرف دنیاوی فائدہ ہے بلکہ روحانی برکت بھی ہے۔

ہم تمہیں جو قاعدے بنا کر دیتے ہیں، ان پر چلنے والوں کو ہزاروں فائدے ہونگے، اگر عمل نہیں کرو گے تو پریشان

ہونگے۔

(کلام امام مبین فرمان 142 جلد 1)

انصاف کی فوری فراہمی: روحانی سکون کا ذریعہ

انصاف میں تاخیر، انصاف سے انکار کے مترادف ہے۔ جب فیصلے لٹکائے جاتے ہیں تو فریقین بے چینی، اضطراب اور ذہنی اذیت کا شکار رہتے ہیں۔ یہ کیفیت ان کی دنیاوی اور روحانی زندگی دونوں پر منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔ امام علیہ السلام نے اس نکتے کو سمجھتے ہوئے کونسل کو فوری انصاف فراہم کرنے کی پر زور تاکید فرمائی

مقدمے کا فیصلہ جلد از جلد دینا چاہیے۔ اس طرف یا اس طرف، کیس کا فیصلہ جلد دینا، دے دینا چاہیئے۔ کیس کو زیادہ طول نہیں دینا چاہیے۔

(کلام امام مبین فرمان 269 جلد 2)

طلاق جیسے حساس معاملات میں بھی فوری فیصلے کی تاکید کی گئی تاکہ دونوں فریقین اپنی زندگیاں نئے سرے سے شروع کر سکیں۔

کونسل کے عملداروں کو عورت مرد کے مقدمات میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیئے۔ بلکہ سمجھوتے کے لئے کوشش کرنی چاہیئے اگر محبت نہ ہو تو طلاق دے دینی چاہیئے... محبت نہ ہو تو فوراً فیصلہ کر دینا چاہیئے، تاکہ دونوں کا راستہ صاف ہو جائے۔

(کلام امام مبین فرمان 241 جلد2)

انصاف کے بنیادی اصول

فرامین مبارکہ میں انصاف کے کچھ بنیادی اصول وضع کئے گئے ہیں

غیر جانبداری: جب کونسل میں جاؤ، تب کسی کی طرف داری نہ کرنا۔ اپنا سگا بھائی بھی ہو تب بھی اسکی طرف داری نہ کرنا۔

(کلام امام مبین فرمان 219 جلد2)

اکثریت کی رائے کا احترام: اکثریت کا جو فیصلہ ہو، اسے اقلیت کو ماننا فرض ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 258 جلد 2)

صلح صفائی کو ترجیح: آپس میں لڑائی جھگڑا ہو ، اور خون خرابہ ہو، تو یہ تو حد ہو گئی۔ اس سے زیادہ اور کیا ظلم ہو سکتا ہے اس لئے پیار محبت سے رہو گے تو آباد ہوگئے اور قانون کے مطابق چلو گے تو فائدہ ہوگا۔

(کلام امام مبین فرمان 381 جِلد 2)

روحانی جوابدہی کا سنگین پہلو:

کونسل کا منصب ایک بہت بڑی روحانی آزمائش ہے۔ اس کے ہر فیصلے کا حساب دینا ہوگا۔ امام علیہ السلام نے اس جوابدہی کو انتہائی سخت الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

اگر کوئی عملدار غصہ کر کے کسی کو دکھ پنچائے گا تو وہ کافر ہے۔ عملداروں کو جماعت کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ پوری جماعت ہمارے روحانی فرزند ہیں۔ اگر کوئی عملدار اس سے (جماعت سے) دشمنی کرے گا تو وہ ہمارا دشمن ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 182 جِلد 2)

اس کے برعکس، جو انصاف اور خلوص سے خدمت کرتے ہیں، ان کے لئے عظیم بشارت ہے:

کونسل کے ممبران اگر صاف یقین سے قاعدوں کو عمل میں لائیں گے۔ اور بغیر طرفداری کے انصاف دیں گے تو ہم انکو فرشتے جیسا سمجھیں گے اور ہم بہت خوش ہوں گے۔

(کلام امام مبین فرمان 132 جِلد 1)

عدل و انصاف کا قیام کونسل کا وہ بنیادی فریضہ ہے جس پر جماعت کی روحانی اور دنیاوی صحت کا انحصار ہے۔ اس ذمہ داری کو پوری دیانت اور حکمت سے نبھانا ہی حقیقی خدمت ہے۔

باب سوم: اتحاد و اتفاق - جماعت کی بقاء کا ضامن

اسلام کا بنیادی پیغام ہی اتحاد اور اخوت ہے۔ شیعہ امامی اسماعیلی میں اس تصور کو مزید اہمیت حاصل ہے کیونکہ جماعت کی روحانی طاقت کا سرچشمہ اس کے باہمی اتحاد میں پوشیدہ ہے۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنے فرامین میں بارہا جماعت کو ایک جسم قرار دیا ہے اور اس میں پھوٹ ڈالنے والے عناصر کو دین کا دشمن کہا ہے۔ کونسل کی یہ ایک اہم ذمہ داری ہے کہ وہ جماعت میں اتحاد و اتفاق کو فروغ دے اور ہر قسم کے فتنے، حسد اور گروہ بندی کا سدِباب کرے۔

جماعت، امام کا جسم ہے:

امام علیہ السلام نے جماعت اور اپنے درمیان تعلق کو سمجھانے کے لئے ایک انتہائی گہری اور روحانی تمثیل بیان فرمائی ہے:

جماعت ہمارا بدن ہے ، اگر اس میں کوئی تکلیف ہو تو ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ اگر تم میں آپس میں عداوت ہو تو ہمیں تکلیف پہنچتی ہے۔ تم ہمارا جسم ہو ، تم میں عداوت ہوگی تو ہمارے جسم کو ایذا (تکلیف) پہنچتی ہے۔ جس طرح ہمارے سر میں درد ہو یا جسم کے کسی دوسرے حصے میں درد ہو ، ایسی تکلیف ہمیں پہنچتی ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 47 جِلد 1)

یہ فرمان اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ جماعت کا ہر فرد امام کے روحانی وجود کا حصہ ہے۔ جب جماعت کے اراکین آپس میں لڑتے ہیں، ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں یا گروہوں میں بٹ جاتے ہیں، تو اس کی تکلیف براہِ راست امامِ زماں علیہ السلام کو پہنچتی ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی روحانی حقیقت ہے جس کا احساس ہر مومن، بالخصوص کونسل کے اراکین، کو ہر لمحہ اپنے دل میں رکھنا چاہیے۔

حسد اور کینہ، روحانی کوڑھ

امام علیہ السلام نے حسد اور کینہ کو روحانی بیماریوں میں سب سے مہلک قرار دیا ہے۔ یہ ایسی بیماریاں ہیں جو اندر ہی اندر ایمان کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتی ہیں۔

تمہاری ایک عادت انتہائی خراب ہے ، جس سے ہم بہت زیادہ ناراض اور دلگیر ہیں۔ وہ یہ کہ تمہارے دل میں کینہ اور حسد ، بہت زیادہ ہے۔ دین بھائیوں کے لئے کینہ اور حسد اپنے دل میں سے نکال دو۔ تم پر لازم ہے کہ ہمارے فرمان سُن کر اپنا دل آئینے کی طرح صاف کرو گے تو خدا تمہارے نزدیک ہوگا۔ تب تم فرشتے جیسے بنو گے۔

(کلام امام مبین فرمان 56 جِلد 1)

آپس میں دشمنی رکھنا، یہ خراب سے خراب کام ہے۔ جو شخص دشمنی رکھتا ہے ، اس کا ایمان آہستہ آہستہ جاتا رہے گا۔

(کلام امام مبین فرمان 149 جِلد 1)

کونسل کا فرض ہے کہ وہ ایسے تمام معاملات پر نظر رکھے جہاں حسد اور کینہ، فتنہ و فساد کا باعث بن رہے ہوں۔ اسے محض تنازعات کا فیصلہ ہی نہیں کرنا، بلکہ دلوں کو صاف کرنے کی کوشش بھی کرنی ہے۔ صلح صفائی کرانا، فریقین کو ایک دوسرے سے معافی مانگنے کی ترغیب دینا اور پنجہ لے کر دلوں کو ملانا کونسل کی اہم ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

اتحاد میں برکت اور طاقت

اتحاد میں نہ صرف روحانی برکت ہے بلکہ دنیاوی طاقت بھی ہے۔ جب جماعت متحد ہوتی ہے تو کوئی بیرونی طاقت اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ امام علیہ السلام نے ایک نہایت خوبصورت مثال سے اس نکتے کو سمجھایا

یہ ہاتھ ایک پنجہ ہے، اس میں پانچ انگلیاں ہیں، وہ بھائی ہیں۔ اگر اس پنجے کو اکٹھا کیا جائے تو کتنی قوت پیدا ہو سو (۱۰۰) آدمی ایک ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ انکے پاس مال تھا۔ راستے میں انکو پانچ چور ملے۔ انہوں نے، ان سو لوگوں کو لوٹ لیا۔ جب یہ سو آدمی شہر میں پہنچے، تب لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تم سو تھے، پھر تمہیں پانچ ڈاکوؤں نے کیسے لوٹ لیا؟ تب انہوں نے جواب دیا کہ، ہم سو (۱۰۰) تھے، لیکن ہمارے دل الگ الگ تھے، ڈاکو پانچ تھے، مگر وہ ایک دل تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے ہمیں لوٹ لیا۔

(کلام امام مبین فرمان 31 جِلد 1)

مکھی کے بارے میں فرمایا: "مکھی ہمارا نوکر ہے۔ انکی عزت آبرو رکھنا بڑا آدمی ہے، ایسا نہیں ہے، ہمارا خدمتگار ہے

(کلام امام مبین فرمان 26 جِلد 1)

یہ مثال واضح کرتی ہے کہ تعداد کی کثرت سے زیادہ اہمیت دلوں کے اتحاد کی ہے۔ کونسل کو چاہیے کہ وہ جماعت کو متحد رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے۔ کچھی، کاٹھیاواڑی، سندھی، پنجابی یا کسی بھی قسم کی لسانی اور علاقائی تفریق کو ختم کر کے سب کو "ایک شیعہ امامی اسماعیلی جماعت" کے پرچم تلے جمع کرے۔

کونسل کا کردار: اتحاد کی علامت

جماعت میں اتحاد اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب کونسل خود اتحاد کی عملی مثال پیش کرے۔ اگر کونسل کے اراکین ہی آپس میں دست و گریباں ہوں گے، ایک دوسرے کے خلاف گروہ بندی کریں گے تو وہ جماعت کو متحد رہنے کی تلقین کیسے کر سکتے ہیں؟

"اگر عملدار آپس میں ایک دل نہیں ہونگے تو جماعت میں ایک دلی کیسے پیدا کر سکیں گے؟"

(کلام امام مبین فرمان 262 جِلد 2)

لہذا، کونسل کے پریذیڈنٹ، وائس پریذیڈنٹ اور تمام ممبران پر لازم ہے کہ وہ اپنے ذاتی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر، جماعت کی وسیع تر بھلائی کے لئے ایک دل ہو کر کام کریں۔ ان کا اتحاد ہی جماعت کے اتحاد کی ضمانت ہے۔

باب چہارم: جماعت کی معاشی اور سماجی فلاح و بہبود

امامِ زماں علیہ السلام کی ہدایت صرف روحانی معاملات تک محدود نہیں، بلکہ وہ جماعت کی دنیاوی زندگی کی بہتری اور معاشی خوشحالی کے لئے بھی ہر لمحہ فکر مند رہتے ہیں۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ کے فرامین اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ نے جماعت کو غربت، جہالت اور پسماندگی سے نکال کر ایک ترقی یافتہ، خوشحال اور خود کفیل قوم بنانے کے لئے ایک مکمل روڈ میپ عطا فرمایا۔ اس وژن کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری بڑی حد تک کونسل اور دیگر جماعتی اداروں پر عائد ہوتی ہے۔

ہجرت (امیگریشن): خوشحالی کا دروازہ

امام علیہ السلام نے بارہا اس بات پر زور دیا کہ ایک ہی جگہ محدود وسائل کے ساتھ گزارا کرنے کے بجائے نئے مواقع کی تلاش میں ہجرت کرنی چاہیے۔ آپ نے کاٹھیاواڑ اور کچھ کی جماعتوں کو افریقہ اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں جا کر آباد ہونے کی پر زور تاکید فرمائی۔

کاٹھیاوار میں وقت بہ وقت قحط پڑتا ہے۔ کاروبار کی بہت تنگی ہے۔ اس لئے اپنا ملک چھوڑ کر دوسری جگہ ہجرت کرنی چاہیئے۔

(کلام امام مبین فرمان 229 جلد 2)

کونسل کا فرض ہے کہ وہ اس فرمان کی روح کو سمجھے اور جماعت کی رہنمائی کرے۔ ہ

نئے ممالک اور علاقوں میں کاروباری مواقع کے بارے میں معلومات اکٹھی کرے۔

ان معلومات کو جماعت تک پہنچائے، تاکہ لوگ باخبر فیصلے کر سکیں۔

ہجرت کرنے کے خواہشمند افراد اور خاندانوں کی ہر ممکن مدد اور رہنمائی کرے۔

کفایت شعاری اور بچت: معاشی استحکام کی بنیاد

امام علیہ السلام نے ہمیشہ فضول خرچی، خصوصاً شادی بیاہ اور دیگر رسومات میں ہونے والے بے جا اخراجات کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ آپ نے جماعت کو کفایت شعاری اپنانے اور بچت کر کے اس رقم کو پیداواری کاموں میں لگانے کی ہدایت کی۔

شادی بیاہ کے لئے بہت خرچ ہوتا ہے جو بیکار ہے۔ ہم نے ہاتھ ملاپ کر ادیا ہے، اسکے بعد اس سے بڑھکر اب اور کیا ہے؟ مومن کا فرض ہے کہ ہمارا حکم مانے۔

(کلام امام مبین فرمان 240 جِلد 2)

روزمرہ کی زندگی میں سخت کفایت شعاری کر کے ، تمام مرد و عورت کو ، ان پیسوں کو بینکوں کے شیئرز میں لگانا چاہیے... دنیاوی ضیافتیں بند کرو اور ہر مہینے بچت کر کے اس رقم کو بیمہ پالیسی، زمین اور ضمانت شدہ سرکاری ملکیت میں خرچ کرو۔

(کلام امام مبین فرمان 463 جِلد 2)

کونسل کو چاہیے کہ وہ ان فرامین پر عملدرآمد کو یقینی بنائے۔ وہ شادی بیاہ کے اخراجات کے لئے قوانین بنائے اور جماعت کو ان پر عمل کرنے کی ترغیب دے۔

باہمی تعاون کے ادارے: اجتماعی طاقت کا مظہر

انفرادی کوششوں کی اپنی ایک حد ہوتی ہے۔ اجتماعی ترقی کے لئے باہمی تعاون پر مبنی اداروں کا قیام ناگزیر ہے۔ امام علیہ السلام نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے کو-آپریٹو سوسائٹیاں، کارپوریشنز، انشورنس کمپنیاں اور انوسٹمنٹ ٹرسٹ قائم کرنے کا حکم فرمایا۔

ایک فرد کو کوئی بھی توڑ سکتا ہے، لیکن ہزار افراد کو کوئی نہیں توڑ سکے گا۔ پونا کی ساری جماعت کو کوآپریشن یعنی "باہمی تعاون کو اپنے دل میں یاد رکھنا چاہیئے اور ممبر بننا چاہیئے یہ تو دیوانے کا کام ہے کہ باہر سے قرضہ لیا جائے۔

(کلام امام مبین فرمان 527 جِلد 2)

ان اداروں کا مقصد جماعت کے سرمائے کو اکٹھا کرنا، چھوٹے تاجروں کو قرضہ فراہم کرنا اور اجتماعی طور پر بڑے منصوبوں میں سرمایہ کاری کرنا۔ ان اداروں کی کامیابی کا انحصار ان کے منتظمین (ڈائریکٹرز) کی ایمانداری، دیانتداری اور بے غرضی پر ہے۔ کونسل کا فرض ہے کہ وہ ایسے اداروں کے قیام میں مدد کرے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ ان کا انتظام شفاف طریقے سے چلایا جائے۔

صحت عامہ اور سماجی بہبود

ایک صحت مند جماعت ہی دنیاوی اور روحانی طور پر ترقی کر سکتی ہے۔ امام علیہ السلام نے بچوں کی صحت، ماؤں کی

نگہداشت، متوازن غذا اور حفظانِ صحت کے اصولوں پر بے شمار فرامین ارشاد فرمائے ہیں۔

تمہارے یہاں کاروبار میں کاٹھیاوار سے دوگنا منافع ہے، اس لئے کاروبار پر زیادہ دھیان دو۔ ویلفیر سوسائٹی کا کام سیکھو، اسکو پھیلاؤ۔ بچے بے وجہ ناحق بیمار ہوتے ہیں اور مرجاتے ہیں۔ عقل سے انکی دیکھ بھال کرو، ماؤں کو بھی بچوں کی دیکھ بھال کرنا سکھاؤ۔

(کلام امام مبین فرمان 409 جِلد 2)

کونسل کو چاہیے کہ وہ ہیلتھ کمیٹیاں قائم کرے ، ڈاکٹروں کے لیکچرز کا اہتمام کرے اور جماعت کو صحت مند طرزِ زندگی اپنانے کی ترغیب دے۔ یہ صرف ایک سماجی خدمت نہیں، بلکہ ایک اہم دینی فریضہ ہے کیونکہ ایک مومن کا جسم خدا کی امانت ہے۔

ان تمام امور میں کونسل کا کردار ایک محرک، ایک رہنما اور ایک نگران کا ہے۔ اس کی فعال کوششوں کے بغیر جماعت کی معاشی اور سماجی ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

باب پنجم: تعلیم و تربیت - مستقبل کی تعمیر

تعلیم کسی بھی قوم کی ترقی کی کنجی ہے۔ علم کے بغیر نہ دنیاوی کامیابی ممکن ہے اور نہ ہی روحانی معرفت کا حصول۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے تعلیم کی اہمیت پر اس قدر زور دیا کہ اسے جماعت کے ہر فرد، خصوصاً خواتین، کے لئے لازم قرار دیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جہالت ایک اندھیرا ہے اور علم ایک روشنی ہے۔ کونسل اور دیگر تعلیمی اداروں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس روشنی کو جماعت کے ہر گھر تک پہنچائیں۔

تعلیم کی عالمگیر اہمیت

امام علیہ السلام نے تعلیم کو صرف چند افراد کا حق نہیں، بلکہ پوری جماعت کا بنیادی حق قرار دیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی بھی اسماعیلی بچہ یا بچی ان پڑھ نہیں رہنا چاہیے۔

اب یہ والا زمانہ نہیں ہے۔ اب تعلیم حاصل کرنے کا زمانہ ہے۔ اسی لئے اپنی اسکولوں میں بچوں کو بھیجو۔ اگر تم اپنی اسکول میں مذہبی تعلیم اور دنیاوی تعلیم دو گے تو ہم تم پر بہت راضی اور خوش ہونگے ہمارا کوئی بھی بچہ یا بچی ان پڑھ نہ رہے۔

(کلام امام مبین فرمان 214 جِلد 2)

کونسل کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ ہر علاقے میں، جہاں بھی جماعت آباد ہے، وہاں بچوں کی تعلیم کے لئے مناسب انتظام ہو۔ اگر اپنا اسکول قائم کرنا ممکن نہ ہو تو سرکاری اسکولوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔

جہاں گورنمنٹ اسکول ہوں، وہاں لڑکوں کو بھیجو۔ لڑکیوں کو بھی بھیجو اور سکھاؤ۔

(کلام امام مبین فرمان 270 جِلد 2)

(کلام امام مبین فرمان 292 جِلد 2)

لڑکیوں کی تعلیم پر خصوصی زور

امام علیہ السلام کے تعلیمی وژن کا سب سے انقلابی پہلو لڑکیوں کی تعلیم پر غیر معمولی زور دینا تھا۔ ایک ایسے دور میں جب خواتین کی تعلیم کو ثانوی حیثیت دی جاتی تھی، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر وسائل محدود ہوں تو لڑکے کے بجائے لڑکی کو تعلیم دلوانا زیادہ ضروری ہے۔

ہم نے ہندوستان میں ایک بات سینکڑوں مرتبہ فرمائی ہے۔ وہ بات ایک مرتبہ دوبارہ یہاں تمہیں فرماتے ہیں۔ ایک والدین کے دو بچے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوں اور ان دونوں بچوں میں سے صرف ایک بچے کو تعلیم دلوانے کی حیثیت رکھتے ہوں، تو ایسے والدین، جو ہم سے مشورہ لینے آتے ہیں، ہم انکو پہلے لڑکی کو تعلیم دلوانے کی صلاح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لڑکا اپنا کر لے گا۔ اس لئے پہلے لڑکی کو تعلیم دلوانی چاہیئے۔

(کلام امام مبین فرمان 499 جِلد 2)

اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ایک تعلیم یافتہ ماں ہی ایک تعلیم یافتہ نسل کی بنیاد رکھ سکتی ہے۔ وہ نہ صرف اپنے بچوں کی بہترین تربیت کرے گی بلکہ مشکل وقت میں اپنے ہنر اور علم کی بدولت خاندان کا سہارا بھی بن سکے گی۔

امام علیہ السلام نے کئی مواقع پر فرمایا ہے کہ اگر مرد اپنی زوجہ کو چھوڑ دے، تو عورت اپنے ہنر کی مدد سے مشکل وقت میں گزر بسر کر سکے گی، اور یہ ہنر اُسے اُس تعلیم کے ذریعے حاصل ہوگا جو اُسے دی گئی ہوگی۔

دینی اور دنیاوی تعلیم کا امتزاج

امام علیہ السلام نے تعلیم کے جامع تصور پر زور دیا۔ آپ کے نزدیک صرف دنیاوی ڈگریاں حاصل کرنا کافی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم اور روحانی تربیت بھی لازم ہے۔

"بچوں کو اپنے مذہب کی روحانیت سکھاؤ۔"

(کلام امام مبین فرمان 361 جِلد 2)

کونسل اور ایجوکیشن بورڈز کا فرض ہے کہ وہ اسکولوں میں ایسا نصاب ترتیب دیں جس میں دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ دینیات، تاریخ، اخلاقیات کی تعلیم کا بھی مناسب انتظام ہو۔

تعلیم کا مقصد: کردار سازی اور خدمت

امام علیہ السلام کے نزدیک تعلیم کا مقصد محض نوکریاں حاصل کرنا یا پیسہ کمانا نہیں، بلکہ ایک باشعور، باکردار اور خدمت کے جذبے سے سرشار انسان بننا ہے۔

"جو زیادہ تعلیم حاصل کرتے ہیں، انکو زیادہ کام لینا چاہیئے۔ نیا بہتر تلاش کر کے باہر کے ملکوں میں جانا چاہیئے۔"

(کلام امام مبین فرمان 365 جِلد 2)

تعلیم یافتہ نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو جماعت اور انسانیت کی بھلائی کے لئے استعمال کریں۔ کونسل اور دیگر ادارے ان نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کریں اور انہیں جماعتی خدمت کے کاموں میں شامل کریں۔

کانونٹ اسکولوں اور غیر ملکی تہذیب سے اجتناب

امام علیہ السلام نے اس خطرے کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا کہ اگر بچوں کو ایسی اسکولوں میں بھیجا گیا جہاں ان کی اپنی زبان، ثقافت اور مذہب کی نفی ہوتی ہو، تو وہ اپنی شناخت کھو بیٹھیں گے۔ آپ نے کرسچن مشنری اور کانونٹ اسکولوں میں بچوں کو بھیجنے کی سختی سے ممانعت فرمائی

بہت زیادہ نہیں، بلکہ کچھ والدین اپنے بچوں کو کانونٹ اسکول میں بھیجتے ہیں اور ہماری اسکول میں نہیں بھیجتے۔ اپنی اسکول میں خرابی ہو تو ایجوکیشن بورڈ کو بتانا چاہیے لیکن کانونٹ اسکول میں بچوں کو بھیجنا انتہائی افسوسناک اور شرمناک بات ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 500 جِلد 2)

آپ نے فرمایا کہ ایسا کرنے سے بچے نہ صرف اپنے مذہب اور زبان سے دور ہو جائیں گے، بلکہ ان میں احساسِ کمتری پیدا ہوگا اور وہ اپنی تہذیب کو حقیر سمجھنے لگیں گے۔ کونسل کا فرض ہے کہ وہ والدین کو اس خطرے سے آگاہ کرے اور انہیں اپنے تعلیمی اداروں پر اعتماد کرنے کی ترغیب دے۔

آج کے دور میں جہاں بھی آغا خان بورڈ کام کر رہے ہیں، وہاں آغا خان بورڈ پر بھی کچھ اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اہلِ بیت علیہم السلام کی اصل اور مستند تاریخ و تعلیمات کو نصاب میں شامل کریں۔ یہ کوئی مشکل امر نہیں، اور نہ ہی کسی ملک کے لیے ناقابلِ قبول۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ جب ایک بچہ تعلیم حاصل کرے، تو وہ صرف مذہبی تعلیم کے کسی علیحدہ سسٹم تک محدود نہ رہے، بلکہ وہ اپنے اسکولنگ سسٹم کے ذریعے بھی اپنی دینی شناخت، تاریخی حقائق، اور بنیادی عقائد کو صحیح سیاق و سباق میں سیکھ سکے۔ یہی اصل دین کا ہدف اور مقصد ہونا چاہیے یعنی علم و معرفت کو روزمرہ زندگی سے جوڑ کر سمجھنا اور اپنانا

تعلیم کا شعبہ جماعت کے مستقبل کی تعمیر کا شعبہ ہے۔ اس میں کی گئی سرمایہ کاری، دراصل آنے والی نسلوں کی خوشحالی اور استحکام کی ضمانت ہے۔ کونسل کو اس شعبے پر خصوصی توجہ دینی چاہیے تاکہ امامِ زماں علیہ السلام کا ایک تعلیم یافتہ، باشعور اور ترقی پسند جماعت کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے۔

باب ششم: کونسل کے اراکین کی صفات و کردار

جس منصب کی ذمہ داریاں اتنی عظیم اور روحانی نوعیت کی ہوں، اس پر فائز ہونے والے افراد کے لئے بھی اعلیٰ اخلاقی اور روحانی اوصاف کا حامل ہونا لازمی ہے۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کے فرامین میں کونسل کے اراکین کے کردار، ان کی صفات اور ان کے رویے کے بارے میں واضح ہدایات ملتی ہیں۔ یہ صفات صرف انتظامی قابلیت تک محدود نہیں، بلکہ ان کا تعلق براہِ راست ان کی روحانی کیفیت اور خلوصِ نیت سے ہے۔

بے غرضی اور خلوصِ نیت

کونسل کے رکن کی خدمت کا محرک ذاتی شہرت، عہدے کا لالچ یا کسی قسم کا دنیاوی مفاد نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس کا واحد مقصد امامِ زماں علیہ السلام کی خوشنودی اور جماعت کی فلاح ہونا چاہیے۔ امام علیہ السلام نے بڑائی اور عہدے کے تکبر کو سختی سے ناپسند فرمایا ہے

وزیر کا ٹائیٹل رکھ کر بڑائی کرے ، یہ درست نہیں بڑائی لے کر خدمت کرے ، وہ بڑا نہیں

(کلام امام مبین فرمان 145 جِلد 1)

خدمت اسی وقت قبول ہوتی ہے جب وہ بے لوث ہو۔ جو شخص عہدے کو اپنی انا کی تسکین کا ذریعہ بناتا ہے، وہ جماعت کی خدمت نہیں کر سکتا۔ اسے ہر وقت یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عہدہ ایک امانت ہے اور اسے خدمت کے لئے دیا گیا ہے، حکمرانی کے لئے نہیں۔

ٹھنڈا مزاج، صبر اور حکمت

جماعتی معاملات اکثر پیچیدہ اور حساس ہوتے ہیں۔ ان کو سلجھانے کے لئے گرم مزاجی اور جلد بازی کے بجائے صبر، تحمل اور حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ امام علیہ السلام نے بارہا عملداروں کو ٹھنڈے مزاج سے کام لینے کی تاکید فرمائی ہے

"کونسل کے کام میں بہت سکون اور ٹھنڈے مزاج سے چلنا چاہیے۔"

(کلام امام مبین فرمان 224 جِلد 2)

عملداروں کا فرض ہے کہ وہ کسی پر غصہ نہ کریں۔ یا کسی پر غصہ کر کے کسی کو دُکھ نہ پہنچائیں اگر عملدار غصہ کرکے کسی کو دُکھ پہنچائے تو وہ دینِ اسلام سے خارج ہے، کافر ہے ۔

(کلام امام مبین فرمان 182 جِلد 2)

ایک اور موقع پر فرمایا:

"ٹھنڈی زبان سے بات سمجھانے سے ذہن نشین ہوتی ہے۔ لکڑی لے کر کوئی کسی کو نہیں سمجھاتا۔"

(کلام امام مبین فرمان 275 جِلد 2)

یہ فرامین واضح کرتے ہیں کہ کونسل کے رکن کا رویہ ایک شفیق رہنما جیسا ہونا چاہیے، نہ کہ ایک سخت گیر حاکم جیسا۔ اسے لوگوں کی بات صبر سے سننی چاہیے اور محبت اور حکمت سے ان کے مسائل کا حل تلاش کرنا چاہیے۔

تواضع اور انکساری

اختیار اور عہدہ اکثر انسان میں تکبر پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن ایک سچا مومن اور خدمتگار ہمیشہ تواضع اور انکساری کا پیکر ہوتا ہے۔ اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ تمام عزت اور مرتبہ اللہ اور اس کے امام کی طرف سے ہے۔

خدا کی نظر میں چھوٹا اور بڑا سب برابر ہیں۔ تم کسی غریب کو دیکھ کر تکبر سے اپنا سر بلند کرتے ہو اور یہ نہیں سوچتے کہ وہ بھی ہماری ہی طرح خدا کا ایک بندہ ہے۔

آغا خان دوم حضرت مولانا امام آقا علی شاہ علیہ السلام سرمایۂ آخرت فرمان نمبر 6

کونسل کے اراکین کو چاہیے کہ وہ جماعت کے ہر فرد، خواہ وہ غریب ہو یا امیر، چھوٹا ہو یا بڑا، سب کے ساتھ عزت اور احترام سے پیش آئیں۔ ان کی انکساری ہی ان کے عہدے کے وقار کو بلند کرے گی۔

علم اور سمجھداری

محض نیک نیتی کافی نہیں۔ کونسل کے اراکین کو جماعتی آئین، فرامین اور دنیاوی معاملات کی بھی سمجھ بوجھ ہونی چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ وہ مسلسل اپنے علم میں اضافہ کرتے رہیں۔

امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا

پرانے خیالات کے بھگت صرف گنانوں کی معنیٰ کریں، صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ عیسائی مشنریوں کی طرح تم پر بھی فرض ہے کہ مجلس میں اس طرح کے دونوں معاملات کا پرچار کرو۔ مشنریوں پر فرض ہے کہ دونوں موضوعات دین دنیا پر واعظ کریں۔

(کلام امام مبین فرمان 351 جِلد 2)

انہیں چاہیے کہ وہ نہ صرف دینی علم حاصل کریں بلکہ اپنی جماعت کے معاشی، سماجی اور تعلیمی مسائل سے بھی پوری طرح باخبر ہوں تاکہ وہ ان کے حل کے لئے ٹھوس اور عملی تجاویز پیش کر سکیں۔

روحانی جوابدہی کا گہرا احساس

یہ سب سے اہم صفت ہے۔ کونسل کے رکن کو ہر لمحہ یہ احساس رہنا چاہیے کہ وہ اپنے ہر عمل کے لئے امامِ زماں علیہ کے حضور جوابدہ ہے۔ یہ احساس اسے ہر قسم کی بے ایمانی، طرفداری اور ناانصافی سے بچائے گا۔

اگر عملدار جماعت کا خیال نہیں رکھیں گے اور صحیح حق و انصاف فراہم نہیں کریں گے تو اس دنیا اور آخرت میں اُن کا منہ سیاہ ہوگا۔

(کلام امام مبین فرمان 180 جِلد 2)

یہ اوصاف کونسل کے رکن کے کردار کی تعمیر کرتے ہیں۔ جس شخص میں یہ صفات ہوں گی، وہی اس مقدس امانت کا صحیح معنوں میں حق ادا کر سکے گا اور جماعت کے لئے باعثِ رحمت ثابت ہوگا۔

باب ہفتم: آزمائش اور چیلنجز

کونسل کا منصب پھولوں کی سیج نہیں۔ یہ ایک کانٹوں بھرا تاج ہے، جو آزمائشوں اور چیلنجز سے بھرا ہوا ہے۔ جو لوگ اس عہدے پر فائز ہوتے ہیں، انہیں کئی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان مشکلات پر کامیابی سے قابو پانا ان کی قابلیت، حکمت اور روحانی مضبوطی کا امتحان ہوتا ہے۔ فرامینِ مبارکہ کی روشنی میں ہم ان چیلنجز اور ان سے نمٹنے کے طریقوں کا جائزہ لیں گے۔

جماعت کی طرف سے تنقید اور مخالفت

یہ ایک فطری امر ہے کہ جب کوئی ادارہ فیصلے کرتا ہے، تو تمام لوگ اس سے خوش نہیں ہوتے۔ کونسل جب بھی کوئی فیصلہ کرتی ہے، خاص طور پر تنازعات کے معاملات میں، تو جس فریق کے خلاف فیصلہ جاتا ہے، وہ اکثر ناراض ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ ناراضگی تنقید، مخالفت اور حتیٰ کہ کردار کشی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

تمہیں سمجھنا چاہیے کہ دو افراد کونسل کے پاس جائیں گے تو اس میں سے ایک ضرور ناراض ہوگا۔ وہ یہ مطلب نکال کر شور مچائے گا کہ اسکے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ لیکن جو جیتے گا، اگر وہ بھی ہارے گا تب وہ بھی ظلم ہونے کا شور مچائے گا۔ یہ نامناسب طریقہ ہے۔ یہ صرف اسماعیلیوں کو بد نام کرنے کا طریقہ ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 249 جلد 2)

ایسے حالات میں کونسل کے اراکین کے لئے صبر اور برداشت کا مظاہرہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ انہیں چاہیے کہ

ذاتی تنقید کو انا کا مسئلہ نہ بنائیں۔

اپنے فیصلے کی بنیاد حقائق اور آئین پر رکھیں تاکہ وہ اس کا دفاع کر سکیں۔

ناراض فریق کو محبت اور حکمت سے سمجھانے کی کوشش کریں کہ فیصلہ انصاف کے تقاضوں کے مطابق کیا گیا ہے۔

اگر وہ نہ سمجھیں تو معاملہ خدا پر چھوڑ دیں اور دل میں کوئی رنجش نہ رکھیں۔

ذاتی مفادات اور اجتماعی مفاد کا ٹکراؤ

کونسل کے اراکین بھی اسی معاشرے کا حصہ ہوتے ہیں۔ ان کے بھی دوست، رشتہ دار اور کاروباری شراکت دار ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایسے مواقع آتے ہیں جب ذاتی تعلقات اور جماعتی مفاد میں ٹکراؤپیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً، کسی دوست یا رشتہ دار کا کیس سامنے آنے پر انصاف کے تقاضے پورے کرنا ایک کڑا امتحان ہوتا ہے۔

امام علیہ السلام نے اس معاملے میں کوئی رعایت نہیں دی اور واضح حکم فرمایا

"جب کونسل میں جاؤ، تب کسی کی طرف داری نہ کرنا۔ اپنا سگا بھائی بھی ہو تب بھی اسکی طرف داری نہ کرنا۔"

(کلام امام مبین فرمان 219 جِلد2)

اس آزمائش سے گزرنے کے لئے انتہائی مضبوط روحانی کردار اور تقویٰ کی ضرورت ہے۔ عملدار کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا پہلا رشتہ امام اور جماعت سے ہے، اور کسی بھی ذاتی تعلق کو اس مقدس رشتے پر فوقیت نہیں دی جا سکتی۔

کلام امام مبین فرمان نمبر 132 جِلد 1 میں ایک انتہائی اہم نکتہ بیان کیا گیا ہے :

امام علیہ السلام نے واضح حکم فرمایا

جو کوئی قاعدے قانون توڑے گا، وہ شیطان ہے۔ ہم نے کونسل کے ممبروں اور عملداروں کو تلوار دی ہوئی ہے۔ وہ ہماری تلوار چلائیں گے تو دن بدن زیادہ فائدہ حاصل ہوگا۔ اگر عملدار ان قاعدے قانون کے مطابق کام نہیں کریں گے، تو جماعت عرض کرے گی۔ جس طرح حضرت نبی محمد کے ظاہری وصال کے بعد جن لوگوں نے پیچھے سے قرآن شریف میں ، دین میں فتنے پیدا کئے، ان جیسے وہ جاہل ہونگے۔ جس جگہ وہ پہنچے، اس جگہ یہ لوگ پہنچیں گے۔

فرمان نمبر 333: اس فرمان میں بھی اسی بات کو دہرایا گیا ہے

اگر قانون نہ ہو اور قانون کے مطابق نہ چلیں تو پوری جماعت بے ایمان ہو جاتی ہے، ایمان خراب ہو جاتا ہے، اسکی دُنیا بھی خراب ہو جاتی ہے۔

امام علیہ السلام نے کونسلوں میں ناحق فیصلہ کرنے والوں کو دین کے دشمن کے ساتھ تشبیہ دے کر اس حق کو سختی سے نبھانے کی تاکید فرمائی۔

وسائل کی کمی اور توقعات کا بوجھ

جماعت کی ضروریات اور توقعات اکثر لامحدود ہوتی ہیں، جبکہ کونسل کے پاس دستیاب وسائل (مالی اور انسانی) محدود ہوتے ہیں۔ ہر کوئی چاہتا ہے کہ اس کا کام فوراً ہو جائے، اس کے منصوبے کو ترجیح دی جائے، اور اس کی ہر ضرورت پوری ہو۔ وسائل کی اس کمی کی وجہ سے کونسل کے لئے ہر ایک کو مطمئن کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

اس چیلنج سے نمٹنے کے لئے کونسل کو چاہیے کہ

وسائل کی تقسیم میں شفافیت اور انصاف کو یقینی بنائے۔

ترجیحات کا تعین جماعت کی اجتماعی بھلائی کو مدِنظر رکھ کر کرے۔

جماعت کو وسائل کی اصل صورتِ حال سے آگاہ رکھے تاکہ غیر حقیقی توقعات پیدا نہ ہوں۔

وسائل میں اضافے کے لئے جماعت کو ترغیب دے اور نئے ذرائع تلاش کرے۔

پرانی روایات اور جدید تقاضوں میں توازن

معاشرہ مسلسل تبدیلی کے عمل سے گزرتا ہے۔ ہر دور اپنے ساتھ نئے چیلنجز اور نئے تقاضے لاتا ہے۔ کونسل کا ایک بڑا چیلنج یہ ہے کہ وہ جماعت کی قدیم مثبت روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اسے جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرے۔ زمانہ کیسا سخت ہے، اس میں ٹھیک طرح سے چلو تیرہ سو سال پہلے عربوں کی حالت بہت اچھی تھی۔ ہندوستان میں بھی شروع میں عربوں کے رسم و رواج ، اچھے تھے اب دنیا میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ اب اگر وہ چال چلیں تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

(کلام امام مبین فرمان 402 جِلد 2)

(کلام امام مبین فرمان 70 جِلد 1)

کبھی کبھی جماعت کے کچھ افراد تبدیلی کو قبول نہیں کرتے اور پرانی رسومات سے چمٹے رہنا چاہتے ہیں۔ کونسل کا فرض ہے کہ وہ حکمت اور محبت سے جماعت کو سمجھائے کہ امامِ زماں علیہ السلام کی ہدایت کی روشنی میں تبدیلی اور ترقی ہی زندگی کی علامت ہے۔ اسے فرسودہ رسومات (جیسے شادی میں فضول خرچی، وغیرہ) کو ختم کرنے اور جدید و مثبت اقدار (جیسے تعلیم، صحت، کفایت شعاری) کو فروغ دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔

یہ چیلنجز کونسل کے اراکین کے لئے ایک مسلسل امتحان ہیں۔ ان سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کے لئے علم، حکمت، صبر اور سب سے بڑھ کر امامِ زماں علیہ السلام کی ذات پر کامل ایمان اور توکل کی ضرورت ہے

یومِ آخرت اور ظہورِ مہدی - روحانی بیداری کا پیغام :

مقدمہ: عقیدہ آخرت کی اہمیت اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات

حصہ اول: قیامت اور یومِ حساب - قرآنی تصورات

باب اول: قیامت کا تصور: فنا اور بقا کا فلسفہ

باب دوم: یومِ حساب: اعمال کا ترازو اور روحانی جوابدہی

باب سوم: جنت اور دوزخ: روحانی کیفیات اور اعمال کے نتائج

حصہ دوم: علاماتِ قیامت اور آخری زمانہ - فرامین کی روشنی میں

باب چہارم: آخری زمانہ (آخر الزماں) کی نشانیاں

باب پنجم: شیطان کا فریب اور ایمان کی آزمائش

باب ششم: مومن کی ذمہ داریاں اور روحانی تیاری

حصہ سوم: امام مہدی کا ظہور - بشارتیں اور حقیقت

باب ہفتم: امام مہدی کا تصور: شیعہ اور سنی مکاتبِ فکر میں

باب ہشتم: فرامین کی روشنی میں "ظہور" کا باطنی مفہوم

باب دہم: امامِ زماں ہی مہدی دوراں ہیں: اسماعیلی نقطہ نظر

حصہ چہارم: روحانی قیامت اور مومن کی معراج

باب یازدہم: قیامتِ صغریٰ اور قیامتِ کبریٰ

باب دوازدہم: مومن کی موت: وصالِ حق اور دیدارِ امام

باب سیزدہم: "فنا فی الامام" اور روحانی بقا کا مقام

خاتمہ: یومِ آخرت کا پیغام: خوف نہیں، امید اور روحانی تیاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اسلام کا اہم ترین ستون۔ یہ وہ عقیدہ ہے جو انسانی زندگی کو مقصدیت عطا کرتا ہے، اسے اخلاقی ضابطوں کا پابند بناتا ہے اور اس کے ہر عمل کو ایک ابدی انجام سے جوڑتا ہے۔ قیامت، حساب کتاب، معاد ، جزا و سزا، اور امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا تصور، یہ سب اسی ایک عظیم حقیقت کے مختلف پہلو ہیں جو ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ یہ دنیاوی زندگی عارضی ہے اور اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

یہ کتاب، "یومِ آخرت اور ظہورِ مہدی"، اسی عظیم عقیدے کی گہرائیوں کو سمجھنے کی ایک عاجزانہ کوشش ہے۔ اس کا مقصد خوف پھیلانا یا محض غیبی پیشین گوئیوں پر بحث کرنا نہیں، بلکہ قرآنِ کریم، احادیثِ نبوی اور بالخصوص اسماعیلی تشیع کے پیروکاروں کے لئے، حضرت امام علیہ السلام کے پاک و مبارک فرامین کی روشنی میں، اس عقیدے کی روحانی اور باطنی حکمت کو آشکار کرنا ہے۔

امام علیہ السلام کے فرامین ہمیں سکھاتے ہیں کہ قیامت اور مہدی کا انتظار کرنے کے بجائے، ہمیں ہر لمحہ اپنے اندر روحانی قیامت برپا کرنی ہے اور اپنے زمانے کے حاضر و موجود امام کی پہچان اور اطاعت کے ذریعے ہی مہدی کے ظہور کے فیوض و برکات سے مستفید ہونا ہے۔ یہ کتاب اسی پیغام کو عام کرنے کی ایک سعی ہے کہ آخرت کی تیاری کا راستہ دنیا سے فرار میں نہیں، بلکہ اسی دنیا میں رہتے ہوئے، اپنے اعمال کو پاکیزہ بنانے، اپنے ایمان کو مضبوط کرنے اور اپنے امامِ وقت کے فرامین پر عمل کرنے میں ہے۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس علمی کاوش کو قبول فرمائے اور اسے روحانی بصیرت اور ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

مقدمہ: عقیدہ آخرت کی اہمیت اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات

انسان کی فطرت میں یہ سوال ہمیشہ سے موجود رہا ہے کہ "میں کون ہوں؟"، "کہاں سے آیا ہوں؟" اور "کہاں جاؤں گا؟"۔ ادیانِ عالم نے ان سوالات کے جوابات اپنے اپنے انداز میں دیے ہیں، لیکن اسلام نے "آخرت" کا جو جامع اور مکمل تصور پیش کیا ہے، وہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ عقیدہ آخرت محض موت کے بعد کی زندگی کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا زندہ اور فعال عقیدہ ہے جو انسان کے حال کو اس کے مستقبل سے، اس کی دنیا کو اس کی عاقبت سے، اور اس کے اعمال کو اس کے ابدی انجام سے جوڑ دیتا ہے۔

قرآنِ کریم میں سینکڑوں آیات آخرت، قیامت اور یومِ حساب کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بار بار انسان کو یاد دلاتا ہے کہ اس کی تخلیق بے مقصد نہیں ہے
"أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ"

ترجمہ: تو کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے کار ہی پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟
(سورۃ المؤمنون، آیت: 115)

یہ "رجوع" یا "لوٹ کر جانے" کا تصور ہی عقیدہ آخرت کی بنیاد ہے۔ جب انسان کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اسے ایک دن اپنے خالق کے حضور پیش ہو کر اپنی زندگی کے ہر لمحے کا حساب دینا ہے، تو اس کی سوچ، اس کے کردار اور اس کے اعمال میں ایک انقلابی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔

اخلاقی ذمہ داری کا احساس: عقیدہ آخرت انسان میں اخلاقی ذمہ داری کا گہرا احساس پیدا کرتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ہر عمل، خواہ وہ اچھا ہو یا برا، پوشیدہ ہو یا ظاہر، ریکارڈ کیا جا رہا ہے اور ایک دن اس کا نتیجہ سامنے آئے گا۔ یہ احساس اسے برائی سے روکتا ہے اور نیکی کی طرف راغب کرتا ہے۔

دنیاوی زندگی کی بے ثباتی: یہ عقیدہ انسان کو دنیا کی عارضی اور فانی حیثیت کا احساس دلاتا ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ مال و دولت، عہدہ و منصب اور دنیاوی کامیابیاں سب یہیں رہ جاتی ہیں۔ اصل سرمایہ وہ نیک اعمال ہیں جو وہ اپنے ساتھ لے کر جائے گا۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا

"یہ دنیا فانی ہے، یہ آج ہے ، کل نہیں۔ اور سو برس سے زیادہ نہیں جیو گے ، اس لئے فرمان کے مطابق چلو۔"

(کلام امام مبین فرمان 24 جِلد 1)

صبر اور شکر کا جذبہ: عقیدہ آخرت مومن کو دنیاوی مصائب اور مشکلات پر صبر کرنے کی طاقت عطا کرتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس صبر کا اجر اسے آخرت میں ضرور ملے گا۔ اسی طرح، وہ دنیاوی نعمتوں پر تکبر کرنے کے بجائے اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ نعمتیں ایک آزمائش ہیں اور ان کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔

انصاف کی امید: یہ عقیدہ مظلوموں اور کمزوروں کے لئے امید کی ایک کرن ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر انہیں دنیا میں انصاف نہیں ملا، تو آخرت کی عدالت میں ضرور ملے گا، جہاں کوئی سفارش اور رشوت کام نہیں آئے گی اور ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

حضرت امام علیہ السلام کے فرامین میں عقیدہ آخرت کے ان تمام پہلوؤں کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے قیامت، حساب کتاب اور جزا و سزا کو محض خوفناک واقعات کے طور پر نہیں، بلکہ روحانی بیداری اور اعمال کی اصلاح کے ایک مؤثر ذریعے کے طور پر پیش کیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے بار بار مومنین کو تلقین کی کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی کو اس طرح گزاریں کہ آخرت میں انہیں شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہ کتاب اسی روحانی اور عملی پیغام کی تشریح و توضیح ہے۔

حصہ اول: قیامت اور یومِ حساب - قرآنی تصورات اور فرامین کی روشنی میں

باب اول: قیامت کا تصور: فنا اور بقا کا فلسفہ

قیامت" کا لفظی مطلب ہے "کھڑا ہونا" یا "اٹھنا"۔ اسلامی اصطلاح میں اس سے مراد وہ عظیم دن ہے جب کائنات کا موجودہ نظام درہم برہم ہو جائے گا، تمام انسان جو مر چکے ہیں، دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور اپنے رب کے حضور حساب کے لئے کھڑے ہوں گے۔ قرآن کریم نے قیامت کے منظر کو مختلف سورتوں میں انتہائی مؤثر اور ہیبت ناک انداز میں بیان کیا ہے۔

قرآنی منظرنامہ:

سورۃ الزلزال میں فرمایا گیا:
إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا (1) وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا (2) وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا (3) يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا (4) بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا (5)

ترجمہ: جب زمین اپنے بھونچال سے جھنجھوڑ دی جائے گی۔ اور زمین اپنے اندر کے بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔ اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟ اس دن وہ اپنی سب خبریں بیان کر دے گی۔ کیونکہ تمہارے رب نے اسے حکم بھیجا ہوگا۔

سورۃ القارعۃ میں ہے:
الْقَارِعَةُ (1) مَا الْقَارِعَةُ (2) وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ (3) يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ (4) وَتَكُونُ الْجِبَالُ" "كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ (5)

ترجمہ: کھڑکھڑانے والی۔ کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی؟ اور تم کیا جانو کہ وہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے۔ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔

یہ آیات قیامت کی ہولناکی اور اس دن ہر چیز کے فنا ہو جانے کی تصویر پیش کرتی ہیں۔ یہ دنیا، جس کی محبت میں انسان گرفتار ہے، ایک لمحے میں نیست و نابود ہو جائے گی۔

فرامین کی روشنی میں قیامت کا منظر

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی اپنے فرامین میں قیامت کے دن کی منظر کشی فرمائی ہے، لیکن آپ

کا انداز محض خوف دلانے والا نہیں، بلکہ اس میں ایک گہری روحانی حکمت پوشیدہ ہے۔ آپ علیہ السلام نے اس دن کے واقعات کو اعمال کے نتائج سے جوڑا ہے۔

جب دنیا ختم ہو جائیگی ، تب اسرافیل صور پھونکیں گے ، جس سے ساری خلقت جی اُٹھے گی۔ جو جس حالت میں سوئے ہوئے ہونگے، وہ سب اٹھ کر ایک میدان میں آئیں گے۔ وہاں اٹھارہ عالم (۱۸) دنیائیں (ایک ساتھ) ہونگے اور مہادن ہوگا۔ تب سب گنہگاروں کو حاضر ہونے کا حکم ہوگا کہ تمام گنہگار حاضر ہوں۔

(کلام امام مبین فرمان 15 جِلد 1)

اس فرمان میں "جس حالت میں سوئے ہوئے ہونگے" کے الفاظ انتہائی معنی خیز ہیں۔ اس سے مراد صرف جسمانی حالت نہیں، بلکہ روحانی حالت ہے۔ جو شخص ایمان اور نیکی کی حالت میں مرا ہوگا، وہ اسی حالت میں اٹھے گا، اور جو کفر اور گناہ کی حالت میں مرا ہوگا، اس کا حشر بھی اسی کے مطابق ہوگا۔

فنا اور بقا کا باطنی فلسفہ

اسماعیلی تشیع میں قیامت کا تصور صرف ایک دن کائنات کے ختم ہو جانے تک محدود نہیں۔ اس میں فنا اور بقا کا ایک گہرا باطنی فلسفہ بھی موجود ہے۔ یہ دنیاوی زندگی اپنی تمام تر لذتوں اور دلچسپیوں کے ساتھ ایک حجاب ہے جو روح کو اس کے اصل سے دور رکھتی ہے۔ روحانی قیامت یہ ہے کہ مومن اسی زندگی میں اپنے نفسِ امارہ کو "فنا" کر دے اور اللہ کی رضا میں "بقا" حاصل کرے۔

جو شخص دنیا کی محبت میں گرفتار ہے، وہ روحانی طور پر مردہ ہے۔ اس کے لئے قیامت کا دن ایک بھیانک حقیقت بن کر آئے گا۔ لیکن جو مومن اپنے نفس کو مار کر، اپنے امام کی اطاعت میں زندگی گزارتا ہے، وہ اسی دنیا میں روحانی زندگی پا لیتا ہے۔ اس کے لئے موت فنا کا نہیں، بلکہ بقا کا پیغام لے کر آتی ہے۔ وہ ایک قید خانے (جسم) سے آزاد ہو کر اپنے اصل (نورِ امامت) سے جا ملتا ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا:

مومن کے واسطے مرنے کے بعد جنت ہے۔ انسان ، دنیا میں موت سے ڈرتے ہیں کہ ہم نے دنیا میں اچھے کام نہیں کئے ہیں ، اسی لئے مرنے کے بعد خدا کو کیا جواب دیں گے؟... مومن کے لئے دنیا میں کچھ نہیں ہے۔ سمجھدار اور عقلمند مومن ہو ، تو اسکے لئے دنیا جہنم ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 43 جِلد 1)

یہاں "دنیا جہنم ہے" سے مراد یہ نہیں کہ دنیا بذاتِ خود بری چیز ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ حقیقی مومن کی روح اس دنیاوی قید میں بے چین رہتی ہے اور اپنے روحانی وطن کی طرف پرواز کرنے کے لئے بے تاب ہوتی ہے۔ اس کے لئے موت ایک تکلیف دہ خاتمہ نہیں، بلکہ دوست (خدا) سے ملاقات کا ایک خوشگوار آغاز ہے۔

پس، قیامت کا تصور ہمیں دوہری حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے: ایک طرف کائنات کا عظیم خاتمہ اور دوسری طرف ہماری اپنی ذات کی روحانی فنا اور بقا۔ ایک سچا مومن صرف پہلی قیامت کے خوف سے نہیں جیتا، بلکہ وہ ہر روز اپنی نفسانی خواہشات کی قیامت برپا کرتا ہے تاکہ وہ ابدی روحانی زندگی پا سکے۔

باب دوم: یومِ حساب - اعمال کا ترازو اور روحانی جوابد

قیامت کے دن دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد دوسرا مرحلہ "یوم الحساب" کا ہے۔ یہ وہ دن ہے جب ہر انسان کو اپنی پوری زندگی کا حساب دینا ہوگا۔ قرآن کریم اس دن کی سختی اور باریکی کو یوں بیان کرتا ہے

"فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (7) وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (8)"

ترجمہ: تو جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا۔

(سورۃ الزلزال، آیات: 7-8)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کوئی بھی عمل، خواہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، اللہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں اور اس کا حساب ضرور ہوگا۔

حساب کتاب کا طریقہ

فرامینِ مبارکہ میں یومِ حساب کے طریقے کی بھی وضاحت ملتی ہے۔ یہ کوئی دنیاوی عدالت جیسا نہیں ہوگا جہاں وکیل اور بحث مباحثہ ہو۔ بلکہ انسان کے اپنے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے۔

جب قیامت کا دن ہوگا، تب حضرت علی اپنی گدی پر تشریف فرما ہونگے، ان کے سامنے آتے ہی سب کی زبانوں پر مہر لگادی جائے گی، پھر ہاتھ پاؤں سے سوالات ہونگے کہ کونسی نیکیاں کی ہیں، تب ہاتھ پاؤں بولیں گے، اس وقت آنکھ اور کان اس کی گواہی دیں گے۔

آغا خان دوم حضرت مولانا امام آقا علی شاہ علیہ السلام سرمایۂ آخرت فرمان نمبر ۵

یہ ایک انتہائی گہرا روحانی نکتہ ہے۔ انسان دنیا میں اپنی زبان سے جھوٹ بول سکتا ہے، اپنے گناہوں پر پردہ ڈال سکتا ہے، لیکن قیامت کے دن اس کے ہاتھ، پاؤں، آنکھیں اور کان، جن سے اس نے گناہ کئے تھے، خود اس کے خلاف گواہ بن جائیں گے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ انسان کا ہر عمل اس کی روح پر نقش ہو جاتا ہے اور آخرت میں یہی نقش ظاہر ہو جائیں گے۔

اور اسی طرح آئمہ طاہرین علیہم السلام اللہ کی کرسی پر، اُس کی شان کے مطابق، فیصلے فرمائیں گے

یہ بات صرف شیعہ اسماعیلیہ کے مصادر میں نہیں، بلکہ اثنا عشریہ ان کی کتابوں میں بھی پائی جاتی ہے۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ
جب قیامت کا دن ہوگا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقامِ محمود دیا جائے گا، اور آئمہؑ کو اللہ کے حکم سے عدل و فیصلے کی کرسی دی جائے گی۔

(بحار الانوار، ج 7، باب المعاد)

کن اعمال کا حساب ہوگا؟

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنے فرامین میں ان چھ گناہ گار گروہوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جنہیں سخت سزا ملے گی۔ یہ فرامین دراصل ان اعمال کی نشاندہی کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے امام کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہیں

پہلا گروہ وہ کہ ، جنھوں نے خدا کی عبادت بندگی نہیں کی۔ اگر زندگی میں ایک وقت بھی خدا کی عبادت بندگی کا وقت بھول گیا ہو ۔

دوسرا گروہ وہ کہ جس نے حق اور زکواۃ نہیں دی یعنی امام کا مالِ واجبات اگر چاول کا ایک دانہ زکواۃ بغیر کا رہ گیا ہو ۔

تیسرا گروہ وہ کہ جس نے شراب پی ہو

چوتھا گروہ وہ کہ جنھوں نے اپنے دین بھائیوں کے پاس سے زیادہ سود کھایا ہو۔

پانچواں گروہ وہ کہ جس نے اپنے ماں باپ کو بد حال کیا ہو

چھٹا گروہ وہ کہ جس نے خدا کے یاد کرنے کی جگہ یا عبادت بندگی کرنے کی جگہ پر بھی دنیا کی بات کی ہو۔

(کلام امام مبین فرمان 7 جِلد 1)

ان چھ اعمال میں حقوق اللہ (عبادت، زکوٰۃ) اور حقوق العباد (سود، والدین کا حق، غیبت) دونوں شامل ہیں۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حساب صرف ظاہری عبادات کا نہیں، بلکہ اخلاقیات اور سماجی رویوں کا بھی ہوگا۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں فرق

امام علیہ السلام نے ایک انتہائی اہم نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے، اور وہ ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں فرق۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق (مثلاً عبادت میں کوتاہی) معاف فرما سکتا ہے، کیونکہ وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ لیکن بندوں کے حقوق (مثلاً کسی کا مال کھا جانا، کسی کی غیبت کرنا) اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے جب تک وہ بندہ خود معاف نہ کر دے۔

کسی مومن کا گناہ کرنا یعنی کسی مومن کے لئے کینہ رکھنا، یا کسی کا مال لے لینا یا کسی کی عورت پر بد نظری کرنا، ہمیں انکے لئے بہت ڈر ہے۔ اسلئے تم ان باتوں سے پاک رہنا، کیونکہ یہ پرایا یعنی دوسروں کا حق ہے۔ ایسے گناہ خدا معاف نہیں کرتا۔ خدا اگر پرائے حق کے گناہ معاف کرے تو وہ رحم رحمی نہیں کہلائے، ظالم کہلائے۔ اس لئے ایسے "گناہ خدا معاف نہیں کرتا۔ لیکن جس انسان کے گناہ کئے ہوں، وہ انسان معاف کرے تو معاف ہوتے ہیں۔

(کلام امام مبین فرمان 10 جِلد 1)

یہ فرمان ہمیں سکھاتا ہے کہ ہمیں لوگوں کے ساتھ اپنے معاملات کو صاف رکھنا چاہیے۔ اگر ہم سے کسی کی حق تلفی ہوئی ہے، اسی دنیا میں اس سے معافی مانگ لینی چاہیے، کیونکہ آخرت میں یہ معاملہ بہت سنگین ہو جائے گا۔

پل صراط کی حقیقت

عام طور پر پل صراط کو ایک پل سمجھا جاتا ہے جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہوگا، جسے ہر ایک کو پار کرنا ہوگا۔
حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس کی باطنی حقیقت کو آشکار کرتے ہوئے فرمایا کہ اصل پل صراط یہی دنیاوی زندگی ہے۔
لوگ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد پُل صراط ہے۔ یہ بات غلط (جھوٹی) ہے۔ تمہاری زندگی پل صراط ہے۔ دنیا میں ، دنیا

کے کام پل صراط ہیں۔ خدا کوئی مداری نہیں کہ ڈوری (رسی) ڈال کر تمہیں کھینچے۔ تمہیں اپنی زندگی ہی میں پُل صراط کو پار کرنا چاہیئے۔

(کلام امام مبین فرمان 48 جِلد 1)

یہ ایک انقلابی تصور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی اور بدی، حق اور باطل کے درمیان جو باریک راستہ ہے، وہی پل صراط ہے۔ جو شخص اس دنیا میں تقویٰ، ایمانداری اور فرامین پر عمل کرتے ہوئے اس راستے پر سیدھا چلتا رہا، وہ گویا پل صراط سے پار ہو گیا۔ اور جو شخص گناہوں اور نافرمانیوں کی کھائی میں گر گیا، وہ پل صراط کو پار نہ کر سکا۔ آپ علیہ السلام نے پل صراط پار نہ کرنے والوں کی جو تین قسمیں بیان فرمائیں (رشتہ داروں کی مدد نہ کرنے والے، عبادت نہ کرنے والے، اور دوسروں پر ظلم کرنے والے) وہ بھی اسی دنیاوی زندگی کے اعمال سے تعلق رکھتی ہیں

(کلام امام مبین فرمان 15 جِلد 1)

یومِ حساب کا تصور ہمیں ایک گہری روحانی جوابدہی کا احساس دلاتا ہے۔ یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ قیمتی ہے اور اس کا حساب ہونا ہے۔ یہ ہمیں اپنے اعمال کی اصلاح کرنے، حقوق العباد کی ادائیگی اور اسی دنیا میں پل صراط پر کامیابی سے چلنے کی تلقین کرتا ہے۔

باب سوم: جنت اور دوزخ - روحانی کیفیات اور اعمال کے نتائج

قرآن کریم اور احادیث میں جنت اور دوزخ کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ جنت کو ابدی نعمتوں، باغات، نہروں اور راحت و سکون کا گھر قرار دیا گیا ہے، جبکہ دوزخ کو آگ، عذاب اور تکلیف کی جگہ بتایا گیا ہے۔ عام طور پر لوگ انہیں محض مادی مقامات سمجھتے ہیں، لیکن حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کے فرامین ان کی روحانی اور باطنی حقیقت کی طرف بھی رہنمائی کرتے ہیں۔

جنت اور دوزخ کا روایتی تصور

قرآن میں جنت کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا

مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى

ترجمہ: اس جنت کی مثال جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو

کبھی خراب نہیں ہوگا، اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ کبھی نہیں بدلے گا، اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے سراسر لذت ہے، اور صاف کئے ہوئے شہد کی نہریں ہیں۔

(سورۃ محمد، آیت: 15)

اسی طرح دوزخ کے عذاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

"إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ"

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا، ہم عنقریب انہیں آگ میں داخل کریں گے۔ جب بھی ان کی کھالیں پک جائیں گی، ہم انہیں ان کے سوا دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں۔

(سورۃ النساء، آیت: 56)

یہ آیات جنت اور دوزخ کی مادی حقیقت کو بیان کرتی ہیں تاکہ انسان انعام کی امید اور عذاب کے خوف سے سیدھے راستے پر چلے۔

جنت کا روحانی تصور: دیدارِ امام اور قُربِ الٰہی

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کے فرامین ہمیں جنت کے محض مادی تصور سے بلند کر کے اس کی روحانی حقیقت سے روشناس کراتے ہیں۔ آپ کے نزدیک جنت کا سب سے بڑا انعام، باغات اور حوریں نہیں، بلکہ "دیدارِ امام" اور "خدا کا قُرب" ہے۔

"جہاں دیدار ہے ، وہاں بہشت ہے۔"

(کلامِ امامِ مبین فرمان 15 جِلد 1)

(کلامِ امامِ مبین فرمان 49 جِلد 1)

یہ ایک جملہ جنت کے تمام تصورات کو بدل دیتا ہے۔ حقیقی مومن کی آرزو دنیاوی لذتوں کا تسلسل نہیں، بلکہ اپنے مولا کا دیدار ہے۔ اس کے لئے سب سے بڑی نعمت اپنے امام کے حضور میں ہونا ہے۔

"آخرت میں بھی تم ہمیشہ ہمارے حضور میں رہو گے۔"

(کلامِ امامِ مبین فرمان 81 جِلد 1)

آپ نے اس بات کی بھی نفی فرمائی کہ جنت صرف کھانے پینے اور عیش کرنے کی جگہ ہے۔ آپ نے ایسے تصور کو "اصطبل" سے تشبیہ دی

کوئی انسان خیال کرے کہ بہشت بہت بڑا اور اچھا مکان یعنی ٹھکانہ ہے۔ اس میں بہت سی عورتیں ہیں یعنی حوریں ہیں۔ جس طرح دنیا میں عورتوں سے عشق کرتے ہیں، اسی طرح وہاں بھی کروں گا۔ خوب کھاؤں گا اور خوب آرام کروں گا۔ ایسے خیالات کرنا، یہ بہشت نہیں، بلکہ یہ تو اصطبل کی طرح ہوا۔
(کلام امام مبین فرمان 49 جِلد 1)

حقیقی مومن کی منزل اس سے کہیں بلند ہے۔ اس کی منزل "اصل مکان" ہے، یعنی روح کا اپنے مبداء نورِ امامت، میں واپس جا ملنا۔

دوزخ کا روحانی تصور: امام سے دوری اور روحانی اذیت

جس طرح جنت کا سب سے بڑا انعام امام کا قرب ہے، اسی طرح دوزخ کا سب سے بڑا عذاب امام سے دوری اور جدائی ہے۔ آگ کا عذاب جسمانی ہے، لیکن روحانی اذیت اس سے کہیں زیادہ شدید ہے۔ جو شخص دنیا میں اپنے امام سے غافل رہا، اس سے محبت نہ کی، اس کے فرامین پر عمل نہ کیا، وہ آخرت میں بھی اس کے دیدار اور شفاعت سے محروم رہے گا۔ یہی اصل دوزخ ہے۔

فرامین میں شراب پینے والوں، سود خوروں اور دیگر گناہ گاروں کے لئے جو سانپ، بچھو اور زہر کے عذاب کا ذکر ہے (کلام امام مبین فرمان 7 جِلد 1)، وہ دراصل ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ جیسا بیج انسان دنیا میں بوتا ہے، ویسی ہی فصل وہ آخرت میں کاٹتا ہے۔
"یہاں دُنیا میں آم بوؤ گے تو اس میں سے آم پیدا ہونگے۔ اور اگر نیم بوؤ گے تو نیم پیدا ہوگا۔ جیسا بوؤ گے، ویسا پاؤ گے۔"
(کلام امام مبین فرمان 2 جِلد 1)

دوزخ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں خدا اپنی مخلوق سے انتقام لیتا ہے، بلکہ یہ انسان کے اپنے منفی اور تخریبی اعمال کا فطری نتیجہ ہے جو اس کی روح کو اذیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اسی دنیا میں جنت اور دوزخ

شیعہ امامی اسماعیلی تعلیمات کا ایک اور گہرا نکتہ یہ ہے کہ جنت اور دوزخ صرف مرنے کے بعد کی کیفیات نہیں ہیں، بلکہ انسان اسی دنیا میں ان کا تجربہ کر سکتا ہے۔
اپنے دین میں تو ایسا ہے کہ تم گنان، علم، کے مطابق صاف دل سے چلو، عبادت بندگی کرو، پاک بنو، تو تمہیں تمہاری

زندگی میں، تمہاری حیاتی ہی میں بہشت ملے گی۔ اس دنیا میں بہشت حاصل کرو، وہی بڑا فائدہ ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 97 جِلد 1)

جو مومن دنیا میں رہتے ہوئے بھی اپنے دل کو دنیاوی آلائشوں سے پاک رکھتا ہے، ہر حال میں اپنے رب اور امام سے راضی رہتا ہے، اور اس کے عشق میں سرشار رہتا ہے، وہ اسی دنیا میں روحانی جنت کا لطف اٹھاتا ہے۔ اس کا دل مطمئن اور پُر سکون ہوتا ہے۔

اس کے برعکس، جو شخص حسد، کینہ، لالچ اور گناہ کی آگ میں جلتا رہتا ہے، وہ اسی دنیا میں دوزخ کی اذیت میں مبتلا ہے۔

جو انسان بدکار ہے ، وہ دنیا میں بھی جہنم میں ہے۔ کیونکہ بدکار آدمی اپنے دل میں خوش نہیں ہوتا۔ اسکا دل ہمیشہ اسکو گواہی دیتا ہے کہ میں فلاں کے پیسے کھا گیا ہوں، اور میں نے فلاں بُرا کام کیا ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 53 جِلد 1)

پس، جنت اور دوزخ محض جغرافیائی مقامات نہیں، بلکہ یہ روحانی کیفیات ہیں جن کا آغاز اسی دنیا سے ہو جاتا ہے۔ ہمارے اعمال اور ہماری نیتیں ہی یہ فیصلہ کرتی ہیں کہ ہم اپنی روح کو جنت کے باغوں کی طرف لے جا رہے ہیں یا دوزخ کی آگ کی طرف۔ ایک سچے مومن کا مقصد صرف آخرت کی جنت کا حصول نہیں، بلکہ اسی دنیا میں اپنے دل کو روحانی جنت بنانا ہے، جہاں ہر دم امام کا دیدار اور اس کا قرب میسر ہو۔

حصہ دوم: علاماتِ قیامت اور آخری زمانہ - فرامین کی روشنی میں

باب چہارم: آخری زمانہ (آخر الزماں) کی نشانیاں

اسلامی روایات میں قیامت سے قبل "آخری زمانہ" یا "آخر الزماں" کے آنے کی پیشین گوئیاں ملتی ہیں، جس میں بہت سی اخلاقی، سماجی اور قدرتی تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی اپنے پہلے ہی فرمان میں، جو آپ نے محض آٹھ سال کی عمر میں ارشاد فرمایا، اس دور کی نشاندہی کی ہے۔ یہ باب ان نشانیوں اور ان کی باطنی حکمت کا جائزہ لے گا۔

یہ آخر زمانہ ہے": امامِ وقت کی گواہی

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اپنی امامت کے آغاز ہی میں ایک نہایت اہم اعلان فرمایا

ہمارا نور بھی انہی سے چلا آرہا ہے اور مولا علی کا نور دنیا میں ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ یہ آخر زمانہ ہے۔ اس میں جو ایماندار ہیں، انکو اپنے زمانے کے امام کی قدرت اور کرامات نظر آئیں گی۔ لیکن جو ادھورے دل والے ہیں، وہ ظاہری کرامات دیکھیں گے، پھر بھی انکو جھوٹا سمجھیں گے۔

(کلام امام مبین فرمان 1 جِلد 1)

یہ فرمان اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ "آخر زمانہ" کوئی مستقبل بعید کا واقعہ نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا دور ہے جو ایک طویل عرصے پر محیط ہو سکتا ہے، جس کی ابتدا ہو چکی ہے۔ یہ دور آزمائشوں کا دور ہے، جہاں ایمان کی پہچان اور اس پر قائم رہنا مشکل ہوگا جس کے اثرات تقریباً ایک صدی، یعنی چھانوے (96) سال کے بعد ظاہر ہوں گے، جن کی طرف اشارہ کیا جائے گا

آخری زمانے کی اخلاقی اور سماجی علامات

فرامین کی روشنی میں آخری زمانے کی چند اہم علامات درج ذیل ہیں

ایمان کی کمزوری: اس دور میں لوگوں کا ایمان کمزور ہو جائے گا۔ وہ دنیاوی معاملات میں اس قدر الجھ جائیں گے کہ روحانیت سے دور ہو جائیں گے۔ ظاہری عبادات تو شاید باقی رہیں، لیکن ان کی روح ختم ہو جائے گی۔

شیطان کا غلبہ: امام علیہ السلام نے بارہا فرمایا کہ آخری زمانے میں شیطان کا فریب بہت زیادہ ہوگا۔

آخر زمانے میں شیطان کا فریب بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ پہلے بھی ہوا ہے ، اس لئے شیطان سے بچنا۔

(کلام امام مبین فرمان 2 جِلد 1)

یہ شیطان صرف کوئی غیبی مخلوق نہیں، بلکہ انسانوں کے روپ میں بھی ظاہر ہوگا جو لوگوں کو گمراہ کرے گا۔

شیطان، انسان کے روپ میں آتا ہے، اور انسان کا ایمان اور مال لوٹ کر لے جاتا ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 26 جِلد 1)

امام کی پہچان میں مشکل: جیسا کہ پہلے فرمان میں ذکر ہے، اس دور میں حاضر امام کو پہچاننا مشکل ہو جائے گا۔ لوگ ظاہری کرامات اور معجزات کا مطالبہ کریں گے اور جب وہ ان کی خواہش کے مطابق ظاہر نہیں ہوں گے تو وہ امام کے وجود پر شک کرنے لگیں گے۔

دنیا پرستی کا عروج: لوگ آخرت کو بھول کر دنیاوی مال و دولت، شہرت اور لذتوں کے پیچھے بھاگیں گے۔ دنیا کی محبت ان کے دلوں میں گھر کر لے گی۔

جھوٹ اور دغا بازی کا عام ہونا: سچائی اور ایمانداری کی قدر کم ہو جائے گی اور لوگ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے جھوٹ اور فریب کا سہارا لیں گے۔

آخر زمانہ کا باطنی مفہوم

آخر زمانہ" سے مراد صرف وقت کا ایک مخصوص دور نہیں، بلکہ یہ ایک روحانی کیفیت بھی ہے۔ جب بھی کسی فرد یا جماعت کے دل سے ایمان کی روشنی کمزور پڑنے لگتی ہے، جب وہ روحانیت کے بجائے مادیت کو ترجیح دینے لگتے ہیں، اور جب وہ اپنے امامِ وقت کی ہدایت سے منہ موڑ لیتے ہیں، تو ان کے لئے "آخر زمانہ" شروع ہو جاتا ہے۔

اس دور کی سب سے بڑی آزمائش "پہچان" (شناخت) کی آزمائش ہے۔ کیا مومن اپنے حاضر امام کو، جو انسانی روپ میں اس کے سامنے موجود ہے، پہچان پاتا ہے یا نہیں؟ کیا وہ اس کے ظاہری حال (جو کہ اکثر درویشانہ ہوتا ہے) کو دیکھ کر دھوکہ کھا جاتا ہے یا اس کے اندر موجود نورِ امامت کا مشاہدہ کرتا ہے؟

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس نکتے کو یوں واضح فرمایا
ہمیں ادھورے دل والے ، اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔ ظاہر میں ہم درویشی اختیار کر کے بیٹھے ہیں ، لیکن ہمیں خداوند تعالیٰ کی بارگاہ سے بزرگی ملی ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہم پیغمبر کی آل پاک ہیں۔
(کلام امام مبین فرمان 1 جِلد 1)

پس، آخری زمانے کی نشانیاں ہمیں خوفزدہ کرنے کے لئے نہیں، بلکہ ہمیں بیدار کرنے کے لئے ہیں۔ یہ ہمیں خبردار کرتی ہیں کہ آنے والا دور (اور موجودہ دور) ایمان کے لئے سخت آزمائشوں کا دور ہے۔ اس میں کامیابی صرف وہی حاصل کرے گا جس کا ایمان پہاڑ کی طرح مضبوط ہوگا، جس کا دل دنیا کی محبت سے پاک ہوگا اور جس کی نظر اپنے زمانے کے امام کی ذات اور اس کے فرمان پر مرکوز ہوگی۔

باب پنجم: شیطان کا فریب اور ایمان کی آزمائش

آخری زمانے کی سب سے بڑی اور خطرناک علامت، جس کا ذکر حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بار بار اپنے فرامین میں کیا ہے، وہ "شیطان کا فریب" ہے۔ یہ ایک ایسی آزمائش ہے جو مومن کے ایمان کو جڑ سے اکھاڑ سکتی

ہے۔ اس باب میں ہم سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ شیطان کا فریب کیا ہے، یہ کن کن شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے اور اس سے بچنے کا طریقہ کیا ہے۔

شیطان کون ہے؟

قرآن کریم نے شیطان (ابلیس) کا تعارف ایک ایسی مخلوق کے طور پر کرایا ہے جو تکبر اور حسد کی وجہ سے اللہ کی نافرمان ہوئی اور اسے بارگاہِ الٰہی سے دھتکار دیا گیا۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ لیکن فرامین کی روشنی میں شیطان صرف ایک ماورائی وجود نہیں، بلکہ وہ ایک منفی قوت ہے جو انسان کے اندر اور باہر، دونوں جگہوں پر کام کرتی ہے۔

اندرونی شیطان (نفسِ امارہ): انسان کا اپنا نفس، جو اسے برائی پر اکساتا ہے، اس کا سب سے بڑا شیطان ہے۔ یہی نفس ہے جو اس کے دل میں تکبر، حسد، لالچ اور شہوت جیسے جذبات پیدا کرتا ہے۔

بیرونی شیطان (انسانی روپ میں): امام علیہ السلام نے واضح طور پر فرمایا کہ شیطان انسانوں کے روپ میں بھی آتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو بظاہر خیر خواہ اور دوست بن کر، میٹھی زبان استعمال کر کے مومن کو دین کے راستے سے بھٹکاتے ہیں۔

شیطان، انسان کے روپ میں آتا ہے، اور انسان کا ایمان اور مال لوٹ کر لے جاتا ہے۔ جو شخص مومن ہے، وہ سب حلال کے کام کرتا ہے لیکن شیطان، کہیں غلبہ نہ کر لے، اسکی فکر رکھ کر، اپنے دل کو قلعہ بند کرنا۔

(کلام امام مبین فرمان 26 جِلد 1)

(کلام امام مبین فرمان 34 جِلد 1)

شیطان کے فریب کی مختلف صورتیں

شیطان کا حملہ ہمیشہ سیدھا نہیں ہوتا۔ وہ مختلف حربے اور طریقے استعمال کرتا ہے۔ فرامین کی روشنی میں اس کے چند اہم فریب یہ ہیں

شک اور وہم پیدا کرنا: شیطان کا سب سے مؤثر ہتھیار مومن کے دل میں شک پیدا کرنا ہے۔ وہ مذہب، امام اور فرامین کے بارے میں وسوسے ڈالتا ہے۔

شک ہوگا تو دل میں پاپ یعنی گناہ پیدا ہوگا، اور میلے دل میں شک پیدا ہوگا۔ (کلام امام مبین، فرمان نمبر ۶۵، صفحہ ۵۷)

دنیا کی محبت میں مبتلا کرنا: وہ دنیا کو اس قدر پرکشش بنا کر پیش کرتا ہے کہ انسان آخرت کو بھول جاتا ہے اور مال و دولت، عہدہ اور شہرت کی دوڑ میں لگ جاتا ہے۔

ظاہری عبادات پر مطمئن کرنا: وہ انسان کو ظاہری عبادات، جیسے نماز اور روزہ، میں مشغول کر کے یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ بڑا نیکوکار ہے، جبکہ اس کے باطن میں خرابیاں موجود رہتی ہیں۔

شمر تو کہتا تھا کہ میں تو خدا کا بندہ ہوں اور خدا کی عبادت بندگی بھی کرتا تھا۔ پھر بھی حضرت امام حسین کو شہید کیا۔

(کلام امام مبین فرمان 5 جِلد 1)

گروہ بندی اور فتنہ پیدا کرنا: وہ جماعت میں "میں" اور "تو" کا فرق پیدا کرتا ہے، حسد اور کینہ کو ہوا دیتا ہے تاکہ مومنین آپس میں لڑیں اور ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے۔

امام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنا: وہ امام کے ظاہری انسانی روپ کو بنیاد بنا کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے کہ "امام بھی ہمارے جیسا انسان ہے"۔ وہ ان کی درویشی اور سادگی کو ان کی کمزوری بنا کر پیش کرتا ہے۔

ایمان کی آزمائش اور اس سے بچنے کا طریقہ

یہ تمام فریب دراصل مومن کے ایمان کی آزمائش ہیں۔ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون کھرا ہے اور کون کھوٹا ہے۔

جو سونا ہوگا ، اسکی اپنی قیمت ہوگی، چاندی ہوگی تو اسکی ویسی قیمت ہوگی تم سچ اور جھوٹ کو پہچانو۔

(کلام امام مبین فرمان 1 جِلد 1)

اس آزمائش میں کامیاب ہونے اور شیطان کے فریب سے بچنے کے لئے امام علیہ السلام نے درج ذیل راستے بتائے ہیں:

ایمان کو مضبوط کرنا: سب سے پہلی اور بنیادی چیز اپنے ایمان کو پہاڑ کی طرح مضبوط بنانا ہے۔

".انسان کا ایمان درخت جیسا نہیں ہونا چاہیئے۔۔۔ انسان کا ایمان پہاڑ جیسا ہونا چاہیئے"

(کلام امام مبین فرمان 85 جِلد 1)

عبادت اور دعا کی پابندی: باقاعدگی سے جماعت خانے جانا اور دعا و بندگی میں مشغول رہنا شیطان کے خلاف ایک مضبوط ڈھال ہے۔

جو مومن دعا گنان پڑھتا ہے ، شیطان، اُس کے پاس سے بھاگ جاتا ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 25 جِلد 1)

دل کو پاک رکھنا: دل کو کینہ، حسد، تکبر اور دنیا کی محبت سے پاک رکھنا۔ ایک صاف دل میں شیطان داخل نہیں ہو سکتا۔

تمہارے دل میں بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ ہے، وہاں شیطان کو جگہ نہیں دو۔

(کلام امام مبین فرمان 26 جِلد 1)

امامِ زماں کے فرمان پر عمل: ہر معاملے میں امامِ وقت کے فرمان کو حتمی سمجھنا اور اس پر بغیر چوں و چراں عمل کرنا، گمراہی سے بچنے کا سب سے یقینی راستہ ہے۔

نیک لوگوں کی صحبت: برے اور بے دین لوگوں کی دوستی سے بچنا اور نیک اور ایماندار مومنین کی صحبت اختیار کرنا۔

خراب شخص کے سائے سے بھی دور رہنا۔ تم اپنا راستہ اُس سے الگ ہی رکھنا۔"

(کلام امام مبین فرمان 83 جِلد 1)

شیطان سے جنگ ایک مسلسل جنگ ہے، جو مومن کی آخری سانس تک جاری رہتی ہے۔ اس میں کامیابی کے لئے ہر لمحہ بیدار، ہوشیار اور اپنے امام علیہ السلام کے دامن سے وابستہ رہنے کی ضرورت ہے۔

باب ششم: مومن کی ذمہ داریاں اور روحانی تیاری

آخری زمانے کی آزمائشوں اور شیطان کے فریب کا مقابلہ کرنے کے لئے مومن پر کچھ خاص ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ یہ ذمہ داریاں صرف ذاتی نجات تک محدود نہیں، بلکہ ان کا تعلق پوری جماعت کی فلاح و بہبود اور دین کی سربلندی سے بھی ہے۔ فرامینِ مبارکہ کی روشنی میں، ایک مومن کو روحانی اور عملی طور پر خود کو تیار کرنے کے لئے درج ذیل اقدامات کرنے چاہئیں۔

خود شناسی اور محاسبہ نفس

روحانی تیاری کا پہلا قدم خود شناسی ہے۔ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنی ذات کا بے لاگ محاسبہ کرے۔ وہ اپنے اندر جھانکے اور دیکھے کہ اس کے دل میں کون سی بیماریاں (حسد، کینہ، تکبر، لالچ) چھپی ہوئی ہیں۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا

تم خود ہی ڈاکٹر بن کر اپنے دل کی نبض چیک کرو۔ تم چیک کرو کہ میں نے نافرمانی کا کام کیا ہے یا نہیں ؟ میرا دل کسی سے حسد کرتا ہے کہ نہیں ؟

(کلام امام مبین فرمان 139 جِلد 1)

یہ خود احتسابی روزانہ کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ مومن کو ہر روز سونے سے پہلے چند منٹ اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اس نے دن بھر میں کیا نیک اور کیا بد اعمال کئے۔ یہ عمل اسے اپنی خامیوں کو پہچاننے اور ان کی اصلاح کرنے میں مدد دے گا۔

علم کا حصول

جہالت تاریکی ہے، اور شیطان ہمیشہ تاریکی میں حملہ کرتا ہے۔ علم ایک روشنی ہے جو مومن کو صحیح اور غلط کی تمیز سکھاتی ہے اور اسے گمراہی سے بچاتی ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا

اپنے اسماعیلی دین میں گنان سکھانے کے لئے اسکول قائم کرنے میں بہت فائدہ ہے ، تمہیں دینے اور دنیا میں اسکا فائدہ ملے گا۔ بچوں کو علم سکھانے میں سب سے زیادہ فائدہ ہے کیونکہ جو بچے ہمارے اسماعیلی دین کا علم سیکھیں گے

، انکو برابر خبر پڑے گی اور ہمارے اسماعیلی دین پر مستقیم ہو کر چلیں گے۔

(کلام امام مبین فرمان 108 جلد 1)

مومن کو چاہیے کہ وہ گنان، فرمان اور اپنے دین کی تاریخ کا علم حاصل کرے۔ یہ علم اسے اپنے عقیدے کی بنیادوں کو سمجھنے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنے میں مدد دے گا۔

اعمالِ صالحہ کی پابندی

ایمان بغیر عمل کے بے کار ہے۔ آخری زمانے کی تیاری کا مطلب نیک اعمال میں سبقت لے جانا ہے۔ ان نیک اعمال میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں شامل ہیں۔

عبادت کی پابندی: تین وقت کی دعا اور دیگر عبادات میں باقاعدگی۔

مالِ واجبات کی ادائیگی: اپنے امام کا حق پوری دیانت داری سے ادا کرنا، کیونکہ یہ ایمان کی کسوٹی ہے۔

اخلاقِ حسنہ: سچ بولنا، امانت داری، وعدے کی پاسداری، اور دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک۔

جماعت کی خدمت: اپنی صلاحیتوں اور وسائل کو جماعت کی بھلائی کے لئے استعمال کرنا۔

صبر اور استقامت :

آخری زمانہ آزمائشوں کا دور ہے۔ اس میں مومن پر مشکلات آ سکتی ہیں، اسے طعنے سننے پڑ سکتے ہیں، اور اس کے ایمان کو پرکھا جا سکتا ہے۔ ایسے حالات میں صبر اور استقامت ہی کامیابی کی کنجی ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا

صبر ہماری میراث ہے۔ آلِ رسول کو بُرا کہنے والے اپنے انجام کو پہنچتے ہیں۔ ہم کسی کو بُرا نہیں کہتے۔

(کلام امام مبین فرمان 2 جلد 1)

مومن کو چاہیے کہ وہ مشکلات سے گھبرائے نہیں، بلکہ اپنے امام پر بھروسہ رکھے اور حق کے راستے پر مضبوطی سے قائم رہے۔

دعوت اور تبلیغ

ایک سچے مومن کی ذمہ داری صرف اپنی اصلاح تک محدود نہیں۔ اس پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ دین کے پیغام کو دوسروں تک پہنچائے۔ یہ تبلیغ زبردستی سے نہیں، بلکہ اپنے نیک کردار، محبت اور حکمت سے ہونی چاہیے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا

تم میں سے ہر ایک، اگر ایک ایک مرید بنائیں تو کتنے زیادہ ہو جائیں گے ایک روح کو اسماعیلی مذہب میں داخل کرنا، یہ اتنا قیمتی ہے کہ پورے افریقہ اور ساؤتھ افریقہ کے تمام بنگلوں سے بھی بڑھ کر ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 268 جِلد 2)

اپنے عمل سے دین کی ایسی تصویر پیش کرنی چاہیے کہ دوسرے لوگ خود بخود اس کی طرف مائل ہوں۔

امامِ وقت سے روحانی رابطہ

سب سے اہم تیاری اپنے زمانے کے حاضر و موجود امام کے ساتھ ایک مضبوط اور زندہ روحانی تعلق قائم کرنا ہے۔ یہ تعلق ہی مومن کی ڈھال اور اس کی طاقت کا سرچشمہ ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا

مومن کا دل ٹیلی فون کی طرح ہے۔ جس کے ایک سرے پر مرشد ہے اور دوسرے سرے پر مومن ہے۔ جب تم ہمیں یاد کرتے ہو، تب اُسی وقت تم ہمیں بھی یاد آتے ہو

(کلام امام مبین فرمان 127 جِلد 1)

یہ روحانی رابطہ دعا، بندگی، ذکر اور سب سے بڑھ کر امام کے فرامین پر عمل کرنے سے قائم ہوتا ہے۔ جس مومن کا دل اپنے امام سے جڑا ہوا ہو، اسے کوئی آزمائش اور کوئی فریب گمراہ نہیں کر سکتا۔

یہ روحانی تیاری ایک مسلسل عمل ہے، جو آخری سانس تک جاری رہتا ہے۔ مومن کو چاہیے کہ وہ ہر لمحہ اپنے ایمان کی حفاظت کرے اور اپنے اعمال کو سنوارتا رہے، تاکہ جب بھی بلاوا آئے، وہ اپنے مولا کے حضور سرخرو ہو کر پیش ہو سکے۔

حصہ سوم: امام مہدی کا ظہور - بشارتیں اور حقیقت

باب ہفتم: امام مہدی کا تصور: شیعہ اور سنی مکاتبِ فکر میں

مہدی" کا تصور اسلامی دنیا میں ایک بنیادی اور متفقہ عقیدہ ہے، اگرچہ اس کی تفصیلات میں مختلف مکاتبِ فکر کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں۔ "مہدی" کے لغوی معنیٰ "ہدایت یافتہ" کے ہیں۔ اصطلاح میں، امام مہدی سے مراد وہ عظیم روحانی شخصیت ہے جو آخری زمانے میں ظاہر ہوگی، دنیا کو ظلم و ستم سے پاک کر کے عدل و انصاف سے بھر دے گی، اور اسلام کا حقیقی پیغام غالب کرے گی۔

سنی مکتبِ فکر کا نقطہ نظر

اہلِ سنت کے نزدیک، امام مہدی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل سے، حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد میں سے ہوں گے۔ ان کا نام محمد اور ان کے والد کا نام عبداللہ ہوگا۔ وہ آخری زمانے میں پیدا ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ان کے ساتھ مل کر دجال کے خلاف جنگ کریں گے اور دنیا میں اسلامی حکومت قائم کریں گے۔ ان کا ظہور قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک شمار ہوتا ہے۔ بہت سی احادیثِ نبوی اس تصور کی تائید کرتی ہیں۔

اثنا عشری (بارہ امامی) شیعہ مکتبِ فکر کا نقطہ نظر

اثنا عشری کے نزدیک، امام مہدی ان کے بارہویں اور آخری امام، محمد بن الحسن العسکری ہیں، جو 255 ہجری میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کی کے بعد امامت کے منصب پر فائز ہوئے۔ ان کے عقیدے کے مطابق، وہ اللہ کے حکم سے "غیبتِ کبریٰ" (طویل پوشیدگی) میں چلے گئے ہیں اور آخری زمانے میں دوبارہ ظاہر ہوں گے ۔ وہ اس وقت بھی زندہ اور موجود ہیں، لیکن نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ ان کا ظہور دنیا کو عدل و انصاف سے بھرنے اور ظلم کا خاتمہ کرنے کے لئے ہوگا۔

عقیدۂ مہدویت، دینِ اسلام کے بنیادی اور متفقہ عقائد میں سے ایک ہے۔ تمام اسلامی مکاتبِ فکر ایک ایسے آخری نجات دہندہ، امام مہدی ، کے ظہور پر ایمان رکھتے ہیں جو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ تاہم، امام کی موجودگی، ان کی غیبت، اور ان کے ظہور کی نوعیت کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ شیعہ امامی اسماعیلی، جو امامت کے تسلسل اور امامِ حاضر کے عقیدے پر قائم ہے، اس موضوع پر ایک منفرد اور گہری روحانی بصیرت پیش کرتی ہے۔

اسماعیلی تعلیمات کے مطابق، دنیا ایک لمحے کے لیے بھی امامِ برحق کی جسمانی اور روحانی موجودگی سے خالی نہیں ہو سکتی۔ غیبت کا تصور فرد کی روحانی بصیرت کی کمی کا نام ہے ایک مخصوص وقت میں دورِ مہدویت، خلافتِ فاطمیہ اور دولتِ فاطمیہ کا قیام، اور مہدویت کا وہ نظام جسے اسماعیلی تشیع میں ادوار کی صورت میں بیان کیا گیا ہے نہ کہ امام کی عدم موجودگی کا۔ آئیے، قرآنِ کریم، ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین اور گنانِ شریف کی روشنی میں ان اہم موضوعات کی حقیقت کو سمجھیں۔

غیبتِ امام کا عقیدہ شیعہ امامی اسماعیلی نقطۂ نظر

جہاں بعض اسلامی فرقے امام کے ایک طویل عرصے تک پردۂ غیب میں رہنے اور پھر آخر میں ظاہر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہیں شیعہ امامی اسماعیلی عقیدے کی بنیاد ہی "امامِ حاضر و ناظر" پر ہے۔ ہمارے نزدیک امامت کا سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر، حضرت نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولاد میں نسل در نسل، بغیر کسی وقفے کے، قیامت تک جاری و ساری ہے۔ امامِ وقت کا ہر زمانے میں جسمانی طور پر موجود ہونا دین کی بقا کے لیے لازمی ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے غیبت کے تصور کو نہایت قوی دلائل سے رد فرمایا ہے۔ آپ کے نزدیک ایک غائب امام "صاحب الزمان" یعنی زمانے کا مالک کیسے ہو سکتا ہے؟ زمانے کی رہنمائی کے لیے زمانے کے امام کا حاضر ہونا شرط ہے۔ آپ فرماتے ہیں

وہ امام کو صاحب زمان تو کہہ کر پکارتے ہیں، لیکن وہ اسکا مطلب نہیں سمجھتے اور جب امام دنیا میں موجود نہیں تو انکو صاحب زمان کا لقب کیسے دے سکتے ہیں؟ امام دنیا میں حاضر و موجود ہونا ہی چاہیئے۔ دنیا کا دارو مدار امام پر ہے۔" (کلام امام مبین فرمان 1 جلد 1)

اسی طرح حضرت امام شاہ علی شاہ علیہ السلام نے اپنی امامت کے دور میں اپنے مقام کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ امام کا نور اور اس کی ذات ہر دور میں ایک ہی ہے۔ آپ نے فرمایا

ہم تمہارے دین کے سردار امام اور میں ہی علی مرتضیٰ ہوں اور میں ہی حسین علیہ السلام ہوں اول بھی ہم ہی ہیں اور

آخر بھی ہم ہی ہیں۔

آغا خان دوم حضرت مولانا امام آقا علی شاہ علیہ السلام سرمایۂ آخرت فرمان نمبر 1

امام ہمیشہ موجود ہیں، لیکن ان کی پہچان اور معرفت ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ غیبت دراصل ان لوگوں کی آنکھوں پر پڑا ہوا پردہ ہے جو دنیاوی لالچ اور ظاہری علم کے حجابوں میں قید ہیں اور اپنے زمانے کے امام کو پہچاننے سے قاصر ہیں۔

امام مہدی علیہ السلام کا ظہور (القیامۃ)

شیعہ امامی اسماعیلی عقیدے میں امام مہدی علیہ السلام یا "القائم" کا ظہور کسی غائب شخصیت کی واپسی کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک ایسے دور کا آغاز ہے جب زمانے کا امام اپنی پوری روحانی اور دنیاوی حاکمیت کے ساتھ ظاہر ہوگا اور باطن کے تمام راز کھول دے گا۔ یہ "قیامۃ القیامات" کا دور ہوگا، جہاں دین کی حقیقت تمام عالم پر آشکار ہو جائے گی اور عدل و انصاف کا بول بالا ہوگا۔

پیروں کے گنانوں میں اس عظیم ظہور کی واضح پیشگوئیاں موجود ہیں۔ گنان شریف میں اس آنے والے دور کے امام کی شناخت اور ان کے القاب کا ذکر ملتا ہے۔ ایک مشہور گنان میں ارشاد ہوتا ہے

اے جی تیاں قائم قاضی تھی بیس سے، انے روپ عربی جان
"قاسم شاہا نام ج راکھسے، انے نَر نکلنکی نُو اوتار

ترجمہ: "اے بھائی! وہاں قائم علیہ السلام قاضی بن کر بیٹھیں گے اور عربی روپ میں ہوں گے۔ قاسم شاہ علیہ السلام نام اختیار کریں گے اور حضرت علی علیہ السلام کے مظہر ہوں گے۔" (کتاب ۱۲، گنان نمبر ۳۵)

یہ گنان واضح طور پر بتاتا ہے کہ آخری زمانے میں عدل قائم کرنے والے امام "القائم" کے لقب سے ظاہر ہوں گے، ان کا روپ عربی ہوگا اور وہ "قاسم شاہ" کا نام اختیار فرمائیں گے۔ یہ ظہور ایک دور ہوگا جس میں باطل کا خاتمہ اور حق کا قیام ہوگا۔

پیر صدر دین رحمۃ اللہ علیہ کے "اننت اکھاڑو" میں اس ظہور کی مزید تفصیلات ملتی ہیں، جہاں فرمایا گیا ہے کہ آخری زمانے میں مولا علی علیہ السلام کا نور، یعنی امام مہدی علیہ السلام، ملتان (جو کہ روحانیت کا ایک مرکز ہے) کے قلعے میں اپنا ظہور فرمائیں گے اور دین کے دشمنوں اور ظالموں کا خاتمہ کریں گے۔ یہ دور ایک عظیم روحانی اور مادی جنگ کا ہوگا، جہاں صابر متی ندی خون سے بہے گی اور باطل کے قلعے مسمار کر دیے جائیں گے۔ اس وقت امامِ زماں کے ساتھ ان کے سچے پیروکار، یعنی حقیقی مومنین، ہوں گے اور مولا اپنی قدرتی فوج اور تین دھاری تلوار (جو شریعت، طریقت اور حقیقت کی علامت ہے) سے دین کے دشمنوں کو نیست و نابود کر دیں گے۔

اس عظیم فتح کے بعد، ایک نئے اور پرامن دور کا آغاز ہوگا۔ امام " نکاح کریں گے"، جس کا باطنی مفہوم یہ ہے کہ وہ ایک نئی، پاکیزہ اور روحانی دنیا کی بنیاد رکھیں گے جہاں کوئی ظلم اور ناانصافی نہیں ہوگی۔ اس دور میں مومنین سوا لاکھ سال تک امن و سکون کے ساتھ حکومت کریں گے، اور ہر طرف خوشی کا سماں ہوگا، ڈھول، نقارے اور شہنائیاں بجیں گی۔ یہ دور دراصل دین کی باطنی حقیقت کے مکمل ظہور کا دور ہوگا، جسے "قیامت" بھی کہا جاتا ہے، یعنی حق کا قائم ہونا۔

(حوالہ جات: اننت اکھاڑو، اشعار نمبر: ۲۵، ۲۸، ۳۵، ۶۴، ۶۵، ۹۳، ۱۴۲، ۱۶۹، ۱۹۱، ۲۲۴، ۲۳۸، ۲۶۱، ۲۷۲، ۲۸۱)

ظہور کی علامات

ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین اور گناٹوں میں ظہورِ قائمِ آلِ محمد سے قبل کے زمانے کی کچھ علامات بیان کی گئی ہیں، جن کا تعلق زیادہ تر دنیا کے روحانی اور اخلاقی زوال سے ہے۔

علمائے ظاہر کی گمراہی: ایک بڑی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ نام نہاد علمائے ظاہر اور ملا، جو دین کے ٹھیکیدار بنے ہوں گے، دین کی اصل روح سے بھٹک چکے ہوں گے اور امامِ وقت کے سب سے بڑے دشمن ہوں گے۔ وہ اپنی ظاہری عبادت پر فخر کریں گے لیکن امام کی معرفت سے خالی ہوں گے۔ حضرت امام شاہ حسن علی شاہ علیہ السلام نے فرمایا:

ملا پہلے دن سے ہی ہمارے دشمن ہیں،اس لئے ہماری شان دیکھ نہیں سکتے اور ہمارا حق غضب کرنا چاہتے ہیں اور کوئی بات نہیں ہے۔

آغا خان اوّل حضرت امام حسن علی شاہ علیہ السلام

(سرمایہ آخرت، فرمان نمبر 2)

مزید فرمایا کہ جب امام کا مکمل ظہور ہوگا تو مکہ اور مدینہ کے درمیان چودہ ہزار ملاؤں کا قتل ہوگا، جو اس بات کی علامت ہے کہ ظاہری اور بے روح مذہب کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

دنیاوی لالچ اور اخلاقی زوال: ظہور سے قبل دنیا میں حرص، لالچ، جھوٹ اور فریب عام ہو جائے گا۔ لوگ دین کو دنیاوی فائدوں کے لیے استعمال کریں گے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے امام شاہ علی شاہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ شمر نے بھی دنیا کی لالچ کے لیے ہی امام کو شہید کیا تھا۔ یہ دنیا پرستی اور اخلاقی پستی ظہور کی ایک اہم علامت ہوگی۔

مومنین کا امتحان: یہ دور حقیقی مومنین کے لیے ایک کڑا امتحان ہوگا۔ ایمان کا دعویٰ کرنے والے بہت ہوں گے لیکن سچے اور ثابت قدم بہت کم۔ صرف وہی لوگ امام کو پہچان سکیں گے اور ان کا ساتھ دیں گے جن کے دل پاک ہوں گے اور جن کا ایمان پہاڑوں کی طرح مضبوط ہوگا۔

امام شاہ حسن علی شاہ علیہ السلام نے فرمایا
جب ہم دوسروں کے سامنے ظاہر ہونگے ، اس وقت کے مشکل وقت پر غور کرو تم تو کیا بڑے بڑے اولیاء بھی قائم نہیں رہیں گے، ظاہر ہونے کا کام ایسا ہے کہ سب کانپ اٹھیں گے

(آغا خان اوّل سرمایہ آخرت، فرمان نمبر ۲)

اس کا مطلب ہے کہ امام کی حقیقی معرفت اور ان کی پیروی کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوگی، بلکہ یہ صرف ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوگی جو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہو کر اپنے زمانے کے حاضر امام کو پہچانیں گے۔

وعدۂ خلافتِ ارضی اور بارہ مہدیوں کا تصور: ایک شیعہ امامی اسماعیلیہ تجزیہ

دینِ اسلام کی اساس ایک الٰہی وعدے پر قائم ہے کہ زمین کی حکمرانی اور دین کا غلبہ بالآخر اللہ کے صالح اور مومن بندوں کو عطا کیا جائے گا۔ یہ وعدہ قرآنِ کریم کی سورۂ نور کی آیت 55 میں پوری صراحت کے ساتھ موجود ہے، جو اہل ایمان کے لیے ایک دائمی بشارت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر اور اس کے مصداق کا تعین اسلامی فکر کا ایک کلیدی موضوع رہا ہے۔ جہاں اکثر مکاتبِ فکر اس وعدے کو مستقبل میں امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے منسلک کرتے ہیں، وہیں شیعہ امامی اسماعیلی اس تصور کو امامتِ حاضرہ کے تسلسل اور اس کی تاریخی و روحانی حاکمیت کے تناظر میں دیکھتی ہے۔

شیعہ امامی اسماعیلیہ عقیدے کے مطابق، اللہ کا وعدہ محض ایک مستقبل کی پیشگوئی نہیں، بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے جو ہر دور میں امامِ وقت کی ذات میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس نقطۂ نظر کی تائید نہ صرف قرآن و حدیث سے ہوتی ہے، بلکہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین اور پیروں کے گنانوں میں بھی اس کے گہرے روحانی اسرار پوشیدہ ہیں۔ آئیے، ان دلائل کی روشنی میں خلافتِ ارضی، غیبت اور ظہور کے تصورات کا تحقیقی جائزہ لیں۔

قرآنی وعدہ اور خلافتِ ارضی (سورۂ نور، آیت 55) .ا

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے

وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مِنكُمْ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ كَمَا ٱسْتَخْلَفَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ ٱلَّذِى ٱرْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِى لَا يُشْرِكُونَ بِى شَيْـًٔا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ

ترجمہ: "اللہ کا وعدہ ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلافت (غلبہ) عطا کرے گا جیسے اس نے ان سے پہلے والوں کو خلافت عطا کی تھی، اور وہ ضرور ان کے اس دین کو غلبہ عطا کرے گا جو ان کے لیے اس نے پسند کیا ہے، اور وہ ان کی (موجودہ) خوف کی حالت کے بعد اس کو لازماً امن سے بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو اس کے بعد بھی کفر کرے تو ایسے لوگ ہی فاسق ہیں۔" (سورۂ نور، آیت 55)

:اس آیتِ مبارکہ میں چند نکات انتہائی قابلِ غور ہیں

لیستخلفنهم فی الارض: یعنی زمین پر حاکمیت اور خلافت کا وعدہ، جو ایک ظاہری اور مادی حکومت کی طرف واضح اشارہ ہے۔

لیمکنن لھم دینھم: یعنی دین کو تمکنت اور استحکام عطا کرنا، جو صرف روحانی نہیں بلکہ سیاسی اور سماجی غلبے کے بغیر ممکن نہیں۔

لیبدلنھم من بعد خوفھم امنا: یعنی خوف کی حالت کو امن سے بدل دینا، جو ایک طاقتور اور محفوظ ریاست کے قیام کی دلیل ہے۔

یہ آیت ایک ایسی جماعت اور اس کے رہنماؤں کی بات کر رہی ہے جو نہ صرف روحانی طور پر بلند ہوں بلکہ دنیاوی طور پر بھی حاکمیت اور اقتدار رکھتے ہوں۔ یہ تصور ایک ایسے امام کا متقاضی ہے جو غائب یا مظلوم نہیں، بلکہ ظاہر، حاضر اور صاحبِ اقتدار ہو۔

قرآنی وعدے کی اس باطنی اور حتمی تعبیر کو مزید تقویت اہل بیتِ اطہار علیہم السلام سے منقول اُن احادیث سے ملتی ہے جو اس آیت کا مصداق متعین کرتی ہیں۔ اثنا عشری مکتبِ فکر کی ایک کتاب، کتاب الغیبہ میں، امام جعفر الصادق علیہ السلام سے ایک واضح حدیث منقول ہے جس میں آپ نے سورۃ نور کی آیت ۵۵ (وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ...) کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

قال: نزلت في القائم وأصحابه

حدثنا أحمد بن محمد بن سعيد بن عقدة قال: حدثنا أحمد بن يوسف بن

يعقوب الجعفي أبو الحسن من كتابه قال: حدثنا إسماعيل بن مهران، قال: حدثنا الحسن بن علي بن أبي حمزة، عن أبيه ووهيب، عن أبي بصير، عن أبي عبدالله في معنى قوله

وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مِنكُمْ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ كَمَا ٱسْتَخْلَفَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ ٱلَّذِى ٱرْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِى لَا يُشْرِكُونَ بِى شَيْـًٔا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ

قال:

نزلت في القائم وأصحابه.

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا: "یہ آیت قائم (امام مہدی علیہ السلام) اور ان کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

کتاب الغیبۃ" از نعمانی (صفحہ 240، حدیث 35)"

یہ فرمانِ صادق، جو کہ علمِ امامت کی سند رکھتا ہے، تمام شکوک و شبہات کو ختم کرتے ہوئے یہ واضح کرتا ہے کہ خلافتِ ارضی، دین کے غلبے اور خوف کے امن میں بدل جانے کا الٰہی وعدہ اپنی حتمی اور کامل صورت میں امام قائم

(مہدی علیہ السلام) اور ان کے اصحاب کے دور میں پورا ہوگا۔ اس تفسیر کی روشنی میں، 'لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ' (وہ ضرور انہیں زمین میں خلافت عطا کرے گا) سے مراد امام مہدی علیہ السلام کی وہ عالمگیر عادلانہ حکومت ہے جو ظلم و جور کا خاتمہ کرے گی۔ 'وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ' (وہ ضرور ان کے اس دین کو غلبہ عطا کرے گا) کا مطلب یہ ہے کہ وہ دینِ اسلام، جسے اللہ نے اپنے نبی اور ان کی آل کے لیے پسند فرمایا، دنیا پر غالب آئے گا اور تمام باطل نظریات مغلوب ہو جائیں گے۔ اور 'وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا' (وہ ان کی خوف کی حالت کے بعد اس کو لازماً امن سے بدل دے گا) اس بات کی بشارت ہے کہ صدیوں پر محیط تقیّے اور خوف کا دور ختم ہوگا اور اہل ایمان کو حقیقی امن و سکون نصیب ہوگا۔ پس، یہ حدیث اس آیت کی ایک ایسی کلید ہے جو اس کے روحانی اور تاریخی مفہوم کے دروازے کھولتی ہے اور اسماعیلی شیعہ کے اس عقیدے کو مضبوط کرتی ہے کہ زمین کی حقیقی وراثت بالآخر امامِ زماں علیہ السلام اور ان کے سچے پیروکاروں کو ہی عطا کی جائے گی۔

نبوی پیشگوئیاں: بارہ خلفاء اور بارہ مہدی :

احادیثِ نبوی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بارہ خلفا کا ذکر ملتا ہے۔ اہل تسنن کی کتب میں "بارہ خلفاء" کی حدیث موجود ہے جن کے دور میں اسلام کو عزت اور غلبہ نصیب ہوگا۔ اثنا عشری مکتبِ فکر ان بارہ خلفاء سے اپنے بارہ امام مراد لیتا ہے۔ لیکن یہاں ایک واضح تضاد پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ، اثنا عشری سلسلے کے اکثر ائمہ نے ظاہری حکومت نہیں کی، بلکہ وہ حکامِ وقت کے جبر کا شکار رہے اور ان میں سے کئی، جیسے موسیٰ بن جعفر نے اپنی زندگی قید و بند میں گزاری۔ ایسی صورت میں ان کے دور کو اسلام کے "غلبے" اور "عزت" کا دور کیسے کہا جا سکتا ہے؟

اس مشکل کا حل خود شیعہ امامی اسماعیلی اور اثنا عشری کتب میں موجود "بارہ امام اور بارہ مہدی" والی احادیث میں پوشیدہ ہے، جنہیں اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہ روایات اسماعیلی نقطۂ نظر کی بھرپور تائید کرتی ہیں۔

بحار الانوار کی روایت

امام جعفر الصادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے علی! میرے بعد بارہ امام آئیں گے اور پھر ان کے بعد بارہ مہدی آئیں گے۔ اور اے علی! تم بارہ اماموں میں پہلے ہوگے، بارہ مہدیوں میں نہیں۔" (بحار الانوار، جلد ۱۲، صفحہ ۷۲۹)

شرح الاخبار کی روایت

شیعہ امامی اسماعیلیہ کے عظیم داعی، سیدنا قاضی نعمان قدس سرہ، اپنی کتاب میں امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں

قائم ہم میں سے طلوع ہوا (یعنی محمد بن عبداللہ المہدی علیہ السلام)، پھر اس کے بعد بارہ مہدی ہوں گے (یعنی ان کی اولاد میں سے ائمہ سے) (شرح الاخبار فی فضائل الائمہ الاطہار، جلد ۳، صفحہ ۴۰۰)

ان روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امامت کے دو ادوار ہیں۔ پہلا دور "بارہ اماموں" کا ہے، اور دوسرا دور "بارہ مہدیوں" کا ہے، جن کا سلسلہ "القائم" (امام محمد بن عبداللہ المہدی علیہ السلام) سے شروع ہوتا ہے اور یہ وہ ائمہ ہیں جو حکومت قائم کریں گے۔ اسماعیلی عقیدے کے مطابق، یہ "مہدی" دراصل وہ ائمہ ہیں جنہوں نے فاطمی خلافت قائم کی۔ پہلے فاطمی خلیفہ، امام محمد بن عبداللہ المہدی علیہ السلام نے خود کو "مہدی" اور "قائم" کہلوایا اور ان کے بعد آنے والے فاطمی خلفاء (جو ان کی اولاد سے تھے) دراصل وہی "مہدی" ہیں جن کی پیشگوئی کی گئی تھی۔

فاطمی خلافت: وعدۂ الٰہی کی عملی تعبیر:

فاطمی خلافت، جو شمالی افریقہ، مصر اور شام پر تقریباً ڈھائی سو سال تک قائم رہی، سورۃ نور کی آیت 55 اور "بارہ مہدیوں" کی احادیث کی ایک عظیم تاریخی اور عملی تعبیر ہے۔ اس دور میں

ایک شیعہ امامی اسماعیلی حکومت قائم ہوئی (لیستخلفنهم فی الارض)۔

اسلام کے باطنی علوم کو فروغ ملا، جامعۃ الازہر جیسے علمی مراکز قائم ہوئے اور شیعہ امامی اسماعیلی دین کو استحکام اور تمکنت حاصل ہوئی (لیمکنن لهم دینهم)۔

صدیوں سے خوف اور تقیّے میں زندگی گزارنے والے اہل بیت علیہم السلام کے پیروکاروں کو امن و سلامتی کی فضا میسر آئی (لیبدلنهم من بعد خوفهم امنا)۔

یہ دور تاریخ کا ایک روشن باب ہے جہاں زمانے کے امام نہ صرف روحانی پیشوا تھے بلکہ دنیاوی حاکم بھی تھے۔ اس طرح، فاطمی خلفاء کا دور ان احادیث کی عملی تصدیق کرتا ہے جو حکمران ائمہ کی بات کرتی ہیں۔ اسماعیلیوں کے آٹھ فاطمی خلفاء تاریخ میں خلافت قائم کر چکے ہیں، اور امامت کا تسلسل آج تک امامِ حاضر کی صورت میں قائم و دائم ہے۔ باقی چار خلافتوں کا قیام مستقبل میں امامِ وقت کے ظہورِ کامل سے وابستہ ہے، لیکن اس کی وجہ سے امامت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔

گنان کی روحانی بشارتیں

پیروں کے گنانوں میں بھی حاکم امام اور ان کے دورِ حکومت کی بشارتیں موجود ہیں۔ پیر شمس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ہمارا رب مغرب سے آئے گا تو مومنوں کے گھر مبارک ہوں گے اور وہ حکومت کرے گا۔ یہ پیشگوئی فاطمی خلافت کے قیام کی طرف واضح اشارہ ہے

اسی طرح "اننت اکھاڑو" میں جس آخری زمانے، شام کے وقت اور جمعہ کے دن کے ظہور کا ذکر ہے، وہ دراصل قائم القیامۃ کا بیان ہے جب زمانے کا امام اپنی مکمل حاکمیت کے ساتھ ظاہر ہوگا اور باطن کے تمام پردے اٹھا دے گا۔ یہ کسی غائب امام کی واپسی نہیں، بلکہ حاضر امام کے روحانی اقتدار کا کامل ظہور ہوگا۔

اثنا عشری نقطۂ نظر کا تضاد اور شیعہ امامی اسماعیلی استدلال .

اثنا عشری علماء ان تمام نصوص کی موجودگی کے باوجود ایسے ائمہ کو مہدی اور خلیفہ مانتے ہیں جنہوں نے نہ تو خلافت قائم کی اور نہ ہی ان کے دور میں دین کو ظاہری غلبہ حاصل ہوا۔ وہ "بارہ مہدی" والی احادیث کی یا تو تاویل کرتے ہیں یا انہیں نظرانداز کر دیتے ہیں، کیونکہ یہ ان کے "بارہ اماموں پر اختتام" کے عقیدے سے متصادم ہیں۔

اس کے برعکس، شیعہ امامی اسماعیلیہ عقیدہ ان تمام نصوص میں ایک منطقی اور تاریخی ربط پیدا کرتا ہے۔ بارہ اماموں کا ایک دور، اس کے بعد قائم بالسیف امام مہدی کا ظہور، اور پھر ان کی نسل سے حکمران ائمہ (مہدیوں) کا سلسلہ، اور اس سلسلے کا آج تک امامِ حاضر کی صورت میں جاری رہنا، ایک ایسا مربوط اور مستحکم نظریہ ہے جس کی تائید قرآن، حدیث اور تاریخ، تینوں سے ہوتی ہے۔

پس، ان تمام قرآنی، روایتی، تاریخی اور گنانی دلائل کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شیعہ امامی اسماعیلی عقیدے کا جوہر تسلسلِ امامت پر قائم ہے، یعنی امامت کا وہ غیر منقطع سلسلہ جو ایک لمحے کے لیے بھی دنیا سے منقطع نہیں ہو سکتا۔ اس عقیدے کے مطابق، امامت میں کسی قسم کے وقفے یا انقطاع کا تصور ہی محال ہے، کیونکہ دنیا کی روحانی بقا اور ہدایت کا دارومدار زمانے کے امام کی موجودگی پر ہے۔

اس تناظر میں، فاطمی خلافت کا قیام محض ایک تاریخی واقعہ نہیں، بلکہ نبوی پیشگوئیوں اور قرآنی وعدوں کی ایک عظیم الشان عملی تعبیر ہے۔ احادیث میں مذکور بارہ مہدی جنہوں نے قائم کے بعد حکومت کرنی تھی، درحقیقت وہی فاطمی ائمۂ طاہرین علیہم السلام ہیں جنہوں نے خلافتِ ارضی کے وعدے کو عملی جامہ پہنایا۔ ان آٹھ فاطمی خلفاء کا دور اس بات

کا بیّن ثبوت ہے کہ امامت صرف مظلومیت اور تقیّے کا نام نہیں، بلکہ جب الٰہی منشاء شامل ہو تو وہ ظاہری حاکمیت اور دین کے غلبے کی صورت میں بھی جلوہ گر ہوتی ہے۔

باقی چار ''مہدیوں'' یعنی حاکم ائمہ کی پیشگوئی کا موجود ہونا، امامت کے سلسلے کے منقطع ہو جانے کی دلیل نہیں بن سکتا، بلکہ یہ اس کے مستقبل میں مزید عروج کی بشارت ہے۔ اگر یہ مانا جائے کہ باقی چار ائمہ کے ظہور سے قبل امامت کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا، تو یہ قرآن کی آیتِ ''اولی الامر'' اور تسلسلِ امامت کے بنیادی فلسفے کی نفی ہوگی۔ امامت کا اسلوب ہی یہی ہے کہ وہ ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اپنی روحانی اولاد کی رہنمائی کرے۔ ایک غائب امام صدیوں بعد اپنے زمانے سے لاتعلق ہو کر کس طرح رہنمائی کر سکتا ہے؟

اس بحث کا ایک نہایت دلچسپ اور اہم پہلو یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کی ذات اور ان کے نام کے حوالے سے اسماعیلی شیعوں اور اہل تسنن کے مابین ایک قابلِ ذکر اتفاق پایا جاتا ہے۔ دونوں مکاتبِ فکر کی مستند روایات اس امر پر متفق ہیں کہ 'المہدی' (ہدایت یافتہ) ایک لقب ہوگا، نہ کہ اصل نام، اور اس عظیم شخصیت کا اسمِ گرامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر 'محمد' اور ان کے والد کا نام نبی اکرم کے والد کے نام پر 'عبداللہ' ہوگا۔ یہ وہ نبوی پیشگوئی ہے جو اس نجات دہندہ کی بنیادی شناخت قائم کرتی ہے۔ اسماعیلی عقیدے کے مطابق، یہ پیشگوئی مستقبل کے کسی پردے میں پوشیدہ نہیں بلکہ تاریخ میں ایک روشن حقیقت کی صورت میں پوری ہو چکی ہے، اور اس کا مصداق دورِ مہدویت کے پہلے امام، یعنی پہلے فاطمی خلیفہ، حضرت امام محمد بن عبداللہ المہدی باللہ علیہ السلام کی ذاتِ گرامی ہے۔ ان کا ظہور دراصل احادیث میں مذکور ''بارہ مہدیوں'' کے دور کا آغاز تھا، جنہوں نے نہ صرف روحانی رہنمائی فرمائی بلکہ خلافتِ ارضی کے قرآنی وعدے کو بھی عملی جامہ پہنایا۔ لہذا، جہاں دیگر مکاتبِ فکر ان صفات کے حامل ایک مہدی کے منتظر ہیں، وہیں اسماعیلیوں کے نزدیک یہ پیشگوئی پوری ہو چکی ہے اور امام مہدی علیہ السلام وہ ہستی ہیں جنہوں نے غیبت کے تصور کو باطل کرتے ہوئے امامت کے ظاہری اور حاکم دور کا آغاز فرمایا، اور انہی کی نسل سے امامت کا نور آج تک امامُ العصر، امامِ حاضر علیہ السلام کی ذات میں بغیر کسی انقطاع کے جلوہ گر ہے

لہذا، شیعہ امامی اسماعیلی نقطۂ نظر میں دورِ مہدویت کا آغاز امام محمد بن عبداللہ المہدی باللہ علیہ السلام کے ظہور اور فاطمی خلافت کے قیام سے ہو چکا ہے۔ ہر فاطمی خلیفہ اپنے زمانے کا مہدی (ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا) تھا۔ یہ سلسلہ آج تک امامِ حاضر کی ذات میں جاری و ساری ہے اور اپنے حتمی اور کامل ظہور کا منتظر ہے، جسے ''قائم القیامۃ'' کہا

جائے گا۔ اس لیے ایک اسماعیلی مومن کے لیے نجات کا راستہ کسی غائب مسیحا کے انتظار میں نہیں، بلکہ ہر دور میں اپنے زمانے کے حاضر و ناظر امام کی معرفت اور غیر مشروط اطاعت میں پوشیدہ ہے۔

حصہ چہارم: روحانی قیامت اور مومن کی معراج

باب یازدہم: قیامتِ صغریٰ اور قیامتِ کبریٰ

اسلامی تعلیمات شیعہ امامی اسماعیلی فلسفے میں، قیامت کو دو سطحوں پر سمجھا جاتا ہے: قیامتِ کبریٰ (عظیم قیامت) اور قیامتِ صغریٰ (چھوٹی قیامت)۔ قیامتِ کبریٰ سے مراد وہی کائنات کا عظیم خاتمہ اور اجتماعی یومِ حساب ہے جس کا ذکر پچھلے ابواب میں ہو چکا ہے۔ لیکن قیامتِ صغریٰ ایک انفرادی اور روحانی تجربہ ہے جو ہر مومن کو اسی دنیا میں پیش آتا ہے۔ یہ تصور قیامت کے مفہوم کو ایک اجتماعی واقعے سے بڑھا کر ایک ذاتی اور روحانی سفر میں تبدیل کر دیتا ہے۔

قیامتِ کبریٰ: اجتماعی احتساب

قیامتِ کبریٰ وہ دن ہے جب پوری انسانیت کو اس کے اعمال کا حساب دینے کے لئے اکٹھا کیا جائے گا۔ یہ اجتماعی احتساب کا دن ہے۔ اس دن کائنات کا ظاہری نظام ختم ہو جائے گا اور ایک نئی روحانی حقیقت کا آغاز ہوگا۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس دن کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا

جب دنیا ختم ہو جائیگی، تب اسرافیل صور پھونکیں گے، جس سے ساری خلقت جی اُٹھے گی۔ جو جس حالت میں سوئے ہوئے ہونگے، وہ سب اٹھ کر ایک میدان میں آئیں گے۔ وہاں اٹھارہ عالم (۱۸) دنیائیں (ایک ساتھ) ہونگے اور مہادن ہوگا۔

(کلامِ امام مبین فرمان 15 جِلد 1)

یہ اجتماعی قیامت ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے، جس پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔

قیامتِ صغریٰ: انفرادی موت اور روحانی بیداری

حدیثِ نبوی ہے کہ "مُوتُوا قَبْلَ أَنْ تَمُوتُوا" یعنی "مرنے سے پہلے مر جاؤ"۔ اسی طرح ایک اور قول ہے کہ "مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ" یعنی "جو مر گیا، پس اس کی قیامت قائم ہو گئی"۔ یہ اقوال قیامتِ صغریٰ کے تصور کی بنیاد ہیں۔

قیامتِ صغریٰ سے مراد فرد کی اپنی موت ہے۔ جب انسان مرتا ہے، تو اس کے لئے اس فانی دنیا کا سلسلہ تمام ہو جاتا ہے اور اس کا انفرادی حساب کتاب کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے دنیاوی وقت کے پیمانے ختم ہو جاتے ہیں اور وہ عالِمِ برزخ میں داخل ہو جاتا ہے، جو کہ اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا کا ابتدائی مرحلہ ہے۔

لیکن اس کا ایک اور گہرا باطنی مفہوم بھی ہے۔ "مرنے سے پہلے مر جاؤ" کا مطلب یہ ہے کہ انسان اسی زندگی میں اپنی نفسانی خواہشات، اپنی انا، اپنی "میں" کو فنا کر دے۔ جب وہ اپنی ذات کو اپنے امام اپنے خدا کی رضا میں فنا کر دیتا ہے، تو وہ روحانی طور پر مر جاتا ہے اور ایک نئی، ابدی اور روحانی زندگی کے ساتھ جی اٹھتا ہے۔ یہی اس کی انفرادی روحانی قیامت ہے۔

جو شخص اس روحانی موت کا تجربہ کر لیتا ہے، اس کے لئے جسمانی موت کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جسم صرف ایک لباس ہے، اور موت اس لباس کو اتار کر اپنے اصل محبوب (خدا) سے وصال کا ذریعہ ہے۔

روحانی قیامت کی تیاری

ایک سچے مومن کا ہدف صرف قیامتِ کبریٰ کے عذاب سے بچنا نہیں، بلکہ اسی دنیا میں اپنی روحانی قیامت برپا کرنا ہے۔ اس کی تیاری کیسے کی جائے؟ فرامینِ مبارکہ اس کے لئے واضح راستہ دکھاتے ہیں

دنیا کی محبت سے دل کو پاک کرنا

دنیا کی محبت چھوڑ دو تو بہشت میں پہنچو گے۔ دُنیا کا مزہ چھوڑ دو، تب ہی مشکل سے بہشت میں پہنچو گے۔

(کلامِ امامِ مبین، فرمان نمبر ۱۵، صفحہ ۱۴)

نفس سے جہاد: اپنی بری خواہشات کے خلاف مسلسل جدوجہد کرنا۔

امام سے عشق: اپنے زمانے کے امام علیہ السلام سے اس قدر شدید عشق کرنا کہ اپنی ذات اس کے عشق میں گم ہو جائے۔

جو خدا کے عاشق ہیں، انکو دوزخ کا کچھ ڈر نہیں۔ مومن بندگی کرتا ہے، تو وہ نہ تو دوزخ کے خوف سے، اور نہ ہی جنت کی

امید سے، بلکہ خدا کی محبت اور عشق سے کرتا ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 45 جِلد 1)

ذکر اور بندگی: مسلسل ذکر اور عبادت کے ذریعے اپنے دل کو زندہ رکھنا تاکہ اس پر دنیاوی غفلت طاری نہ ہو۔

جو مومن اس راستے پر چلتا ہے، وہ ہر لمحہ اپنی قیامت برپا کر رہا ہوتا ہے۔ وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس کے لئے قیامتِ کبریٰ کا دن خوف اور دہشت کا دن نہیں، بلکہ اپنے مولا سے حتمی ملاقات اور دیدار کا دن ہوگا۔ اس نے اپنا حساب اسی دنیا میں چکا دیا ہوتا ہے، اور اپنے دل کو اس قدر پاک کر لیا ہوتا ہے کہ آخرت کی عدالت میں اسے کوئی شرمندگی نہیں ہوتی۔

پس، شیعہ امامی اسماعیلی تعلیمات ہمیں سکھاتی ہے کہ قیامت کا انتظار نہ کرو، بلکہ اپنی قیامت خود قائم کرو۔ اپنی "میں" کو مارو تاکہ تم ابدی زندگی پا سکو۔ یہی روحانی سفر کی معراج ہے اور یہی حقیقی کامیابی ہے۔

باب دوازدہم: مومن کی موت اور دیدارِ امام

موت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا سامنا ہر ذی روح کو کرنا ہے۔ عام طور پر موت کو ایک خوفناک اور تکلیف دہ خاتمے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ لوگ اس سے ڈرتے ہیں کیونکہ یہ جدائی، فنا اور نامعلومی کا پیغام لاتی ہے۔ لیکن قرآن اور فرامینِ مبارکہ کی روشنی میں، ایک حقیقی مومن کے لئے موت کا تصور یکسر مختلف ہے۔ اس کے لئے موت خاتمہ نہیں، بلکہ ایک نئے اور ابدی سفر کا آغاز ہے۔ یہ جدائی نہیں، بلکہ موت نہیں بلکہ اپنے اصل میں واصل ہونے کا نام ہے ۔

موت محض جسمانی اختتام نہیں، بلکہ انسان کی واپسی ہے اُس کے اصل مقام (یعنی خالق، حقیقت، اللہ) کی طرف۔

موت کا قرآنی تصور

قرآن کریم موت کو "تَوَفّی" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے، جس کا مطلب ہے "کسی چیز کو پورا پورا وصول کر لینا"۔ ارشاد ہوتا ہے:

"اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا"

(ترجمہ: اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت پورا پورا لے لیتا ہے)۔

(سورۃ الزمر، آیت: 42)

اس کا مطلب یہ ہے کہ موت روح کا خاتمہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ روح کو جسم سے واپس اپنی طرف بلا لیتا ہے۔ یہ ایک واپسی کا سفر ہے، اپنے اصل کی طرف رجوع ہے۔

مومن کے لئے موت، خوشی کا دن

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کے فرامین اس قرآنی تصور کو مزید جلا بخشتے ہیں۔ آپ کے نزدیک، ایک حقیقی مومن موت سے نہیں ڈرتا، بلکہ اس کا استقبال کرتا ہے، کیونکہ یہ اس کے لئے اپنے محبوبِ حقیقی خدا (اس کے امام) سے ملاقات کا ذریعہ ہے۔

موت تو مومن کے لئے خوشی کا دن ہے۔ کیونکہ اس جسم کے قید خانے سے چھوٹ جانے کا وہ دن ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 134 جِلد 2)

اس فرمان میں دو گہرے نکتے پوشیدہ ہیں

جسم ایک قید خانہ ہے: روح جو کہ عالِم امر سے تعلق رکھتی ہے، اس مادی جسم میں قید ہے۔ یہ دنیا اس کے لئے ایک جیل کی طرح ہے۔ موت اس قید سے رہائی کا پروانہ ہے۔

موت خوشی کا دن ہے: جس طرح ایک قیدی رہائی کے دن خوش ہوتا ہے، اسی طرح مومن کی روح جسم سے آزاد ہو کر اپنے روحانی وطن کی طرف پرواز کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتی ہے۔

موت سے خوف کی وجہ

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عام انسان موت سے کیوں ڈرتا ہے؟ امام علیہ السلام اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا

انسان، دنیا میں موت سے ڈرتے ہیں کہ ہم نے دنیا میں اچھے کام نہیں کئے ہیں، اسی لئے مرنے کے بعد خدا کو کیا جواب دیں گے؟... جس نے گناہ یا نافرمانی کے کام کئے ہوں، وہ شخص ڈرتا ہے کہ میں جہنم میں جا پڑوں گا، اسکا ایمان برابر نہیں اور بد کام کئے ہیں، اس لئے وہ ڈرتا ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 43 جِلد 1)

(کلام امام مبین فرمان 134 جِلد 1)

خوف کی اصل وجہ موت نہیں، بلکہ اپنے برے اعمال ہیں۔ انسان جانتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی اللہ اس کے امام کی نافرمانی میں گزاری ہے، اس لئے وہ حساب کتاب سے اور اس کے نتیجے میں ملنے والے عذاب سے ڈرتا ہے۔ جس کا دامن اعمالِ صالحہ سے بھرا ہو، اسے حساب کا کیا ڈر؟

موت کے وقت امام کی حاضری

شیعہ امامی اسماعیلی عقیدے کی ایک خوبصورت ترین بات یہ ہے کہ موت کے وقت امامِ زماں اپنے مومن کو تنہا نہیں چھوڑتے۔ وہ اس کی روح کو لینے کے لئے خود تشریف لاتے ہیں۔

حضرت امام آقا علی شاہ علیہ السلام نے فرمایا
جب انسان کی پیدائش کے وقت مولا مرتضیٰ علی بچے کے سامنے حاضر ہوتے ہیں... جب موت کا وقت قریب آتا ہے، تب مولا مرتضیٰ علی پھر حاضر ہوتے ہیں اور پھر اس کی مدد فرماتے ہیں۔
آغا خان دوم حضرت مولانا امام آقا علی شاہ علیہ السلام سرمایۂ آخرت فرمان نمبر 7

یہ تصور مومن کے لئے بے پناہ تسلی اور امید کا باعث ہے۔ وہ جانتا ہے کہ زندگی کے آخری اور مشکل ترین لمحات میں، اس کا روحانی باپ اور ہادی اس کا ہاتھ تھامنے کے لئے موجود ہوگا۔ جس کی زندگی امام کے عشق میں گزری ہو، اس کی موت بھی امام کے دیدار میں ہوگی۔

شہید کا رتبہ

جو مومن دین کی راہ میں اپنی جان قربان کرتا ہے، اسے شہید کا درجہ ملتا ہے، جو کہ ایک انتہائی بلند روحانی مقام ہے۔
قرآن شہید کو مردہ کہنے سے منع کرتا ہے۔
"وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ"

(ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔)

(سورۃ البقرہ، آیت: 154)

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی اپنے ان مریدوں کو، جنہوں نے جماعت اور امام کی خدمت میں اپنی جانیں قربان کیں، شہید کا درجہ عطا فرمایا۔

مرحوم محمد علی بھائی حکیم جی کو ہم شہیدوں میں شامل کرتے ہیں۔

(کلامِ امامِ مبین فرمان 190 جِلد 2)

عالیجاہ قاسم کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، اس سے وہ شہید کے درجے پر پہنچے ہیں۔ جس طرح امام حسین کے وقت میں جو شہید ہوئے تھے، اس طرح مرحوم نے بھی امام کے لئے اپنی جان دی ہے۔

(کلامِ امامِ مبین فرمان 434 جِلد 2)

پس، ایک مومن کے لئے موت کا سفر خوفناک نہیں، بلکہ پُر امید ہے۔ یہ اس کی دنیاوی آزمائشوں کا اختتام اور ابدی راحت کا آغاز ہے۔ یہ اپنے مولا سے وصال اور اس کے دائمی دیدار کا لمحہ ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی اپنے امام کی رضا کے مطابق گزاری ہو اور اس کا دل عشقِ مولا سے سرشار ہو۔

باب سیزدہم: "فنا فی الامام" اور روحانی بقا کا مقام

امامی اسماعیلی عرفان اور تصوف کی سب سے بلند اور آخری منزل "فنا فی الامام" یا "فنا فی اللہ" کا مقام ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مومن کی انفرادی ہستی، اس کی "میں" اور "انا"، امام کے روحانی وجود میں اس طرح گم ہو جاتی ہے جیسے ایک قطرہ سمندر میں مل کر خود سمندر بن جاتا ہے۔ یہ روح کا اپنے اصل مبداء کی طرف حتمی اور کامل رجوع ہے۔ یہ تصور اسلامی تصوف کا جوہر ہے اور حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام کے فرامین میں اس کی گہری روحانی تشریح ملتی ہے۔

فنا کا مفہوم

فنا" کا مطلب ختم ہو جانا یا نیست و نابود ہو جانا ہے۔ لیکن روحانی اصطلاح میں اس سے مراد جسمانی موت نہیں، بلکہ نفسانی خواہشات، ذاتی ارادے اور انفرادی شعور کا خاتمہ ہے۔ مومن اس مقام پر پہنچ کر اپنی مرضی کو اپنے امام کی

مرضی میں، اپنی خواہش کو اپنے امام کی خواہش میں، اور اپنی ذات کو اپنے امام کی ذات میں مکمل طور پر ضم کر دیتا ہے۔ اب وہ اپنے لئے نہیں جیتا، بلکہ اس کا ہر عمل، ہر سوچ اور ہر سانس اپنے امام کے لئے ہوتا ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا نے اس کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا

تم فنا فی اللہ ہو جاؤ۔ فنا یعنی کچھ نہیں، فی یعنی اندر، اللہ یعنی خدا، فنافی اللہ یعنی خداوند تعالیٰ کی ذات میں نیست و نابود ہو جانا۔ تم ایسے خیال کرو کہ خدا کون ہے؟ اور خدا میں کیوں نہ سما جاؤں؟ ایسی امید رکھو۔

(کلام امام مبین فرمان 59 جِلد 1)

شیعہ امامی اسماعیلی طریقت میں، چونکہ امامِ زماں ہی "مظہرِ خدا" اور "نورِ خدا" ہیں، اس لئے "فنا فی اللہ" کا راستہ "فنا فی الامام" سے ہو کر ہی گزرتا ہے۔ امام ہی وہ دروازہ ہے جس سے خدا تک پہنچا جا سکتا ہے۔

بقا کا مفہوم

جب مومن اپنی ذات کو فنا کر دیتا ہے، تو وہ ختم نہیں ہوتا، بلکہ اسے ایک نئی اور اعلیٰ زندگی عطا ہوتی ہے، جسے "بقا" کہتے ہیں۔ یہ "بقا باللہ" یا "بقا بالامام" ہے۔ اب وہ اپنی محدود انسانی صفات کے ساتھ نہیں، بلکہ اپنے امام کی روحانی اور خدائی صفات کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔

فنا تک پہنچنے کا راستہ

یہ مقام محض علمی بحث یا خواہش سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے لئے شدید روحانی ریاضت اور عملی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ فرامین کی روشنی میں اس کے چند اہم مراحل یہ ہیں

عشقِ حقیقی: یہ سفر عشق سے شروع ہوتا ہے۔ امام علیہ السلام کے لئے ایسا شدید، بے لوث اور بے پناہ عشق کہ اس کے سامنے دنیا کی ہر چیز ہیچ ہو جائے۔

دیکھو! پروانہ ہے، وہ بتی کی روشنی دیکھ کر، عشق اور محبت کے ساتھ اپنی جان، جلا دیتا ہے... تمہیں بھی خداوند تعالیٰ سے ایسی ہی محبت رکھنی چاہیئے۔ تم ایسے عاشق بنو۔

(کلام امام مبین فرمان 45 جِلد 1)

کامل اطاعت: اپنے امام علیہ السلام کے ہر فرمان پر بغیر کسی شک، سوال کے سرِ تسلیم خم کر دینا۔ اپنی عقل اور منطق کو امام کی حکمت کے تابع کر دینا۔

نفس کشی: اپنی تمام نفسانی خواہشات، تکبر، حسد، لالچ اور انا کو مکمل طور پر ختم کر دینا۔

ذکر اور مراقبہ: ہر لمحہ اپنے امام کے ذکر اور اس کے تصور میں کھوئے رہنا، یہاں تک کہ ذاکر، ذکر اور مذکور (یعنی مومن، ذکر اور امام) میں کوئی فرق باقی نہ رہے۔

فنا فی الامام کی مثالیں

تاریخ میں ایسے بہت سے عظیم صوفیاء اور عشاق گزرے ہیں جنھوں نے اس مقام کو حاصل کیا۔ منصور کا "انا الحق" (میں حق ہوں) کا نعرہ اسی فنا کی کیفیت کا اظہار تھا۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بھی اپنی جماعت کے عظیم خدمتگاروں کی مثالیں دی ہیں جو اس مقام کے قریب پہنچے۔

دیکھو، سلمان فارسی بھی تم جیسا آدمی تھا... سلمان کے لئے پیغمبر فرماتے تھے کہ 'سلمان من اھل البیت' (یعنی سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے) انہوں نے کس طرح مولا کو پہچانا ہوگا کہ جس کی وجہ سے اس مرتبہ تک پہنچے ہیں۔

(کلام امام مبین فرمان 11 جِلد 1)

مرحوم وزیر محمد ریمو نے ہماری بہت خدمت کی ہے۔ انکی مثال اہل بیت کے خاندان میں سے ہے۔ جس طرح وزیر صالح بریا، وزیر رحیم اہل بیت ہو گزرے ہیں۔

(کلام امام مبین فرمان 402 جِلد 2)

روحانی معراج

فنا فی الامام ہی مومن کی روحانی معراج ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں روح اپنے تمام مادی اور نفسانی حجابات کو توڑ کر اپنے اصل، یعنی نورِ امامت، میں واپس جا ملتی ہے۔

تمہارے روح کا آخری سرا سمندر میں یعنی کہ خود ہمارے میں ۔ آخر کار تم سمندر میں مل جاؤ گے۔

(کلام امام مبین فرمان 100 جِلد 1)

جب مومن کی روح امام کی روح سے ایک ہو جاتی ہے، تو وہ ابدی زندگی پا لیتی ہے۔ اب اس کے لئے نہ موت کا خوف ہے، نہ قیامت کا ڈر، اور نہ جنت کی خواہش۔ اس کی جنت، اس کا مولا ہے، اور اس کی سب سے بڑی نعمت، اپنے امام کے وجود میں ہمیشہ کے لئے زندہ رہنا ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا

"ہم تمھیں دُعا فرماتے ہیں کہ تمھاری روح ، ہماری روح کے ساتھ ایک ہو جائے۔ خانہ وادان۔"

(کلام امام مبین فرمان 168 جِلد 2)

یہ اسماعیلی روحانیت کا بلند ترین نصب العین ہے، جس کی طرف ہر سچے مومن کا سفر جاری رہنا چاہیے۔

خاتمہ: یومِ آخرت کا پیغام - خوف نہیں، امید اور روحانی تیاری

اس طویل اور گہری بحث کے اختتام پر، اگر ہم یومِ آخرت، قیامت اور ظہورِ مہدی سے متعلق قرآنی آیات اور فرامینِ امام علیہ السلام کا خلاصہ نکالیں، تو ہمارے سامنے ایک واضح اور روشن پیغام ابھرتا ہے۔ یہ پیغام خوف، مایوسی اور غیر فعال انتظار کا نہیں، بلکہ امید، عمل اور مسلسل روحانی تیاری کا ہے۔

جوابدہی کا احساس: عقیدہ آخرت ہمیں سب سے پہلے یہ سکھاتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر عمل کے لئے جوابدہ ہیں۔ یہ احساس ہمیں ایک ذمہ دار، بااخلاق اور انصاف پسند انسان بننے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی بھی اتنی ہی اہم ہے، بلکہ بعض صورتوں میں اس سے بھی زیادہ۔

دنیا کی حقیقت: یہ عقیدہ ہمیں دنیا کی عارضی اور فانی حیثیت سے آگاہ کرتا ہے۔ اس کا مقصد دنیا سے نفرت نہیں، بلکہ دنیا کو ایک امتحان گاہ اور آخرت کی کھیتی سمجھنا ہے۔ ہمیں دنیا میں رہنا ہے، کاروبار کرنا ہے، خاندان کی پرورش کرنی ہے، لیکن اپنے دل کو دنیا کی محبت میں گرفتار نہیں ہونے دینا۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا

"دنیا کا کام کرنا، خالی ہاتھ بیٹھے نہیں رہنا اور حلال کی روٹی کھاؤ... لیکن اپنا دل دنیا میں نہیں لگانا۔"

(کلام امام مبین فرمان 25 جِلد 1)

(کلام امام مبین فرمان 16 جِلد 1)

انتظار کی نفی، عمل پر زور: اسماعیلی شیعیت کی سب سے بڑی خوبصورتی یہ ہے کہ یہ ہمیں کسی غائب مہدی کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے منع کرتی ہے۔ ہمارا مہدی، ہمارا ہادی، ہمارا صاحب الزماں، ہمارے زمانے کا حاضر و موجود امام ہے۔ نجات کا راستہ انتظار میں نہیں، بلکہ اس حاضر امام کی پہچان اور اس

کی کامل اطاعت میں ہے۔

البتہ خلافتِ مہدویت ایک دور کا نام ہے جس پر تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔

روحانی قیامت: قیامت اور ظہور کا اصل میدان ہمارا اپنا قلب اور ہماری اپنی روح ہے۔ ہمیں کائنات کی قیامت کا انتظار کرنے کے بجائے، اسی دنیا میں اپنی نفسانی خواہشات کی قیامت برپا کرنی ہے۔ ہمیں اپنے دل کو گناہوں کی آلائشوں سے پاک کر کے اسے امام کے نور کے ظہور کے لئے تیار کرنا ہے۔ جب ہمارے دل میں امام کا ظہور ہو جائے گا، تو ہماری دنیا خود بخود عدل و انصاف سے بھر جائے گی۔

1. **امید اور رحمت کا پیغام**: فرامینِ مبارکہ کا مجموعی پیغام خوف اور دہشت کا نہیں، بلکہ اللہ اور اس کے امام کی بے پایاں رحمت اور محبت کا ہے۔ امامِ زماں ایک شفیق باپ کی طرح ہر لمحہ اپنے روحانی بچوں کی فکر کرتے ہیں، ان کی رہنمائی کرتے ہیں، ان کے گناہوں کی معافی فرماتے ہیں

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے فرمایا

ہمیں دیکھ کر جماعت جتنی خوش ہوتی ہے ، اس سے بڑھ کر ہمیں انتہائی زیادہ خوشی، اپنے روحانی بچوں کو دیکھ کر ہوئی ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 466 جِلد 2)

شرط صرف یہ ہے کہ ہم ان کی طرف ایک قدم بڑھائیں۔ اگر ہم ایک قدم بڑھائیں گے تو وہ ہماری طرف سو قدم بڑھیں گے۔

آخر میں، ہم آخرت اور قیامت کے تصورات کو محض عقائد کی حد تک محدود نہ رکھیں، بلکہ انہیں اپنی روزمرہ کی زندگی میں ایک زندہ حقیقت کے طور پر اپنائیں۔ ہم اپنے اعمال کا مسلسل محاسبہ کریں، اپنے دلوں کو پاکیزہ بنائیں، اپنے حاضر امام علیہ السلام سے اپنے عشق اور اطاعت کے رشتے کو مضبوط کریں، اور اس دنیا میں ایک ایسی زندگی گزاریں جو نہ صرف ہماری اپنی روحانی نجات کا باعث بنے، بلکہ پوری انسانیت کے لئے امن، انصاف اور رحمت کا پیغام ہو۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے فرمایا

تم ایسے کام کرو کہ، فرشتے سے بھی زیادہ اوپر جاؤ۔ اچھے کام کرنے سے تمھارے دل کے خیالات تمہیں اوپر لے جائیں گے۔

(کلام امام مبین فرمان 48 جِلد 1)

ظاہری شریعت اور باطنی شریعت: شیعہ امامیہ اسماعیلیہ تعلیمات کی روشنی میں

دینِ اسلام ایک بحرِ بیکراں کی مانند ہے جس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ظاہر اس کی لہریں ہیں جو نظر آتی ہیں، مگر باطن اس کی گہرائی ہے جہاں معرفت کے موتی پوشیدہ ہیں۔ شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی یہی حال ہے۔ اس کا ایک ظاہری ڈھانچہ ہے جو عبادات، رسومات اور قوانین پر مشتمل ہے، جسے شریعت کہا جاتا ہے۔ اور ایک اس کی روح ہے، اس کا مغز، جسے طریقت اور حقیقت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ شیعہ امامیہ اسماعیلیہ عقیدے کے مطابق، اس باطنی حقیقت تک رسائی اور ظاہر کی صحیح تاویل کا علم صرف اور صرف زمانے کے حاضر و موجود امامِ زمانہ، امام العصر علیہ السلام سے ہی ممکن ہے، جو نورِ امامت کے وارث اور "قرآنِ ناطق" ہیں۔

اس مضمون میں ہم ائمہ طاہرین علیہم السلام، بالخصوص حضرت امام شاہ حسن علی شاہ، حضرت امام شاہ علی شاہ، اور حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہم السلام کے فرامین کی روشنی میں ظاہری اور باطنی شریعت کے فرق کو واضح کریں گے۔ ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ کس طرح دیگر مکاتب فکر کی کتب میں موجود پیشین گوئیاں، بالخصوص "امرِ جدید" کا تصور، شیعہ امامیہ اسماعیلیہ کے زندہ امام کے تصور کی تصدیق کرتی ہیں۔

باب اول: ظاہری شریعت کی حدود اور باطنی شریعت کی اہمیت

مختصر تعارف: اس باب میں یہ واضح کیا جائے گا کہ ظاہری اعمال، جیسے نماز اور روزہ، اپنی جگہ ہیں لیکن ان کی روح اور قبولیت کا دارومدار امامِ وقت کی معرفت اور باطنی پاکیزگی پر ہے۔ معرفت کے بغیر ظاہر محض ایک بے جان جسم ہے۔

ظاہری شریعت دین کی پہلی سیڑھی ہے، مگر منزل نہیں۔ یہ جسم ہے، روح نہیں۔ یہ معاشرتی نظم و ضبط اور اجتماعی عبادت کا ذریعہ ہے، لیکن اس کی اصل غایت روح کی بلندی اور معرفتِ الٰہی کا حصول ہے۔ جب ظاہر کو ہی سب کچھ سمجھ لیا جائے اور باطن سے غفلت برتی جائے تو دین ایک رسم بن کر رہ جاتا ہے۔ کربلا کا المناک واقعہ اس کی سب سے بڑی مثال ہے۔ امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام اس حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں

> شمر تو کہتا تھا کہ میں تو خدا کا بندہ ہوں اور خدا کی عبادت بندگی بھی کرتا تھا۔ پھر بھی حضرت امام حسین کو شہید کیا۔ صرف اتنا ہی نہیں ، بلکہ شہید کرنے کے لئے بھی بہت جلدی کرتا تھا۔ حضرت امام حسین نے فرمایا کہ اتنی جلدی کیوں کرتا ہے ؟ تب شمر نے کہا کہ نماز کا وقت ہو رہا ہے ، اسلئے ...آپ کو جلدی سے شہید کر کے نماز میں شامل ہو جاؤں اور نماز پڑھوں۔
>
> جن کو امام کی شناخت ہے، جو حاضر امام کو پہچانتا ہے ، اسی کی عبادت قبول ہوگی۔

(کلام امام مبین فرمان 5 جِلد 1)

یہ فرمان دل دہلا دینے والی حقیقت کو آشکار کرتا ہے۔ شمر، جو ظاہری طور پر نماز کا پابند تھا، زمانے کے امام کو پہچاننے سے قاصر رہا۔ اس کی نماز اسے تاریخ کے بدترین گناہ سے نہ بچا سکی۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام کی معرفت کے بغیر ظاہری عبادات نہ صرف بے فائدہ ہیں بلکہ گمراہی کا سبب بھی بن سکتی ہیں۔

اسی طرح، عبادت کی زبان اور طریقہ کار بھی ظاہر کا حصہ ہیں۔ اصل چیز وہ باطنی کیفیت اور عشق ہے جس کے ساتھ عبادت کی جائے۔ حضرت امام شاہ علی شاہ علیہ السلام فرماتے ہیں

> دعا اور نماز ایک ہی ہے، صرف نام کا فرق ہے، یہ بات ذہن میں رکھنا کہ خدا سب باتیں اور زبانیں جانتا ہے، جو خدا صرف عربی زبان جانتا ہے اور دوسری زبانوں سے نا واقف ہے، ہمیں وہ خدا نہیں چاہئے، خدا تو پانی میں بولنے والی مچھلی کی زبان بھی جانتا ہے۔

آغا خان دوم حضرت مولانا امام آقا علی شاہ علیہ السلام سرمایۂ آخرت فرمان نمبر 3

یہاں دین کے مغز پر زور دیا گیا ہے۔ اصل مقصد خدا سے رشتہ قائم کرنا ہے، چاہے اس کے لیے الفاظ کسی بھی زبان کے ہوں۔ باطن، یعنی امام پر ایمان اور عشق، ہی ظاہر کو قبولیت کا درجہ عطا کرتا ہے۔ بصورتِ دیگر، اعمال کا ڈھیر راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں۔

باب دوم: زمانے کا امام: زندہ اور متحرک شریعت کا سرچشمہ

مختصر تعارف: یہ باب اس بنیادی عقیدے کی وضاحت کرتا ہے کہ شیعہ امامیہ اسماعیلیہ کے نزدیک شریعت جامد نہیں بلکہ ایک زندہ اور متحرک حقیقت ہے، جس کی تشریح اور رہنمائی کا اختیار صرف زمانے کے حاضر امام کو حاصل ہے۔ امامِ زمانہ، امام العصر علیہ السلام کا فرمان ہی اُس دور کی زندہ شریعت ہے۔

دینِ اسلام قیامت تک کے لیے ہے، اور ہر زمانے کے اپنے تقاضے، مسائل اور چیلنجز ہوتے ہیں۔ ایک جامد قانون ہر دور کے مسائل کا حل پیش نہیں کر سکتا۔ اسی لیے خداوندِ تعالیٰ نے قرآنِ صامت (خاموش کتاب) کے ساتھ قرآنِ ناطق (بولنے والا امام) کا سلسلہ جاری رکھا، جو ہر دور میں دین کی ابدی حقیقتوں کو زمانے کے مطابق بیان کرتا ہے۔ امام کا فرمان محض ایک نصیحت نہیں، بلکہ وہ اُس دور کے لیے خدا کی مرضی کا اظہار اور زندہ شریعت ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس نکتے کو ایک انتہائی بلیغ تمثیل کے ذریعے واضح فرمایا۔ آپ نے ایک موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا، جس میں حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کیا، ایک لڑکے کو قتل کیا اور ایک گرتی ہوئی دیوار کو بغیر اجرت کے تعمیر کیا۔ یہ تینوں اعمال ظاہری طور پر غلط اور ناقابلِ فہم تھے، لیکن ان کے پیچھے گہری باطنی حکمت پوشیدہ تھی۔ امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے اس واقعے کو بیان کرنے کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرمایا

> میرا علم سیکھنے کی تم میں طاقت نہیں ہے، کہ تم سیکھ سکو۔ کیونکہ تم میں اتنا صبر نہیں ہے اور تم صبر نہیں کر سکو گے۔ ... بہت سی باتیں تمہاری عقل پر نہ اتریں، تو پیر مرشد فرمائیں، تمہیں اُس مطابق کرنا چاہیئے کیونکہ انکو سب کچھ روشن ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 6 جِلد 1)

اس فرمان کا مقصد یہ سکھانا ہے کہ مرید کی عقل محدود ہے جبکہ امام کی عقل، عقلِ کل سے منسلک ہے۔ مرید کا کام امام کے فرمان کی ظاہری منطق پر بحث کرنا نہیں، بلکہ اس پر مکمل یقین اور غیر مشروط اطاعت کرنا ہے، کیونکہ روحانی نجات کا راستہ صرف امام ہی جانتا ہے۔ یہی متحرک رہنمائی شیعہ امامی اسماعیلی عقیدے کی بنیاد ہے۔ امام کا کام ماضی کی لکیر پیٹنا نہیں، بلکہ مستقبل کی راہ دکھانا ہے۔

باب سوم: قائم کا ظہور اور "امرِ جدید" - قرآنی اور روایتی استدلال

مختصر تعارف: اس باب میں اثنا عشری کتب سے فراہم کردہ احادیث اور قرآن کی آیتِ استخلاف کا شیعہ امامیہ اسماعیلیہ کے نقطۂ نظر سے تجزیہ کیا جائے گا۔ یہ ثابت کیا جائے گا کہ "امرِ جدید" کا تصور کسی ایک مستقبل کی شخصیت سے نہیں بلکہ ہر دور کے حاضر امام کے اختیار اور منصب سے منسلک ہے۔

دیگر مکاتب فکر کی طرح، شیعہ امامیہ اسماعیلیہ بھی امام قائم کے ظہور پر یقین رکھتے ہیں، لیکن اس کے مفہوم میں بنیادی فرق ہے۔ اثنا عشری کتب میں امام قائم (مہدی) کے بارے میں جو روایات ملتی ہیں، وہ درحقیقت ہر دور کے امام کے منصب اور اختیارات کی نشاندہی کرتی ہیں۔

قرآنی استدلال: سورۃ النور، آیت ۵۵

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ

ترجمہ: "اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور جانشین (حکمران) بنائے گا، جیسا کہ اس نے ان سے پہلے والوں کو جانشین بنایا تھا، اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور نئی بنیادوں پر قائم کرے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے گا تو وہی لوگ فاسق ہیں۔"

کتاب "غیبتِ نعمانی" میں امام جعفر الصادق علیہ السلام سے منسوب اس آیت کی تفسیر یوں ہے:

حدثنا أحمد بن محمد بن سعيد قال: حدثنا أحمد بن يوسف بن يعقوب الجعفي أبو الحسن من كتابه قال: حدثنا إسماعيل بن مهران، قال: حدثنا الحسن بن علي بن أبي حمزة، عن أبيه

ووهيب، عن أبي بصير، عن أبي عبد الله في معنى قوله (وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا...) قال: نزلت في القائم وأصحابه.

ترجمہ: احمد بن محمد بن سعید نے ابی بصیر سے روایت کی کہ ابو عبداللہ (امام صادق) علیہ السلام نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: "یہ آیت قائم اور ان کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

غیبتِ نعمانی، صفحہ 240، حدیث نمبر 35

شیعہ امامیہ اسماعیلیہ نقطۂ نظر سے یہ آیت صرف کسی ایک آخری امام کے لیے مخصوص نہیں، بلکہ یہ امامت کے پورے سلسلے پر صادق آتی ہے۔ اس کا پہلا اور عظیم ظاہری اطلاق دولتِ فاطمیہ کے قیام کی صورت میں ہوا، جب امام محمد بن عبد اللہ المهدي علیہ السلام نے عباسیوں کے دورِ حکومت کے بعد ایک نئی سلطنت قائم کی اور دین کو تمکنت بخشی۔ لیکن روحانی سطح پر ہر امام اپنے دور میں اپنے مریدوں کے دلوں میں دین کو قائم کرتا ہے اور انہیں روحانی امن عطا کرتا ہے۔

روایتی استدلال: امرِ جدید، کتابِ جدید، سنتِ جدید

غیبتِ نعمانی" میں امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک اور روایت منقول ہے

أخبرنا علي بن الحسين بإسناده عن أحمد بن محمد بن أبي نصر، عن عاصم ابن حميد الحناط، عن

أبي بصير قال: قال أبو جعفر: يقوم القائم بأمر جديد، وكتاب جديد، وقضاء جديد على العرب شديد

ترجمہ: علی بن الحسین نے ابی بصیر سے روایت کی کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: "قائم ایک نئے امر، ایک نئی کتاب اور ایک نئے فیصلے کے ساتھ ظہور کریں گے۔ وہ عربوں پر سخت ہوں گے۔

2-

أخبرنا أحمد بن محمد بن سعيد بن عقدة قال: حدثني أحمد بن يوسف بن يعقوب أبو الحسن - الجعفي من كتابه، قال: حدثنا إسماعيل بن مهران، قال: حدثنا الحسن بن علي بن أبي حمزة،

عن أبيه ووهيب بن حفص، عن أبي بصير، عن أبي جعفر محمد بن علي أنه وقال: إذا خرج
يقوم بأمر جديد، وكتاب جديد، وسنة
جديدة وقضاء جديد، على العرب شديد

جب قائم علیہ السلام قیام کریں گے، تو وہ ایک نئے طریقے، نئے اصولوں، نئی سنّت اور نئے فیصلوں کے ساتھ حکومت کریں گے۔ وہ عربوں کے ساتھ سختی سے پیش آئیں گے

غیبتِ نعمانی، صفحہ 231، حدیث نمبر 19

یہاں "نئی کتاب" سے مراد قرآن کو بدلنا نہیں، بلکہ اس کی باطنی تاویل کو ظاہر کرنا ہے جو صرف صاحب الزماں ہی کر سکتا ہے۔ یہ "کتابِ ناطق" (بولنے والی کتاب) کا تصور ہے، جہاں امام خود چلتا پھرتا قرآن ہیں۔ "نیا امر" اور "نیا فیصلہ" بھی زمانے کے امام کے ان اختیارات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کے تحت وہ اپنی جماعت کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ ہر امام کا فرمان اپنے دور کے لیے "امرِ جدید" ہے۔ یہ تجدیدِ دین کا وہ سلسلہ ہے جو امامت کے تسلسل کے ساتھ جاری و ساری ہے۔اور 'نئی سنت' کا مطلب نئی شریعت نہیں، بلکہ اصل شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی تاویل، یعنی باطنی شریعت مراد ہے لہذا، "قائم" کا تصور کسی ایک غائب شخصیت تک محدود نہیں، بلکہ یہ منصبِ امامت کا خاصہ ہے۔ ہر امام اپنے زمانے کا "قائم" ہے جو دین کو اس کی اصل روح کے ساتھ قائم کرتا ہے۔

باب چہارم: باطنی پاکیزگی: روحانی ارتقاء اور مومن کی معراج

مختصر تعارف: آخری باب میں اس بات پر روشنی ڈالی جائے گی کہ باطنی شریعت کا مقصد محض امام کی پہچان تک محدود نہیں، بلکہ اس پہچان کی روشنی میں اپنے نفس کی پاکیزگی اور روحانی ارتقاء حاصل کرنا ہے۔ ایک حقیقی مومن کا دل ہی امام کا مسکن ہے۔

باطنی شریعت کا حتمی مقصد روح کو اس کی اصل کی طرف لوٹانا ہے۔ یہ سفر باطنی پاکیزگی کے بغیر ناممکن ہے۔ امام کے فرامین محض علم نہیں، بلکہ وہ روحانی تزکیے کا عملی راستہ ہیں۔ امام سلطان محمد شاہ علیہ السلام نے بارہا اعمال کی پاکیزگی پر زور دیا ہے۔

اعمال پاک وہ کیا اور کس طرح پاک رہیں؟ اعمال پاک رکھنے کے لئے ہمیشہ یادگیری رکھنی چاہیئے۔ یہ یاد رکھنے کا کام بہت کٹھن ہے۔ کیونکہ شیطان انسان کو ہمیشہ فریب دیتا ہے۔

(کلام امام مبین فرمان 139 جِلد 1)

یہ فرامین واضح کرتے ہیں کہ روحانی سفر ایک مسلسل جدوجہد ہے۔ نظر کی پاکیزگی، زبان کا صحیح استعمال، دل کو حسد اور کینہ سے پاک رکھنا، یہ سب باطنی شریعت کے عملی تقاضے ہیں۔ جو مومن ان پر عمل کرتا ہے، اس کا دل امام کے نور کا مسکن بن جاتا ہے۔

"مومن کا دل امام کے رہنے کا بنگلہ ہے، اور وہ عشق پر قائم ہے۔"

(کلام امام مبین فرمان 158, جِلد 1)

ایک مومن کی معراج یہی ہے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کو اس قدر پاک کر لے کہ اس کا دل امام کے نور کی تجلی گاہ بن جائے۔ یہ سفر امام کی محبت اور ان کے فرامین پر عمل کے بغیر طے نہیں ہو سکتا۔

حاصلِ کلام

ظاہری شریعت اور باطنی حقیقت دین کے دو لازم و ملزوم پہلو ہیں۔ ظاہر جسم ہے تو باطن روح۔ ایک کے بغیر دوسرا ادھورا اور بے معنی ہے۔ شیعہ امامیہ اسماعیلیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر دور میں ایک حاضر و موجود امام، نورِ امامت کی روشنی میں، دین کی باطنی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے اور اپنی جماعت کی رہنمائی کرتا ہے۔ امام کا فرمان ہی اُس دور کے لیے زندہ اور متحرک شریعت ہے، جو مومنین کو نہ صرف دنیاوی بلکہ روحانی ترقی کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ دوسرے مکاتب فکر کی کتب میں "امرِ جدید" کا تصور بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ دین جامد نہیں بلکہ زمانے کے امام کی ہدایت کے ذریعے ہمیشہ تازہ اور متعلق رہتا ہے۔ ایک حقیقی مومن کا فرض ہے کہ وہ ظاہری اعمال کو امامِ

زماں کی معرفت اور محبت کے ساتھ ادا کرے اور اپنے باطن کو اس قدر پاکیزہ بنائے کہ وہ خود چلتی پھرتی شریعت کا نمونہ بن جائے۔ جیسا کہ امام نے فرمایا

"ہمارے جسم کو نہیں۔ دیکھنا، ہمارے فرامین پر دھیان دینا۔"

(کلام امام مبین فرمان 204 جِلد 2)

یہی شیعہ امامیہ اسماعیلیہ عقیدے کا جوہر اور دین کی اصل حقیقت ہے۔

تمہید: حج کا ظاہری اور باطنی پہلو

دینِ اسلام کے بنیادی ستونوں میں سے ایک اہم ستون حج ہے۔ لغت میں حج کا مطلب "قصد کرنا" یا "ارادہ کرنا" ہے۔ ظاہری شریعت کی اصطلاح میں، حج سے مراد مکہ مکرمہ میں واقع بیت اللہ (خانہ کعبہ) کا قصد کرنا اور مخصوص ایام میں مخصوص عبادات (مناسکِ حج) ادا کرنا ہے۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جو ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے
وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا

اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک جانے کی استطاعت رکھے، وہ اس کا حج کرے۔" (سورۃ آل عمران، آیت ۹۷)

حج کے ظاہری مناسک جیسے طواف، سعی، وقوفِ عرفات، قربانی اور دیگر اعمال، اللہ تعالیٰ کی بندگی اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت کی پیروی کا مظہر ہیں۔ یہ اعمال امتِ مسلمہ کے اتحاد، مساوات اور خدا کے حضور بندگی کے جذبے کو ظاہر کرتے ہیں۔

لیکن جس طرح دینِ اسلام کے ہر ظاہری حکم میں ایک باطنی حکمت اور روحانی مفہوم پوشیدہ ہے، اسی طرح حج کی عبادت بھی ایک گہرے باطنی فلسفے کی حامل ہے۔ حقیقی حج صرف جسمانی سفر اور ظاہری رسومات کی ادائیگی کا نام نہیں، بلکہ یہ روح کا سفر ہے جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت اور اس کی زندہ و حاضر حجت (امامِ زماں) کی پہچان ہے۔ یہ ایک ایسا سفر ہے جو انسان کو محض پتھروں سے بنے ایک گھر تک نہیں، بلکہ اُس زندہ و ناطق "کعبہ" تک پہنچاتا ہے، جس کی معرفت ہی دراصل دین کی اصل ہے۔

اس میں ہم قرآن، احادیثِ نبوی (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) اور شیعہ امامیہ اسماعیلی اماموں کے فرامین کی روشنی میں حج کے اسی باطنی اور حقیقی مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کریں گے، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ ظاہری حج کی اصل روح اور حقیقت کیا ہے۔

باب اول: قرآن اور حدیث میں حج اور کعبہ کا مقام

قرآنِ کریم نے خانہ کعبہ کو اللہ کا پہلا گھر، مقامِ امن اور لوگوں کے لئے ہدایت کا مرکز قرار دیا ہے۔ اس کی زیارت اور اس کے گرد طواف کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔ یہ ظاہری کعبہ مسلمانوں کے لئے ایک سمت (قبلہ) اور اتحاد کی علامت ہے۔

لیکن اہلِ بصیرت اور اصحابِ معرفت نے ہمیشہ اس ظاہری علامت کے پیچھے چھپے باطنی راز کو جاننے کی کوشش کی ہے۔ احادیثِ نبوی (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) میں اس باطنی حقیقت کی طرف واضح اشارے ملتے ہیں، جہاں کعبے کی نسبت مولا مرتضیٰ علی (علیہ السلام) سے قائم کی گئی ہے، جو بابِ علم اور دین کی اساس ہیں۔

زندہ کعبہ کی مثال

رسولِ اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) نے حضرت علی (علیہ السلام) کی مثال امت میں کعبے سے دی ہے۔ یہ حدیث دیگر مکاتبِ فکر کی مستند کتابوں میں تواتر کے ساتھ ملتی ہے

عَنْ اَبِی ذَرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَثَلُ عَلِیٍّ فِیکُمْ۔ اَوْ قَالَ فِی ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ کَمَثَلِ الْکَعْبَۃِ الْمَسْتُوْرَۃِ، اَلنَّظَرُ اِلَیْھَا عِبَادَۃٌ، وَ الْحَجُّ اِلَیْھَا فَرِیْضَۃٌ۔

ترجمہ: "حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) نے فرمایا کہ علی کی مثال

تمہارے درمیان یا (فرمایا) اس اُمت کے درمیان کعبہ مستورہ کی مانند ہے کہ اُس کی طرف نظر کرنا عبادت ہے اور اُس کا قصد کرنا (یعنی اس کی جانب جانا) واجب ہے۔

(حوالہ جات: تاریخ دمشق، شرح حالِ امام علی، ج۲، ص۴۰۶، فرائد السمطین، ج۱، ص۱۸۲

ابن عساکر، تاریخ دمشق شرح حالِ امام علی ، ج2ص406حدیث905،شرح محمودی

سیوطی، تاریخ الخلفاء میں، صفحہ172"اَلنَّظَرُ اِلٰی عَلِیٍّ عِبادۃ"۔

ابن اثیر، اسد الغابہ میں، جلد4، صفحہ 31 (بطابق نقل آثار الصادقین، جلد14، صفحہ 213 "اَنْتَ بِمَنْزِلَۃِ الْکَعْبَۃِ"۔

ابن مغازلی، مناقب میں، حدیث149، صفحہ 106اور حدیث 100، صفحہ70۔

حموینی، کتاب فرائد السمطین ، جلد1، صفحہ182(بطابق نقل آثار الصادقین، جلد1، صفحہ182)"کعبہ اور علی کی طرف نظر کرنا عبادت ہے"۔

حاکم، المستدرک ،حدیث113،باب مناقب ِعلی ،جلد3، صفحہ141 'اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْہِ علی عبادۃ۔

ابو نعیم ،حلیۃ الاولیاء ، شرح حال اعمش، ج5ص58 'اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْہِ علی عبادہ'

ابن کثیر، البدایہ والنہایہ میں، جلد7، صفحہ358"اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْہِ علی عبادۃ"۔

گنجی شافعی، کتاب کفایۃ الطالب میں، باب34، صفحہ160اور161۔

ذہبی، کتاب میزان الاعتدال میں، جلد4، صفحہ127، شمارہ8590 اور جلد1، صفحہ 507 ، شمارہ1904"اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْہِ علی عبادۃ۔

(

اس حدیث میں رسولِ خدا (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) نے حضرت علی (علیہ السلام) کو ظاہری کعبہ نہیں، بلکہ "کعبہ مستورہ" یعنی وہ پوشیدہ کعبہ قرار دیا ہے جس کی حقیقت ہر کسی پر عیاں نہیں۔ لوگ ظاہری کعبے کا حج کرتے ہیں، لیکن حقیقی حج اُس زندہ کعبے کا ہے جس کی معرفت واجب ہے۔

وجہ اللہ کا دیدار

اسی مفہوم کو مزید واضح کرنے والی وہ مشہور حدیث ہے جس میں حضرت علی (علیہ السلام) کے چہرۂ مبارک کو دیکھنا عبادت قرار دیا گیا ہے

"اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْہِ علی عبادۃ"

"ترجمہ: "علی کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

(حوالہ جات: المستدرک للحاکم، ج۳، ص۱۴۱، تاریخ الخلفاء للسیوطی، ص۱۷۲، البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ج۷، ص۳۵۸)

جب ان دونوں احادیث کو ملا کر پڑھا جائے تو مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ کعبہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور علی (علیہ السلام) کے چہرے کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علی (علیہ السلام) ہی وہ باطنی کعبہ اور "وجہ اللہ" (اللہ کا چہرہ) ہیں، جس کی طرف متوجہ ہونا حقیقی عبادت ہے۔

اہلِ بیت (علیہم السلام) ہی دین کے ستون ہیں

اثنا عشری مستند کتاب "بحار الانوار" میں امام صادق (علیہ السلام) کی ایک حدیث اس باطنی مفہوم کو اپنے عروج پر پہنچا دیتی ہے:

یَا دَاوُدُ، نَحْنُ الصَّلَاةُ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَنَحْنُ الزَّكَاةُ، وَنَحْنُ الصِّيَامُ، وَنَحْنُ الْحَجُّ، وَنَحْنُ الشَّهْرُ الْحَرَامُ، "
".وَنَحْنُ الْبَلَدُ الْحَرَامُ، وَنَحْنُ كَعْبَةُ اللَّهِ، وَنَحْنُ قِبْلَةُ اللَّهِ، وَنَحْنُ وَجْهُ اللَّهِ

ترجمہ: "اے داؤد، ہم کتاب اللہ میں نماز ہیں۔ ہم ہی زکوٰۃ ہیں، ہم ہی روزہ ہیں، ہم ہی حج ہیں، ہم ہی شہر حرام ہیں، ہم "ہی بلد حرام (مکہ) ہیں، ہم ہی کعبۃ اللہ ہیں، ہم ہی قبلۃ اللہ ہیں اور ہم ہی وجہ اللہ (اللہ کا چہرہ) ہیں۔

(بحار الانوار، جلد ۲۴، صفحہ ۳۰۵)

اس فرمان سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اسلام کے تمام ظاہری ارکان کی ایک باطنی اور زندہ حقیقت ہے، اور وہ حقیقت محمد و آلِ محمد (صلوات اللہ علیہم) کی ذواتِ مقدسہ ہیں۔ لہٰذا حقیقی حج، حقیقی نماز، حقیقی روزہ اور حقیقی زکوٰۃ، امامِ زماں کی معرفت، ان کی اطاعت اور ان سے محبت کے بغیر ناممکن ہے۔ حج کا جسمانی سفر اس وقت تک بے معنی ہے جب تک روح کا سفر امامِ حق کی طرف نہ ہو۔

باب دوم: شیعہ امامیہ اسماعیلی اماموں کے فرامین میں حج کی حقیقت

شیعہ امامیہ اسماعیلی عقیدے کی بنیاد ہی امامِ زماں کی معرفت پر ہے۔ اماموں نے اپنے فرامین میں بارہا اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ تمام ظاہری عبادات کا مقصد حاضر امام کی پہچان ہے۔ اگر یہ پہچان حاصل نہ ہو تو تمام عبادات بے روح اور بے معنی ہیں۔

حاضر امام ہی حقیقی کعبہ اور خداوند کا مظہر ہے

شیعہ امامی اسماعیلی آئمہ طاہرین علیہم السلام نے اپنے فرامین میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ اصل حقیقت، حاضر و موجود امام کی ذات ہے۔

حضرت امام شاہ حسن علی شاہ (علیہ السلام) نے فرمایا

> اے جماعتو ہم ہی صحیح نورُ اللہ امام ہیں، اس بات میں جو شک لائے گا، وہ جہنم میں جائے گا، ہم خود، آغا علی شاہ بادشاہ ہے اس کو صحیح مرتضی علی صلوات اللہ علیہ سمجھ کر مانا، اگر ایسا مانو گے تو تمہیں نجات حاصل ہوگی۔
>
> آغا خان اوّل حضرت امام حسن علی شاہ علیہ السلام سرمایۂ آخرت فرمان نمبر 1

حضرت امام آقا علی شاہ (علیہ السلام) نے اس روحانی سلسلے کو مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا

> ہم تمہارے دین کے سردار امام ہیں، میں ہی علی مرتضی ہوں اور میں ہی حسین علیہ السلام ہوں اول بھی ہم ہی ہیں اور آخر بھی ہم ہی ہیں۔
>
> آغا خان دوم حضرت مولانا امام آقا علی شاہ علیہ السلام سرمایۂ آخرت فرمان نمبر 1

ان فرامین سے یہ عقیدہ واضح ہوتا ہے کہ معرفت کا مرکز و محور، زمانے کے حاضر امام کی ذات ہے۔ جب امام ہی اللہ کا مظہر ہیں تو پھر حقیقی حج اور حقیقی عبادت بھی انہی کی جانب روحانی سفر کا نام ہے۔

مکہ اور ظاہری حج کا باطنی مفہوم

آئمہ طاہرین علیہم السلام نے ظاہری کعبہ اور مکہ کی اہمیت کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے تاکہ مومن ظاہری علامت میں گم ہو کر باطنی حقیقت کو نہ بھول جائے۔

حضرت امام آقا علی شاہ (علیہ السلام) نے ایک فرمان میں ارشاد فرمایا

حقیقت یہ ہے کہ خدا چاروں طرف ہے، جس طرف بھی اسے یاد کیا وہ اسی طرف موجود ہے، مکہ کو ایسا بلند مرتبہ صرف اس لئے ملا کہ وہاں مولا مرتضیٰ علی پیدا ہوئے ، اس وجہ سے مکہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی ، مکہ میں خدا قید ہو کر نہیں بیٹھا ہوا ہے۔

آغا خان دوم حضرت مولانا امام آقا علی شاہ علیہ السلام سرمایۂ آخرت فرمان نمبر 4

یہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ ایک مقام یا پتھر کی عمارت بذاتِ خود مقصد نہیں، بلکہ اس کی فضیلت بھی اس نورانی ہستی سے وابستہ ہے جو حقیقتِ دین ہے۔ اسی طرح حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ (علیہ السلام) نے فرمایا

حاضر امام کے نزدیک ، نیت اور محبت کے بغیر کوئی چیز قبول نہیں ہوتی۔ یہ بات قرآن اور احادیث سے بھی ثابت ہے۔ حاضر امام کی دوستی اور نبی کی آل ، جو گدی کے وارث ہیں، انکی محبت اور حب کے بغیر کوئی عبادت بندگی قبول نہیں ہوتی۔

(کلام امام مبین فرمان 2 جلد 1)

لہذا، مکہ کا حج بغیر حاضر امام کی محبت اور معرفت کے ایک بے روح عمل ہے۔ حقیقی مومن وہ ہے جو ظاہری حج کی جگہ باطنی حج یعنی امامِ زماں کے حضور اپنی روح کی تسلیم و رضا پیش کرتا ہے۔

حقیقی حج، باطنی طہارت اعمالِ صالحہ ہے

آئمہ طاہرین علیہم السلام نے بارہا اس بات پر زور دیا ہے کہ ظاہری عبادات کا مقصد روح کی پاکیزگی اور اعمال کی اصلاح ہے۔ اگر روح اور عمل پاک نہیں تو محض ظاہری رسومات کی ادائیگی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ (علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ باطنی حج کے لئے ضروری ہے کہ مومن

امام زمان علیہ السلام کا دامن مضبوطی سے پکڑے۔ اپنے دینی بھائیوں سے محبت کرے۔ ان سے نرمی سے پیش آئے دسوند مال واجبات ادا کرے۔ باطنی بندگی کرے۔ دغا بازی اور جھوٹ بولنے سے ڈرے۔ حرام اور حلال کو پہچانے، اسکے فائدے اور ثواب اتنے زیادہ ہیں، جس کو بیان نہیں کیا جا

"سکتا۔

(کلام امام مبین فرمان 2 جِلد 1)

حضرت امام شاہ کریم الحسینی (علیہ السلام) نے بھی روح کی آزادی کے لئے تین ستون بیان فرمائے ہیں: ایمان، عبادت اور نیک اعمال۔ آپ فرماتے ہیں

> ایمان نہ ہو تو عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ ایمان ہی امام ہے، اس بات پر مکمل ایمان رکھنا... روح کے چھٹکارے کیلیئے پہلا ستون امام پر ایمان رکھنا ہے اور اس کی حفاظت کرنا کہ کوئی تمہارا ایمان چرا کرنہ لے جائے۔
>
> آغا خان چہارم شاہ کریم الحسینی علیہ السلام
>
> سرمایۂ آخرت فرمان نمبر 2

اس فرمان کی روشنی میں حقیقی حج، امام پر کامل ایمان لانا، اس کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی کو پاکیزہ بنانا اور نیک اعمال کے ذریعے اپنی روح کو بلند کرنا ہے۔ یہ ایک ایسا حج ہے جو ہر مومن ہر لمحہ، ہر جگہ ادا کر سکتا ہے۔

امامِ زماں کی معرفت ہی اصل عبادت ہے

فرامینِ آئمہ طاہرین علیہم السلام کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام ظاہری عبادات، بشمول حج، کا حتمی مقصد امامِ زماں کی معرفت ہے۔ اگر معرفت حاصل ہو جائے تو عبادت اپنی منزل کو پہنچ گئی۔

حضرت امام آقا علی شاہ (علیہ السلام) نے فرمایا

> عبادت تو مرتضی علی کی پہچان کیلیئے کی جاتی ہے، اس کے بعد امام علیہ السلام ماں باپ نے جماعت کوفرمایا کہ: کیا ہم علی نہیں ہیں؟ جماعت نے عرض کی کہ خداوند! آپ صحیح علی عالمین ہیں علی مرتضیٰ بھی آپ ہی ہیں، تب خداوند نے فرمایا کہ: شاباش اب کوئی پریشانی نہیں رہی۔
>
> آغا خان دوم حضرت مولانا امام آقا علی شاہ علیہ السلام سرمایۂ آخرت فرمان نمبر 2

یہ فرمان اس بات کا ثبوت ہے کہ جب جماعت نے حاضر امام کو پہچان لیا اور ان کی ذات میں علی (علیہ السلام) کے نور کا اقرار کر لیا تو گویا عبادت کا مقصد پورا ہوگیا۔ یہی وہ حقیقی حج ہے جس میں روح اپنے حقیقی کعبہ اور قبلہ کو پہچان لیتی ہے۔

خلاصۂ کلام

حج اسلام کا ایک عظیم رکن ہے جس کے باطنی پہلو نہایت اہم ہے۔

قرآن، حدیث اور فرامینِ آئمہ طاہرین علیہم السلام کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حج کی اصل روح اور حقیقت اس کے باطنی مفہوم میں پوشیدہ ہے۔ حقیقی حج، روح کا سفر ہے جس کی منزل امامِ زماں کی معرفت ہے۔

حقیقی کعبہ: رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) نے حضرت علی (علیہ السلام) کو "کعبہ مستورہ" قرار دیا ہے۔ امامِ زماں اسی نورِ علی کے مظہر اور اپنے زمانے کے زندہ و ناطق کعبہ ہیں۔

حقیقی قبلہ: اہلِ بیت (علیہم السلام) ہی "قبلۃ اللہ" اور "وجہ اللہ" ہیں۔ مومن کا حقیقی قبلہ زمانے کے حاضر امام کی ذات ہے۔

حقیقی عبادت: تمام عبادات کا مقصد امامِ حق کی پہچان ہے۔ بغیر معرفتِ امام، ظاہری رسومات بے روح ہیں۔

حج کی قبولیت کا دار و مدار بھی امامِ زماں سے محبت اور ان کی اطاعت پر ہے۔

لہٰذا، ایک شیعہ امامیہ اسماعیلی مومن کے لئے حج کا مفہوم نہایت وسیع اور گہرا ہے۔ اس کی اصل توجہ ہر لمحہ باطنی حج پر مرکوز رہتی ہے۔ اس کا ہر عمل، ہر سوچ اور ہر قدم اپنے حاضر و موجود امام کی طرف ہوتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ امام کا دیدار ہی حقیقی عبادت ہے اور امام کی معرفت ہی اصل حج ہے۔

"جس نے اپنے آپ کو پہچانا، اس نے خدا کو پہچانا۔"

اور امام کی معرفت کے بغیر خود شناسی اور خدا شناسی ناممکن ہے۔

صابر سلیم